خلیفۂ راشد، خلیفۃ المسلمین، فاتح خیبر،
دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شیر خدا، امیر المومنین

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ
کرم اللہ وجہہ الکریم

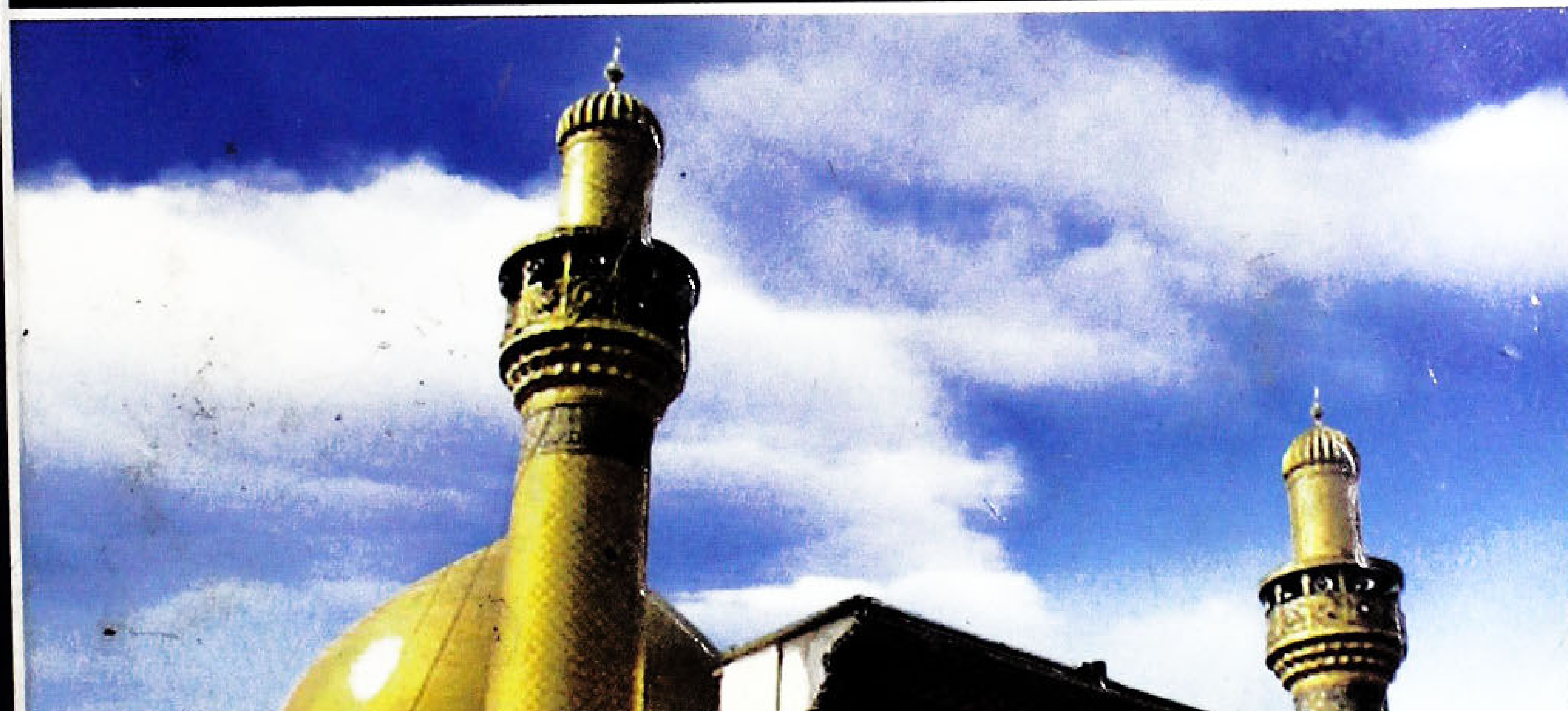

مصنف
ڈاکٹر طٰہٰ حسین

مترجم
انجم سلطان شہباز

297.9921
ط ۹۰ ع
110609

Marfat.com

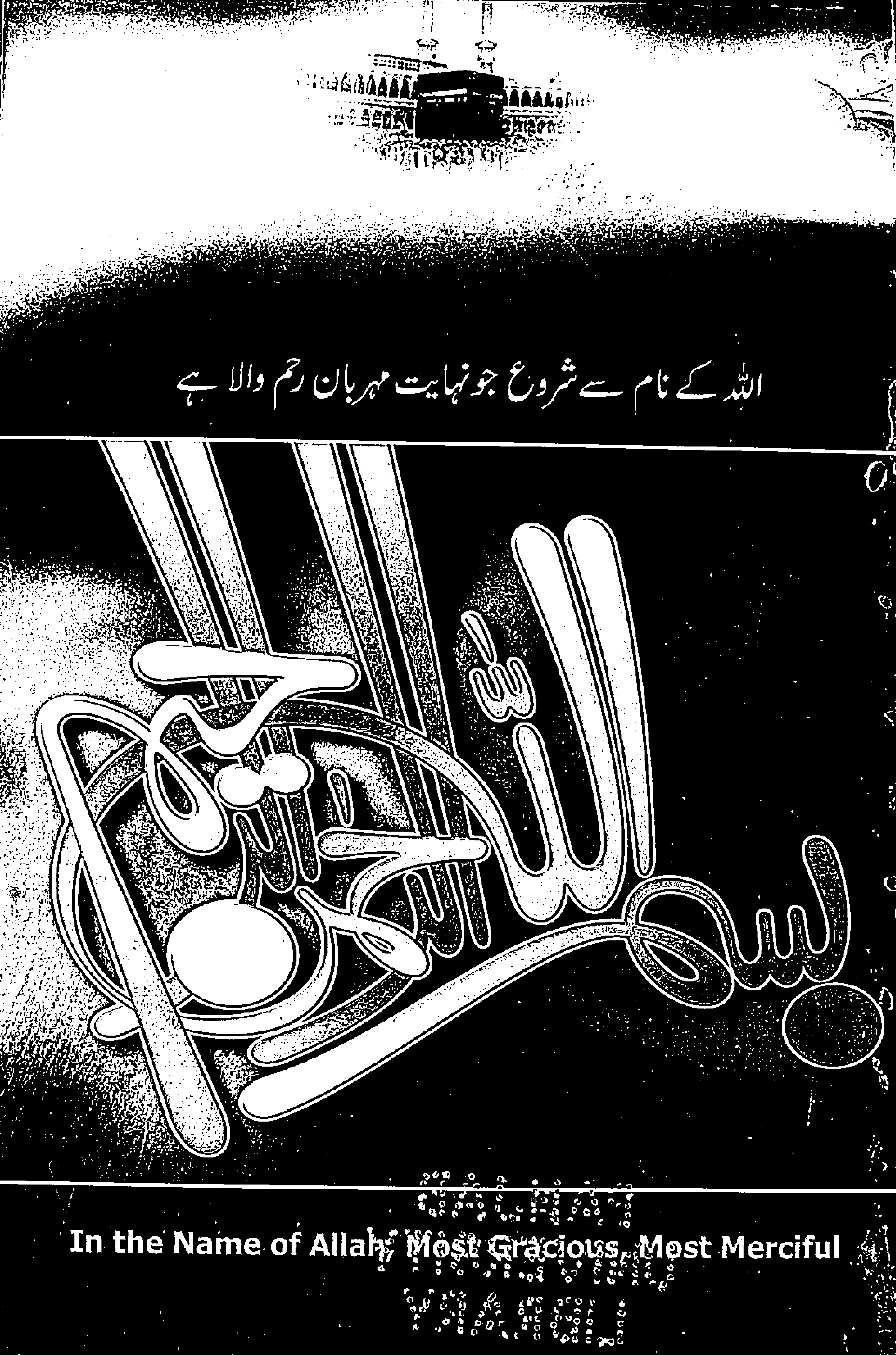
اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
In the Name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

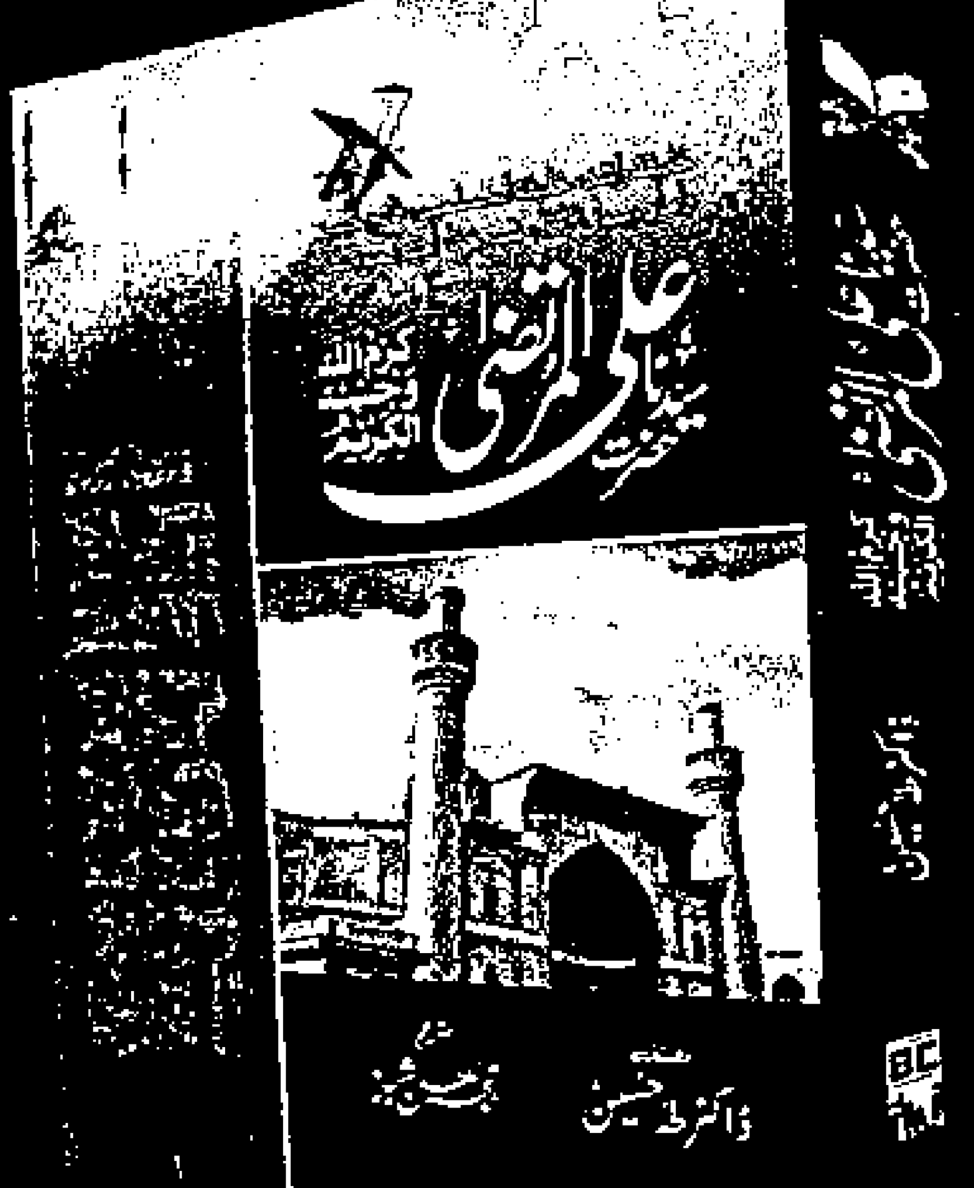

نام کتاب	:	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
مصنف	:	ڈاکٹر طٰہٰ حسین
مترجم	:	انجم سلطان شہباز
نظرثانی	:	حافظ ناصر محمود
ترتیب وتدوین	:	محمد لطیف شاہین
تزئین واہتمام	:	شاہد حمید۔ ولی اللہ
پکچرز ایڈیٹنگ	:	گگن شاہد۔ امر شاہد
پروف ریڈنگ	:	اُمّ ہادیہ
سرورق	:	ابوامامہ
مطبع	:	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

اِلتماس: اللہ ربُّ العزت کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصنیف، پروف ریڈنگ، پکچرز ایڈیٹنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمام بہرحال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درُست نہ ہوں تو ناشر، پروف رِیڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر اللہ غفورالرحیم سے عفو وکرم کے خواست گار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کہیں بھی غلطی یا خامی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درُستگی عمل میں لائی جاسکے۔ ادارہ ”بک کارنر جہلم“ کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کیلئے بے حد شکرگزار ہیں۔ (ناشر)

ناشران

بک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

0544-621953, 614977-0323-5777931

WWW.BOOKCORNER.COM.PK

Marfat.com

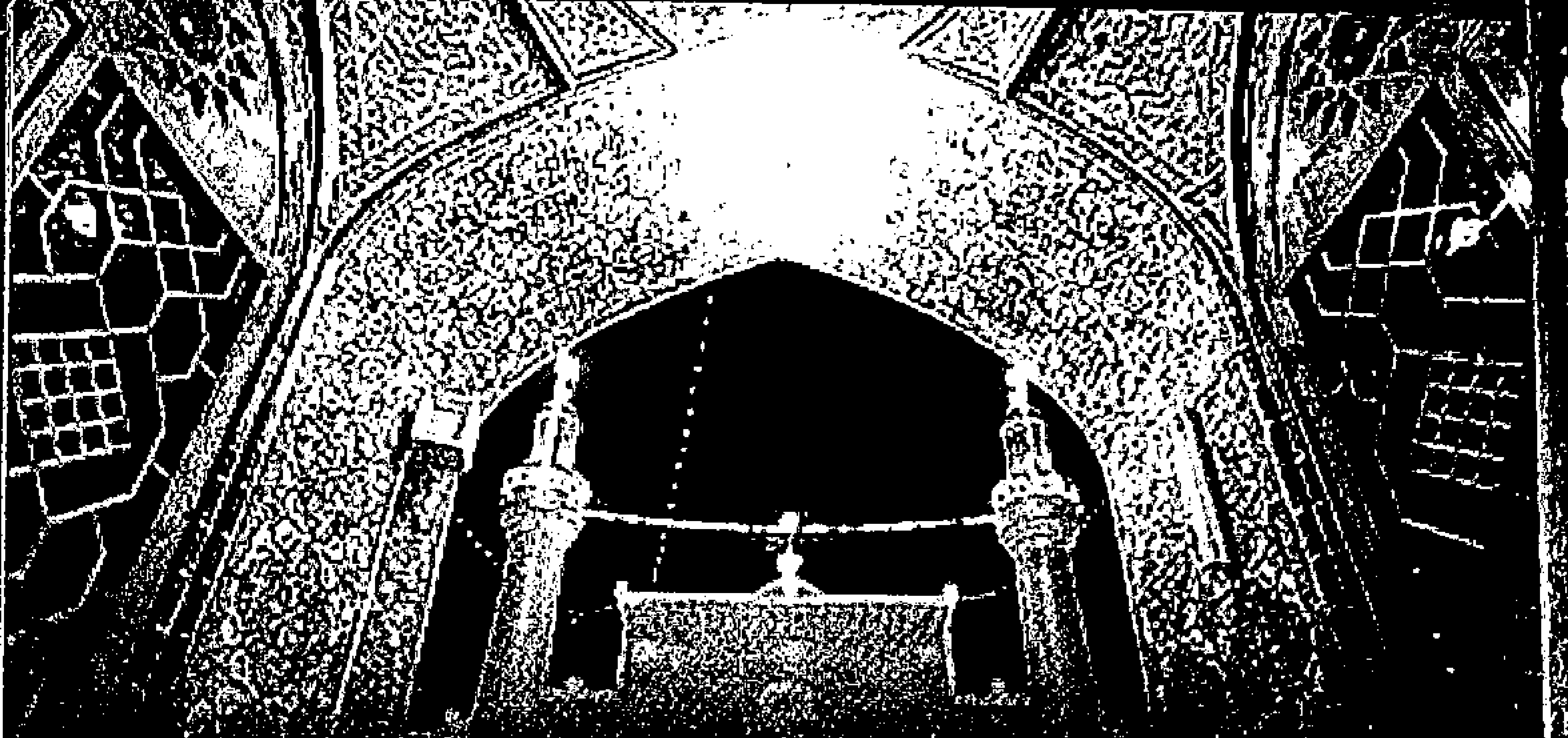

"میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں" (فرمانِ نبوی ﷺ)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ

کرم اللہ وجہہ الکریم

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

مصنف
ڈاکٹر طہٰ حسین

مترجم
انجم سلطان شہباز

ناشران

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

Marfat.com

کوفی رسم الخط میں قرآنی خطاطی کا نادر نمونہ جسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کتابت فرمایا تھا

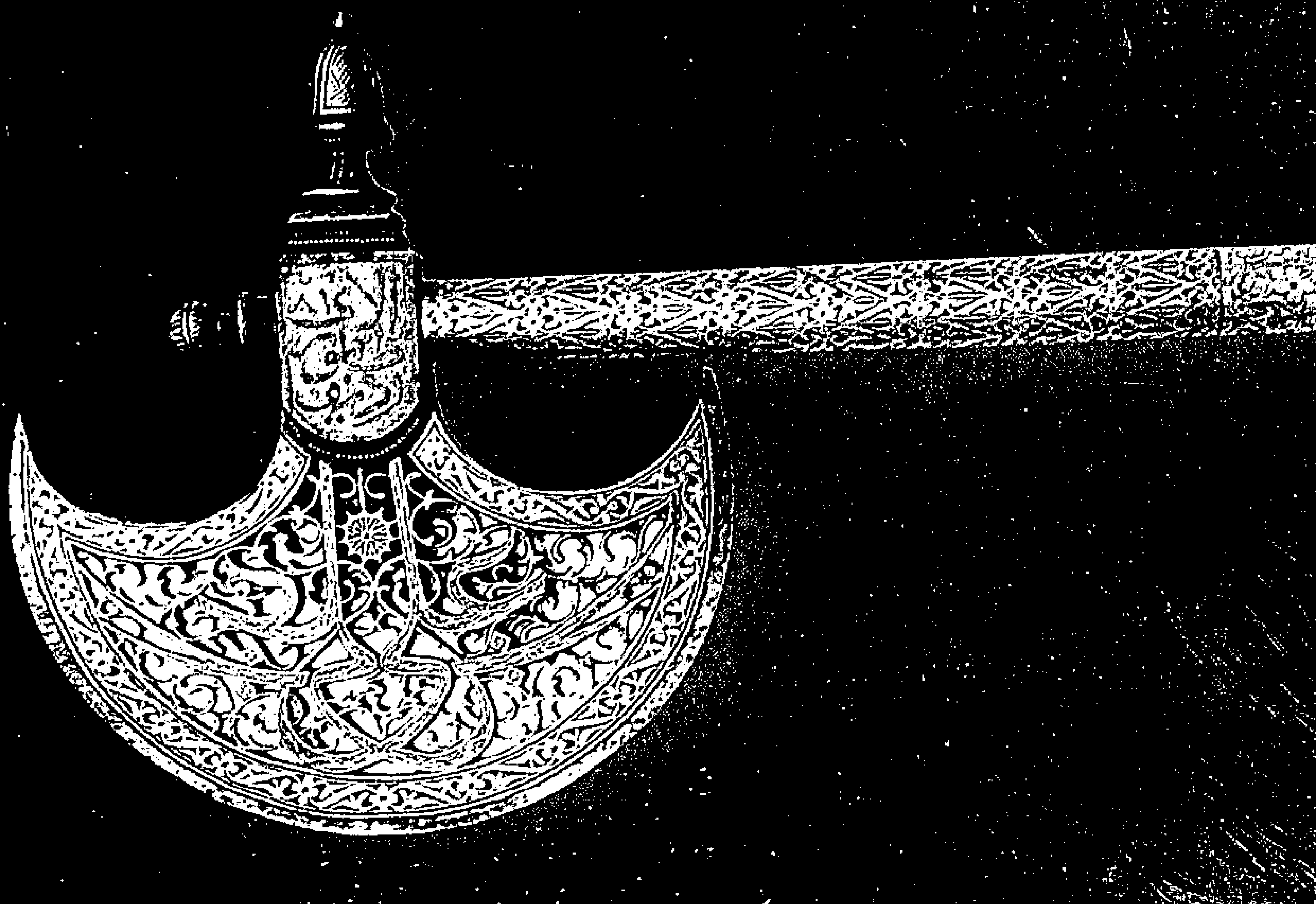

توپ کاپی میوزیم (ترکی) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کلہاڑی

Marfat.com

...... ذوالفقارِ حیدری ......

رسالت مآب سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عنایت کردہ

حیدرِ کرار سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو "ذوالفقار" نامی مشہور و معروف تلوار

جس کے وسط میں یہ عبارت کندہ ہے:

"لَافَتٰی اِلَّا عَلِی لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارْ"

"علی رضی اللہ عنہ جیسا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں"

اس تلوار کی لمبائی 112 سینٹی میٹر اور وزن 1618 گرام ہے

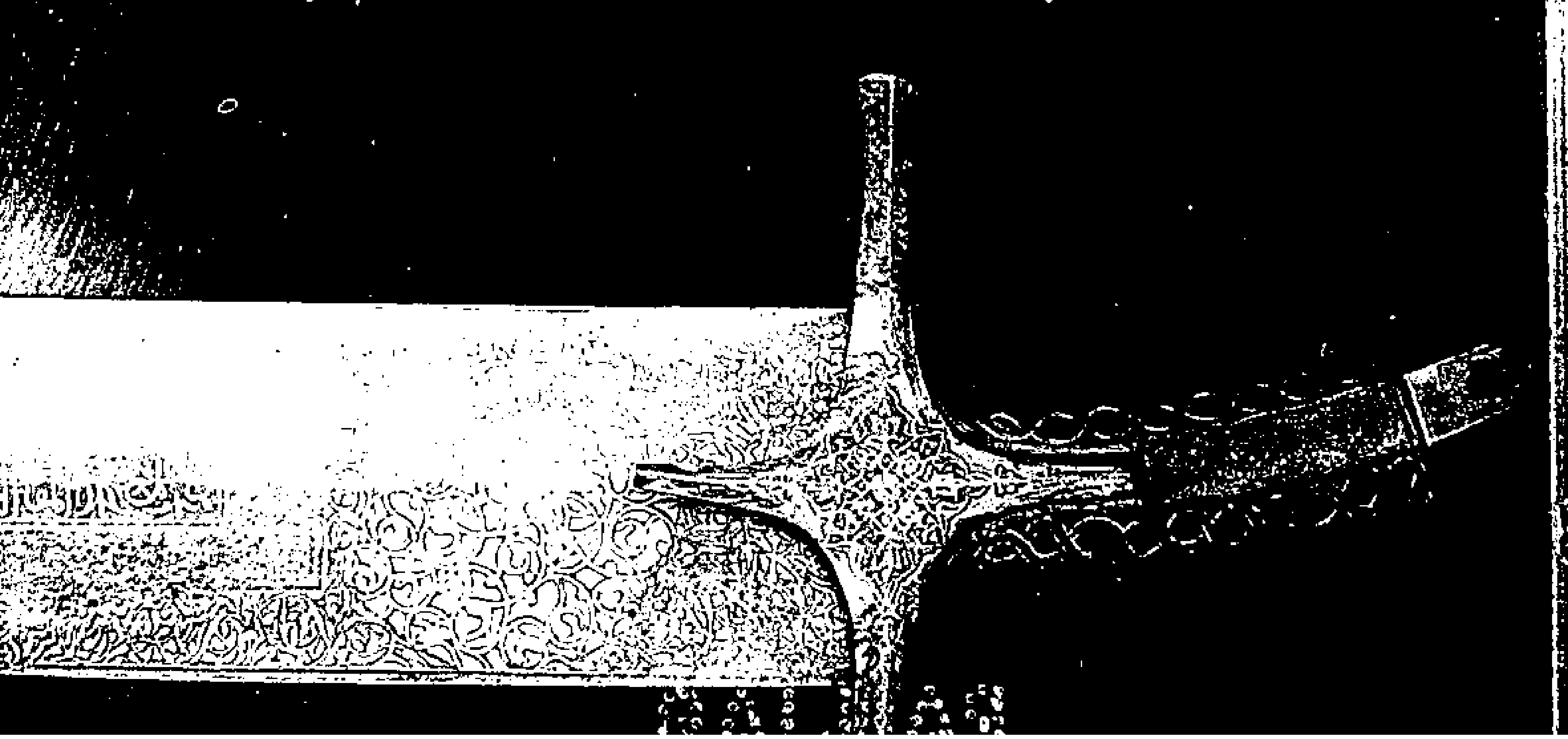

Marfat.com

کوفہ

کوفہ عراق کا مشہور تاریخی شہر ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارے آباد ہے۔ یہ نجف سے صرف 10 کلومیٹر اور بغداد سے جنوب میں 170 کلومیٹر دُور ہے۔ اس کی آبادی ایک لاکھ دس ہزار کے قریب ہے۔ فارس کی فتح کے بعد 17ھ بمطابق 638ء میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دَور میں اس شہر کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر بابل کے پرانے کھنڈرات کے قریب (مدین کے بالمقابل) کی گئی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے 36ھ بمطابق 657ء میں اپنے دَورِ خلافت میں اس شہر کو اِسلامی مملکت کا دارالخلافہ بنا دیا۔ شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اس شہر کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس شہر کے نام پر رسم الخط ''خط کوفی'' نے بھی کافی شہرت پائی جو قرآن پاک کے لئے ابتداء میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

1915ء میں لی گئی مسجد کوفہ کی ایک قدیم تصویر

Marfat.com

مسجد کوفہ

عراق کے شہر ''کوفہ'' میں واقع مسجد کوفہ جسے عربی میں ''مسجد الکوفۃ المعظم'' کہا جاتا ہے۔ یہ اسلام کی سب سے قدیم مساجد میں سے ایک ہے۔ یہ کوفہ کی جامع مسجد ہے جس میں داخلہ کیلئے شمالی دروازہ استعمال ہوتا ہے۔ یہ شہر کوفہ میں سب سے بڑی جگہ پر قدیم طرز پر تعمیر کی گئی ہے جسے 28 سیمی سرکلر ٹاورز سے قائم کیا گیا ہے۔ اس مسجد میں متعدد کوریڈار اور گنبد ہیں۔ حضرت مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ (جنہوں نے حضرت مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کو پناہ دی تھی) اور حضرت خدیجہ بنت علی رضی اللہ عنہا کے مزارات بھی مسجد کے احاطہ میں واقع ہیں۔ مسجد کے احاطہ میں ایک گنبد ''ہاؤس آف گورنمنٹ'' کی عمارت کے اوپر ہے جو عباسی اور اموی دورِ خلافت میں حکومتی نظم ونسق کا مرکز تھا۔ مسجد کے وسیع وعریض کچے صحن میں ایک جگہ گولائی میں لوہے کی چند چھوٹی سلاخیں ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وہی تندور ہے جہاں سے طوفانِ نوح علیہ السلام کی علامت کا ظہور ہوا تھا۔

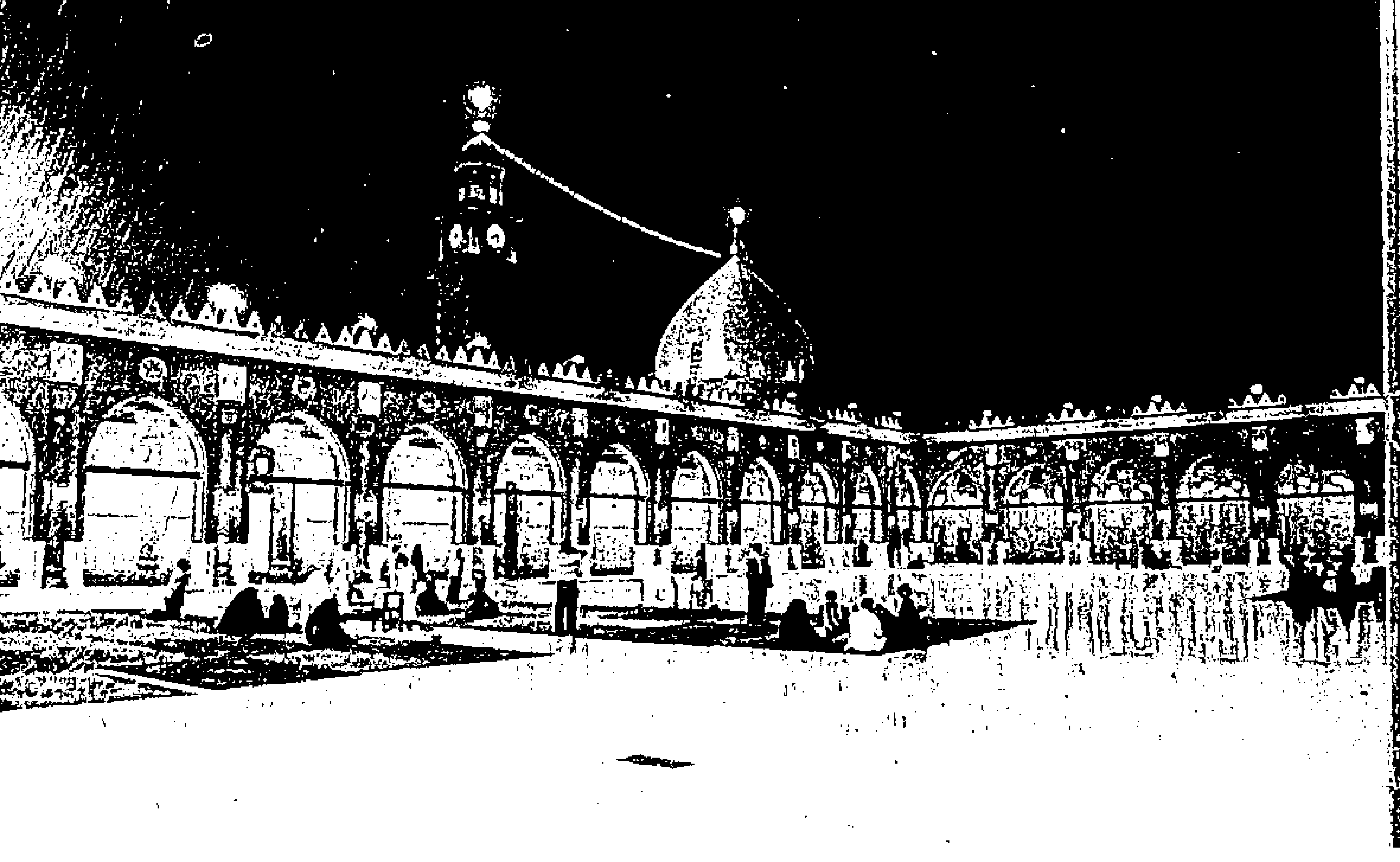

Marfat.com

مسجد کوفہ کے صحن کا وہ مقام جہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فیصلے کیا کرتے تھے

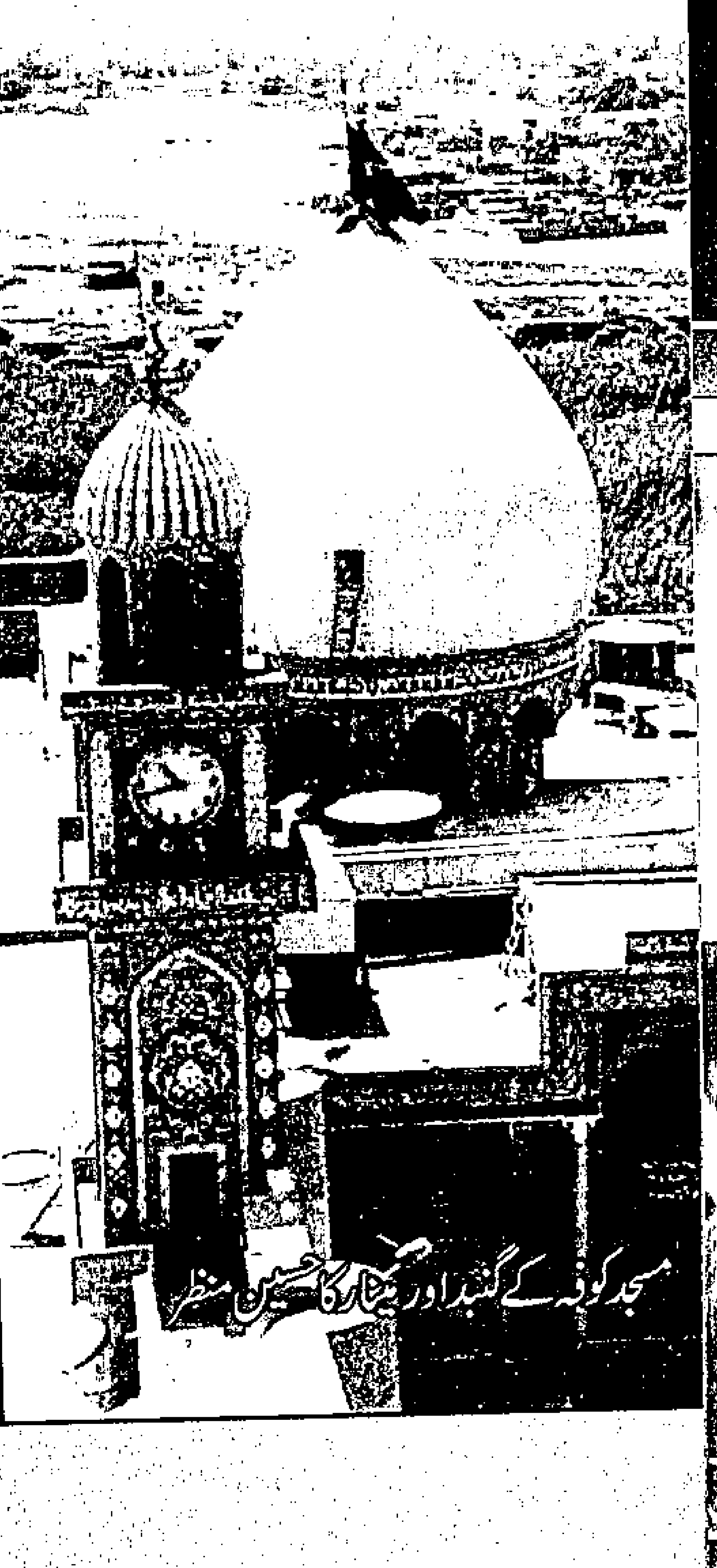

مسجد کوفہ کے گنبد اور مینار کا حسین منظر

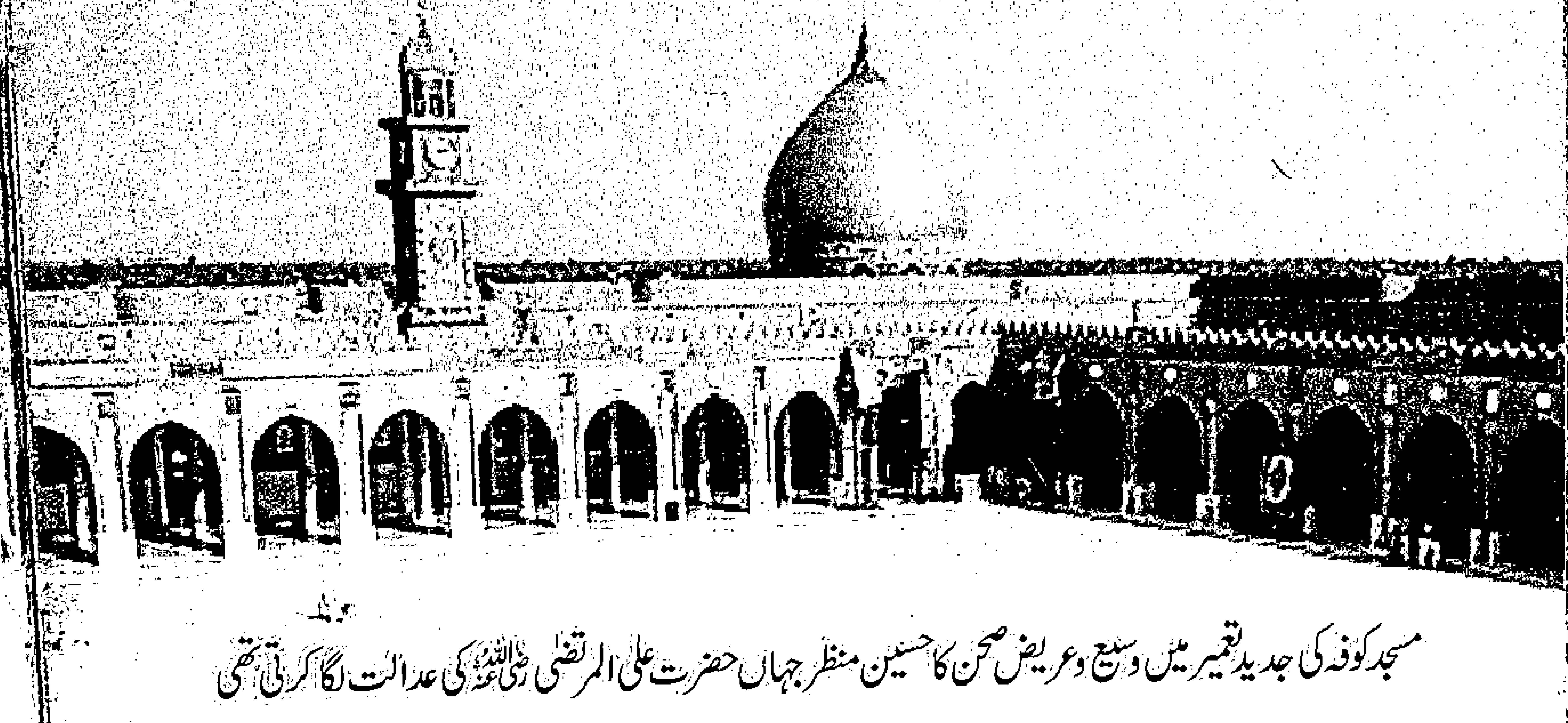

مسجد کوفہ کی جدید تعمیر میں وسیع و عریض صحن کا حسین منظر جہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عدالت لگا کرتی تھی

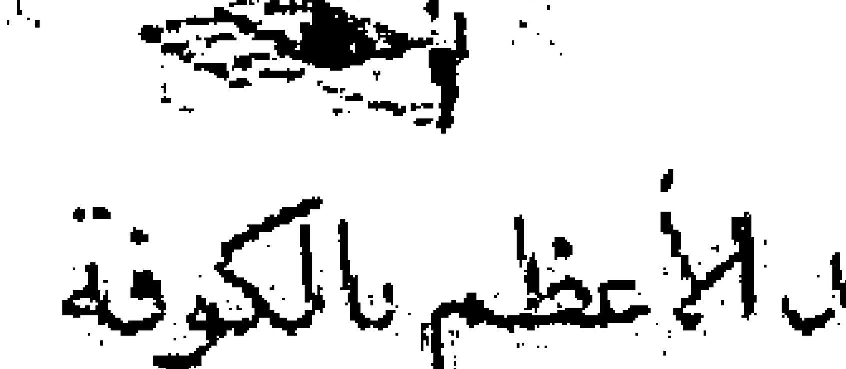

المسجد الأعظم بالكوفة

Marfat.com

مقامِ شہادت

سیدنا علی المرتضیٰ حضرت

کرم اللہ وجہہ الکریم

مسجد کوفہ میں وہ مقام جہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملعون ابن ملجم نے خنجر سے شدید زخمی کیا تھا جس سے آپ رضی اللہ عنہ نے دو روز موت و حیات کی کشمکش میں رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ مسجد کے اندر اس محراب کو محفوظ کر لیا گیا اور سونے چاندی سے نقاشی کے فن کا خوبصورت مظاہرہ کیا گیا۔

مسجد کوفہ میں محراب کے قریب اُس مقام کی تین تصاویر جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بدبخت ابن ملجم نے حملہ کر کے زخمی کیا تھا

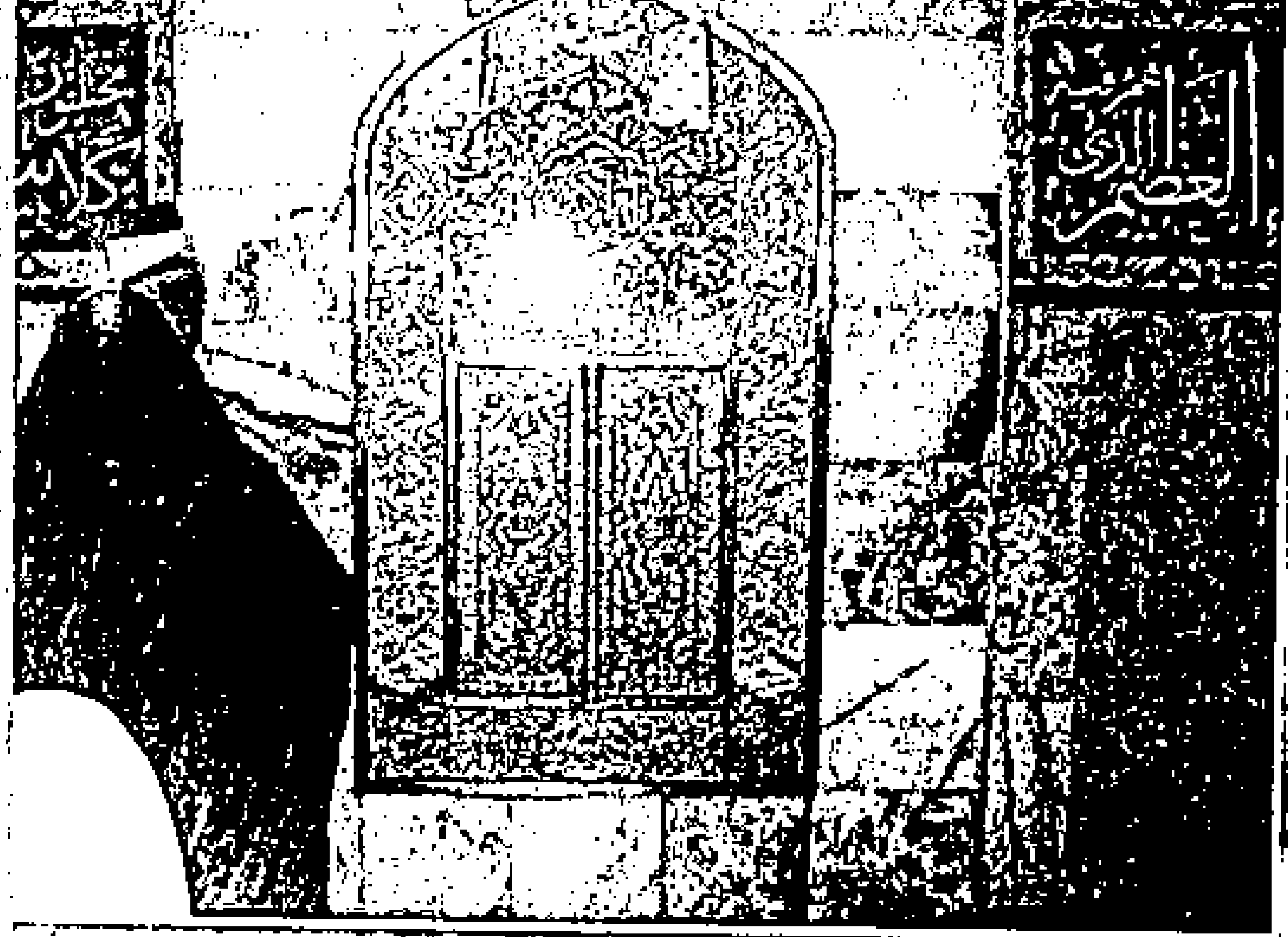

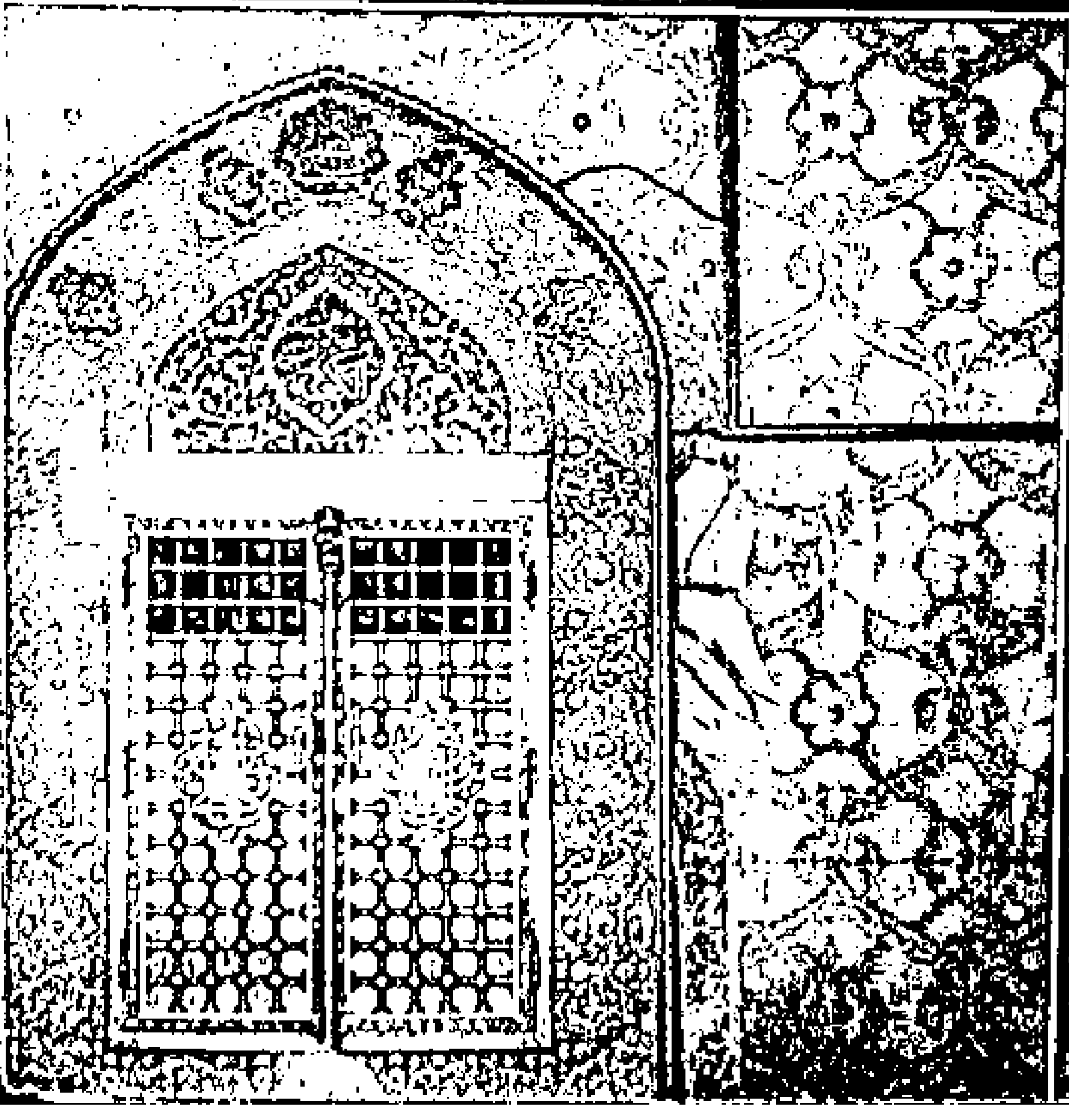

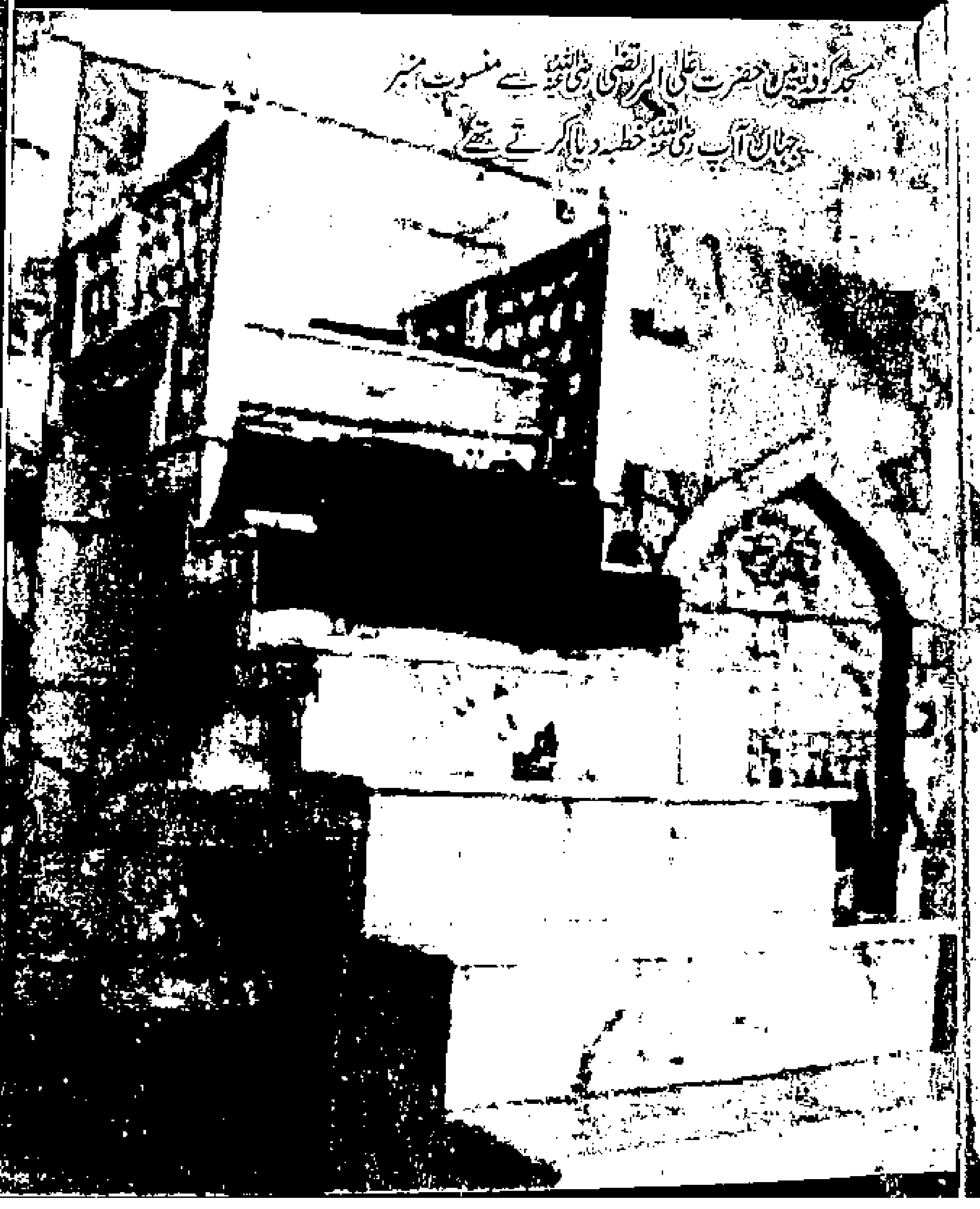

مسجد کوفہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب منبر جہاں آپ رضی اللہ عنہ خطبہ دیا کرتے تھے

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ

"بیت الشرف"

بیت الشرف جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گھر ہے۔ یہ زیارت گاہ کے طور پر مسجد کوفہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک یہ بات انتہائی معروف ہے کہ کچی دیواروں اور چند کمروں کا یہ گھر اس دَور کا ہے جب کوفہ دارالخلافہ بنا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہاں سکونت اختیار کی تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یہیں پروان چڑھے۔ مکان میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن پر بیت العائلہ، محل الکفن اور غسل کی تختیاں لگی ہیں۔ آگے جا کر ایک چھوٹا سا کنواں ہے جو کئی صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی رواں ہے، جس سے ایک سرکاری خادم پانی نکال کر زائرین کو پلاتا ہے۔ جبکہ متعدد حضرات بطور تبرک ساتھ لے جاتے ہیں۔ ان کمروں سے واپس باہر نکلیں تو سامنے چھوٹا سا ایک کمرہ ہے جس پر "مکتبۃ الحسن والحسین" کی تختی نصب ہے۔ یہاں چند کتب

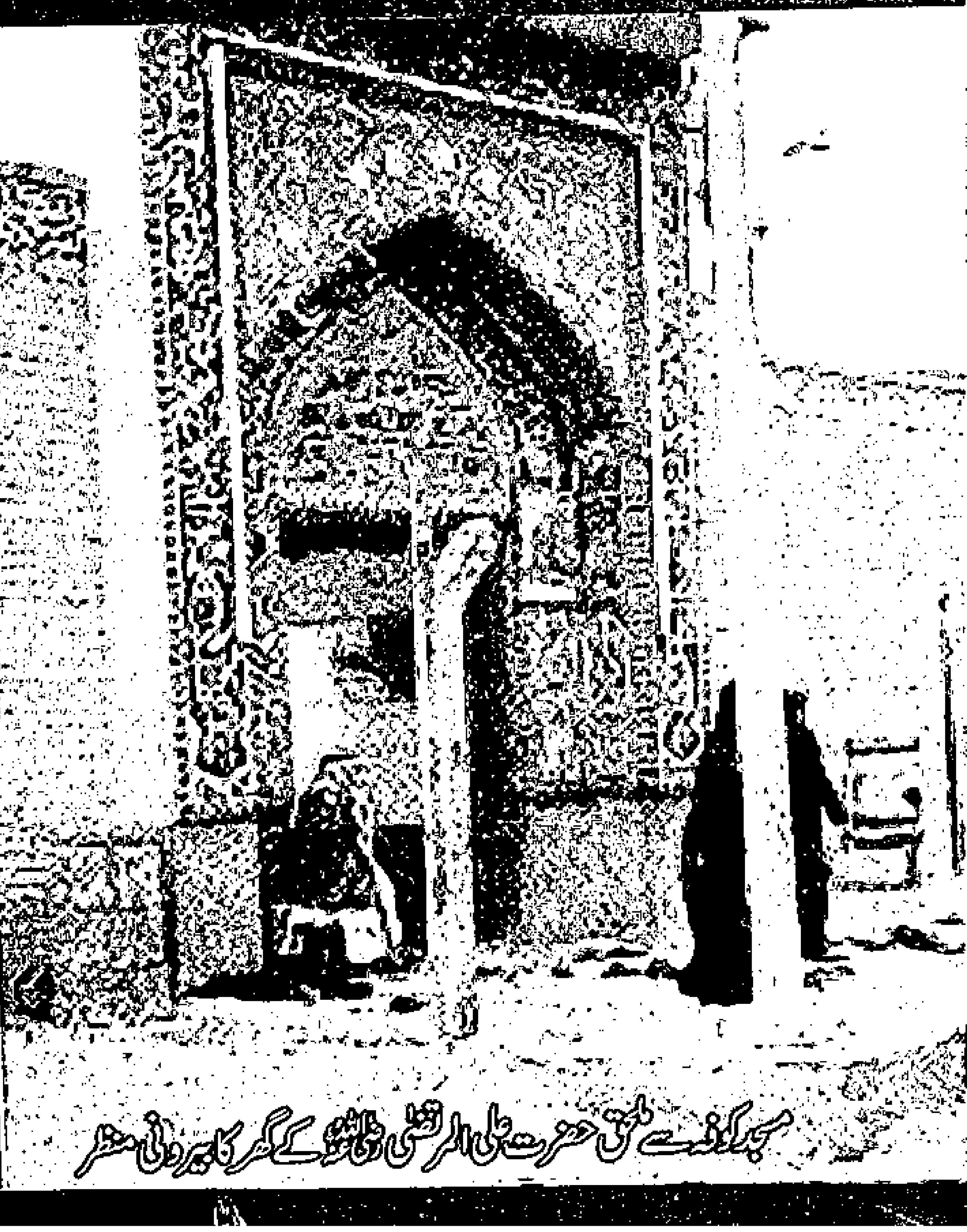

مسجد کوفہ سے ملحق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر کا بیرونی منظر

Marfat.com

رکھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی آرام گاہ، تربیت گاہ اور دار المطالعہ تھی۔ اس میں قالین بچھے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب پانچ کمرے ہیں جن کے درمیان تنگ سی مسقف راہ داری ہے۔ دائیں سمت تین حجرے اور بائیں جانب دو کمرے ہیں، گویا یہی پانچ حجرے آپ کی ازواج مطہرات اور اہل خانہ کی قیام گاہ تھی۔ حجرے بہت سادہ ہیں، یہاں تک کہ ان میں دہلیزیں اور کواڑ بھی نہیں لگائے گئے۔ نسبتاً دو بڑے کمروں میں سے ایک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نشست گاہ ہے، جس میں ایک محراب بنی ہوئی ہے، جس کے اندر صرف ایک شخص بیٹھ سکتا ہے، یہ آپ رضی اللہ عنہ کا خلوت کدہ تھا۔ اس کمرے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و محامد پر مشتمل احادیث وعبارات تحریر کی گئی ہیں۔ اس کے متصل کمرہ میں آپ کا ”مغسل شریف“ ہے، جہاں آپ رضی اللہ عنہ کو بعد از شہادت آخری غسل دیا گیا۔ مکان کی چھتیں خاصی نیچی ہیں اور تعمیر کا انداز قدیم ہے۔ کہاں جاتا ہے کہ یہ مکان شروع سے اپنے اصل نقشے پر چلا آ رہا ہے یعنی اس کی بارہا تعمیر نو کی جاتی رہی ہے، یہاں تک کہ اس کی دیواریں اب سیمنٹ کی بنی ہوئی ہیں لیکن نقشہ وہی رکھا گیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھا۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

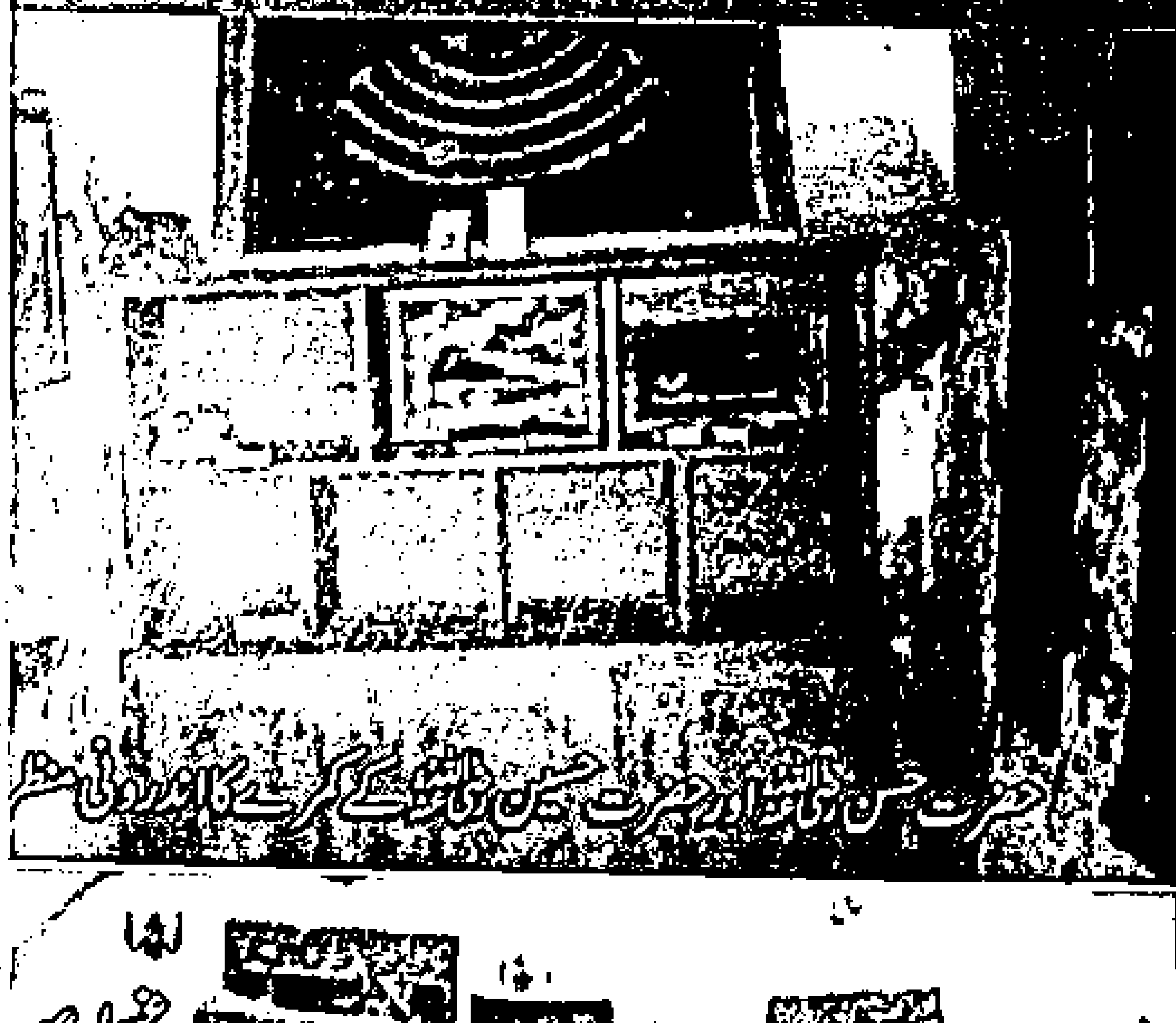

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کمرے کا اندرونی منظر

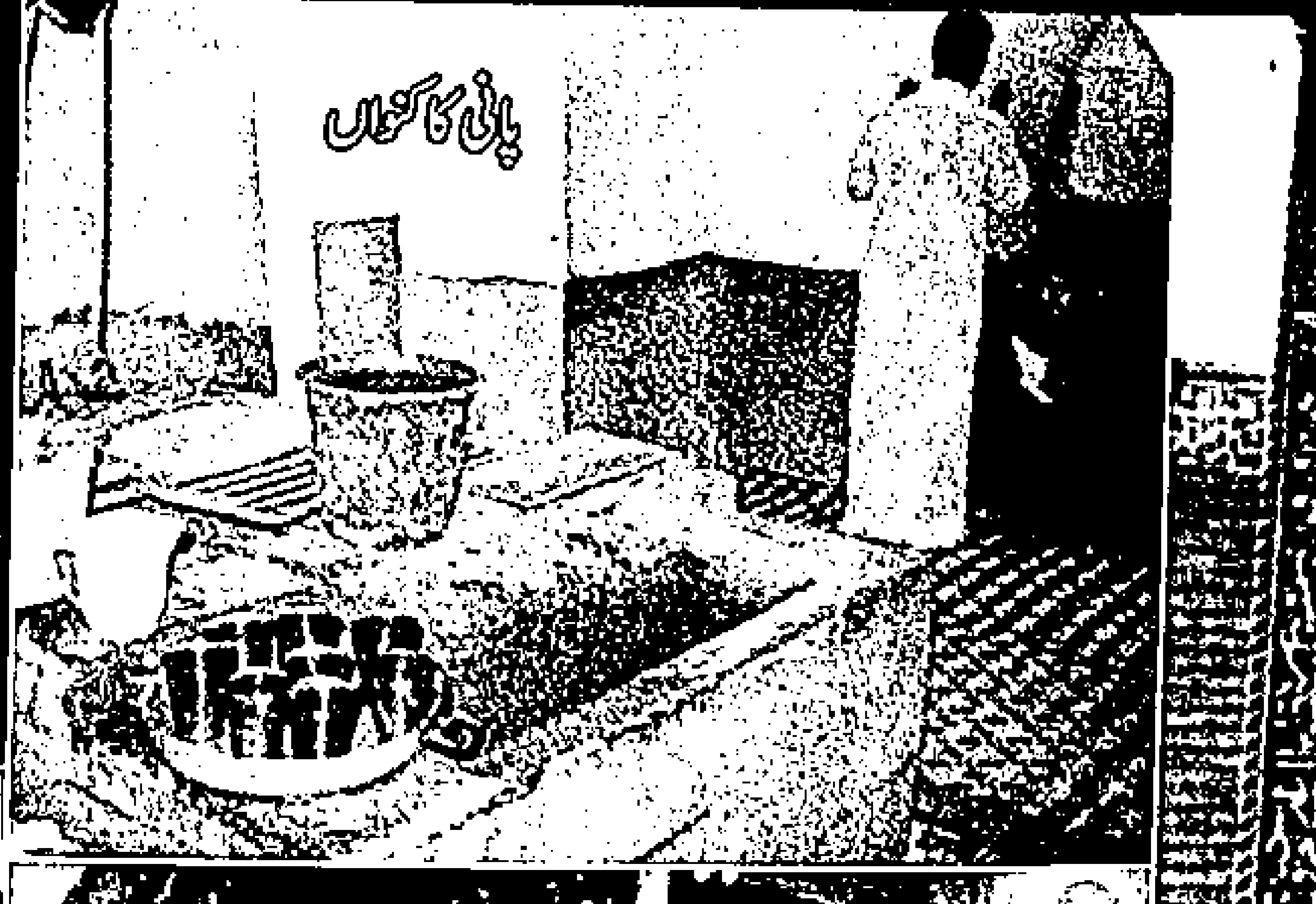

پانی کا کنواں

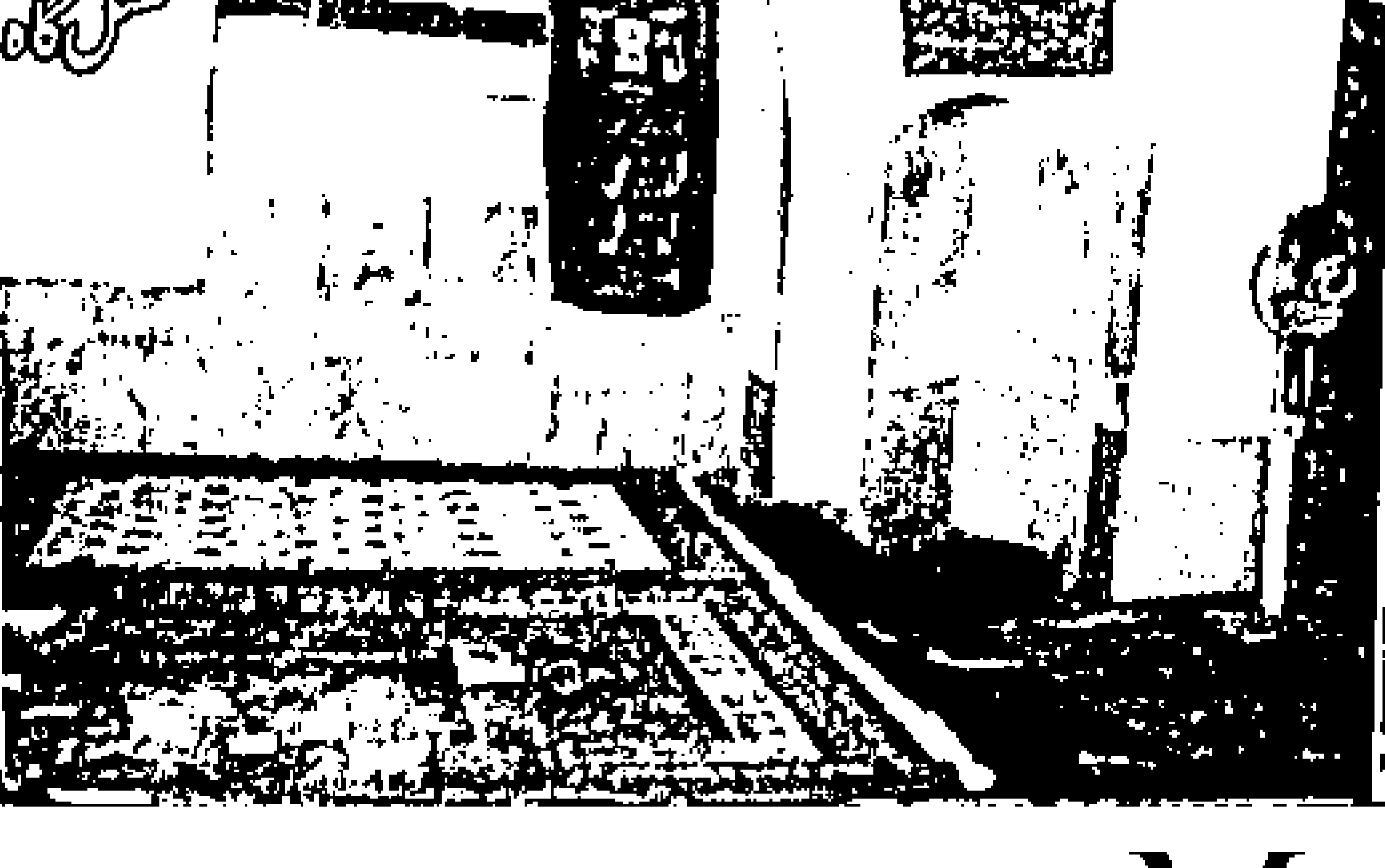

غسل گاہ

گھر میں موجود کنویں کا منظر

Marfat.com

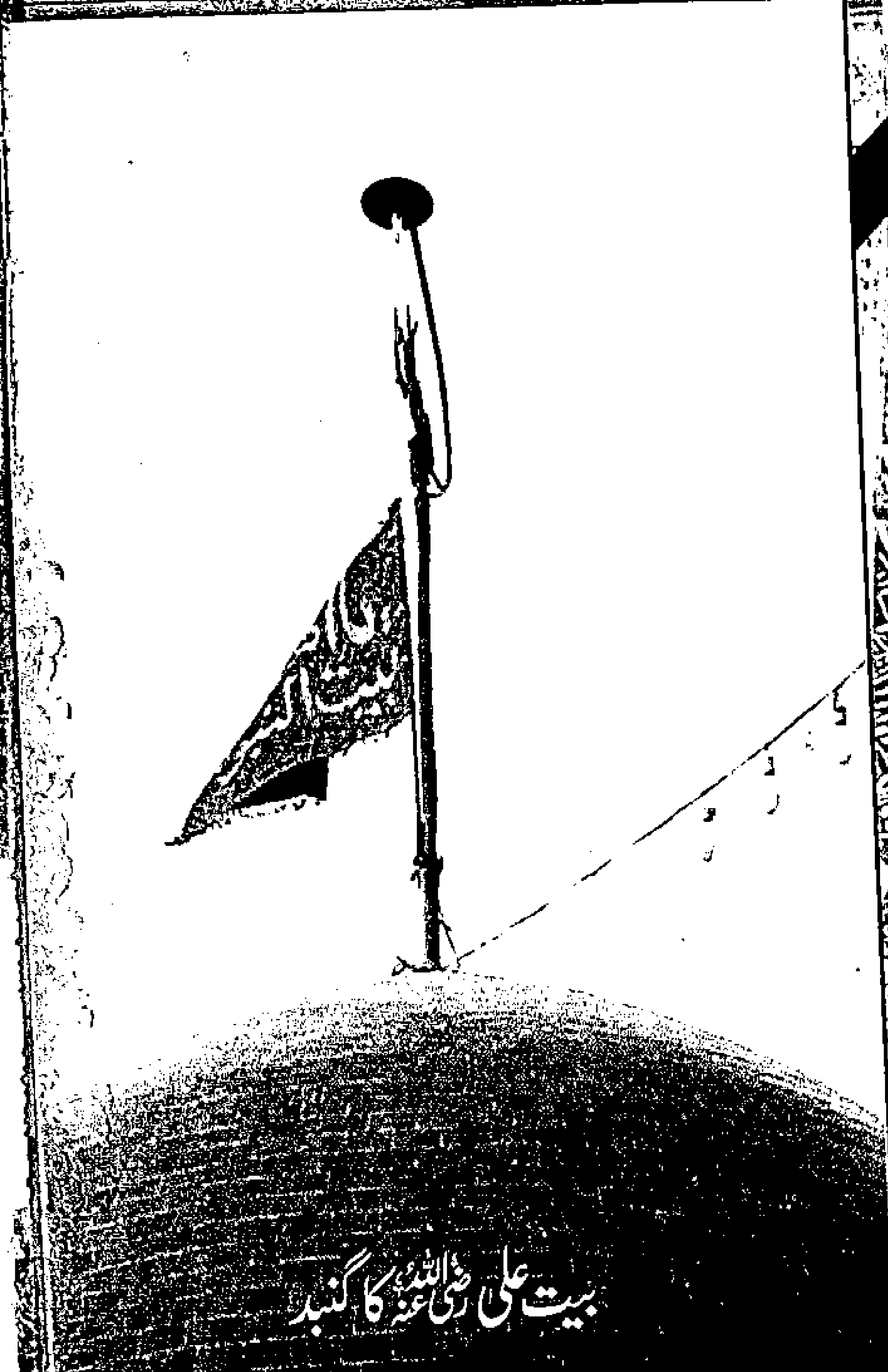
بیت علی رضی اللہ عنہ کا گنبد

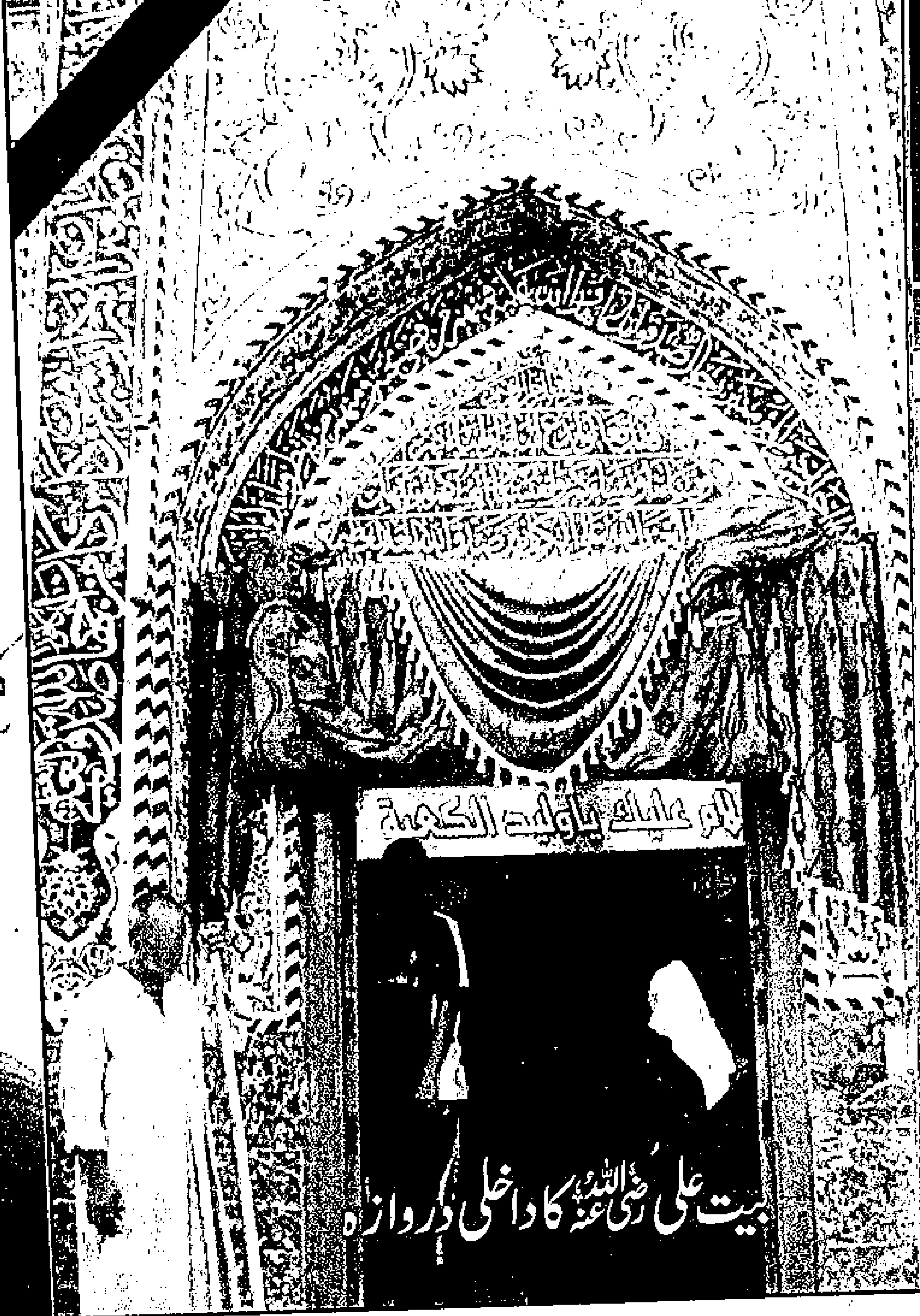

بیت علی رضی اللہ عنہ کا داخلی دروازہ

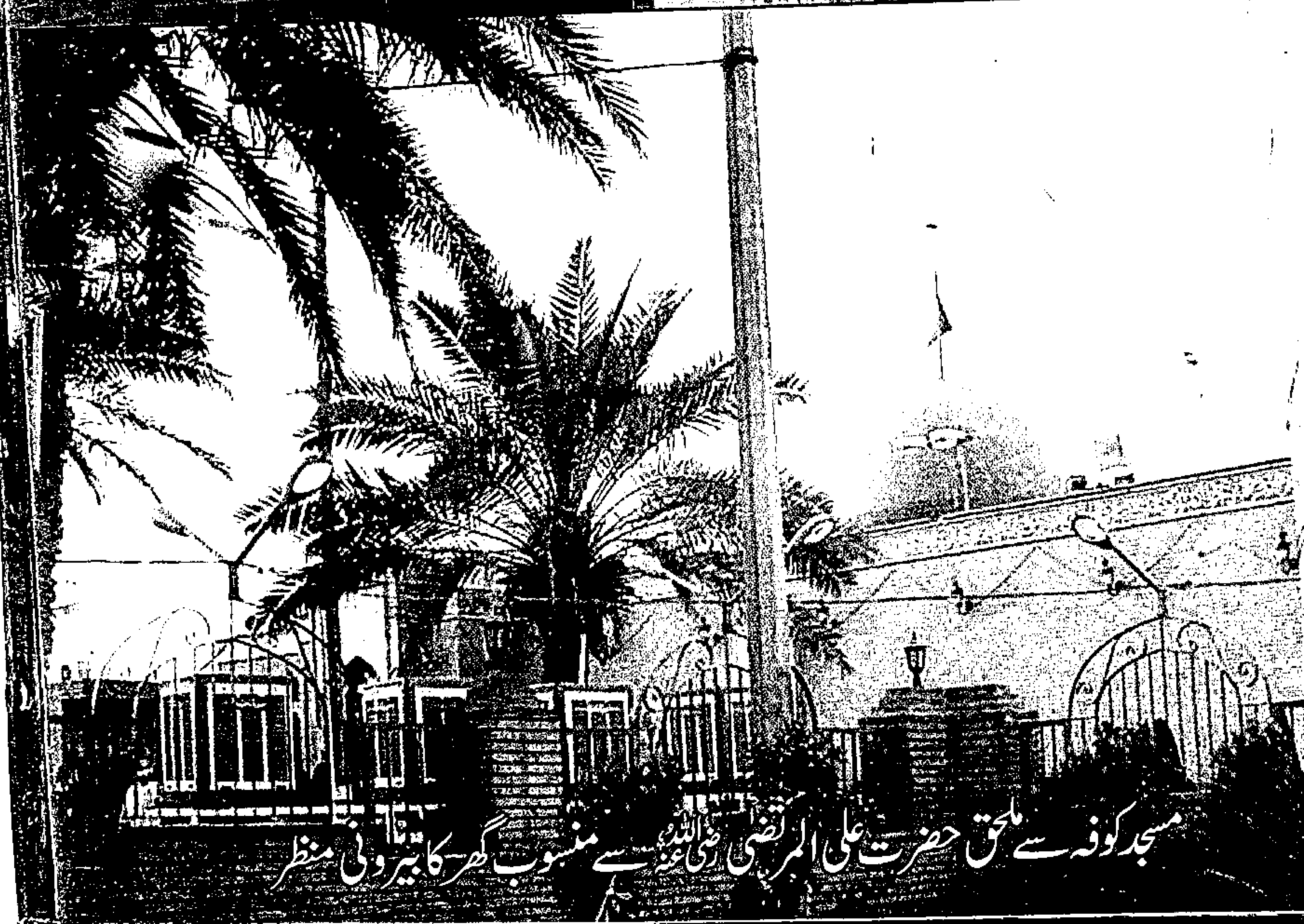
مسجد کوفہ سے ملحق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب گھر کا بیرونی منظر

Marfat.com

مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

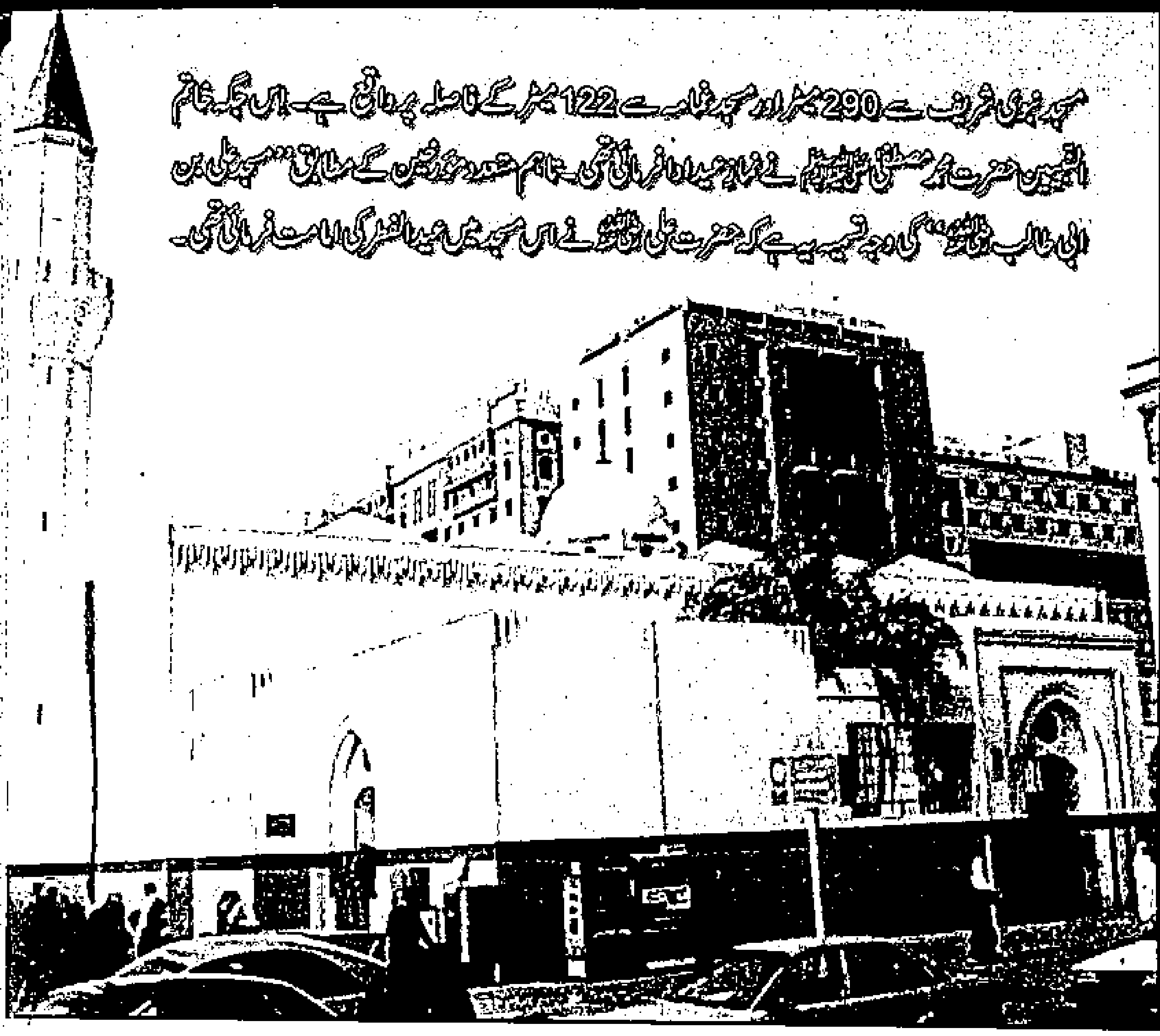

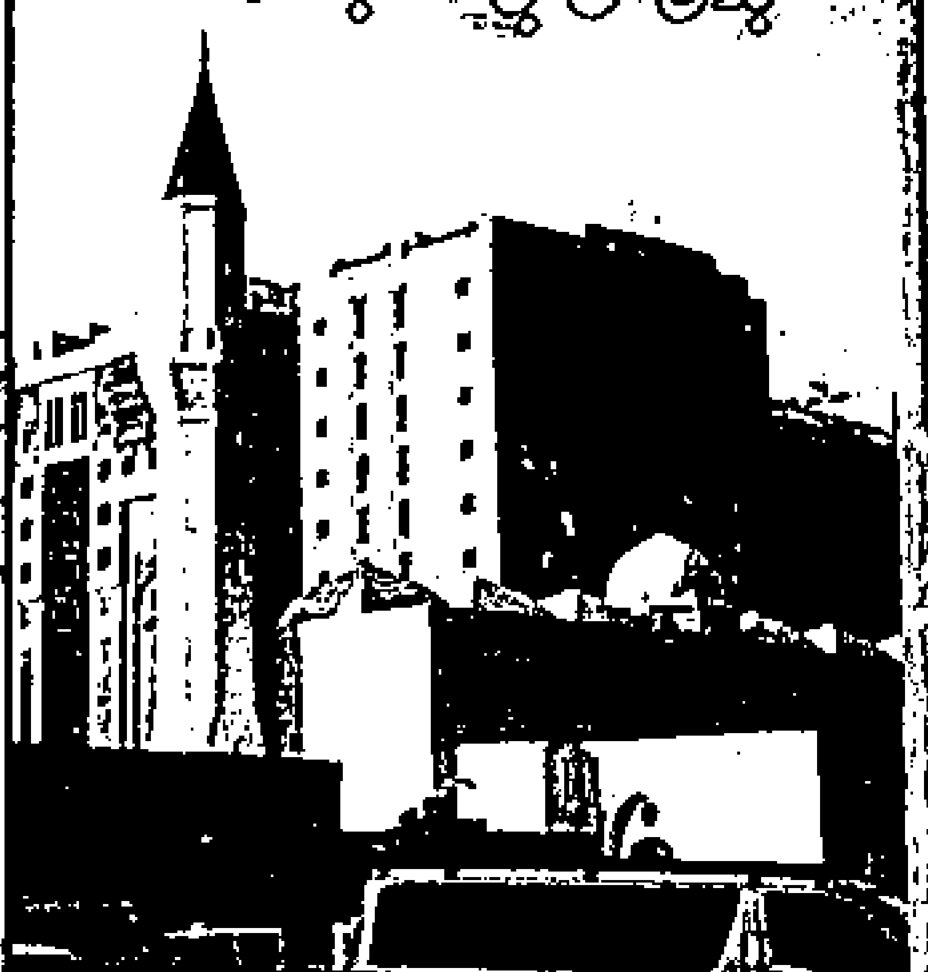

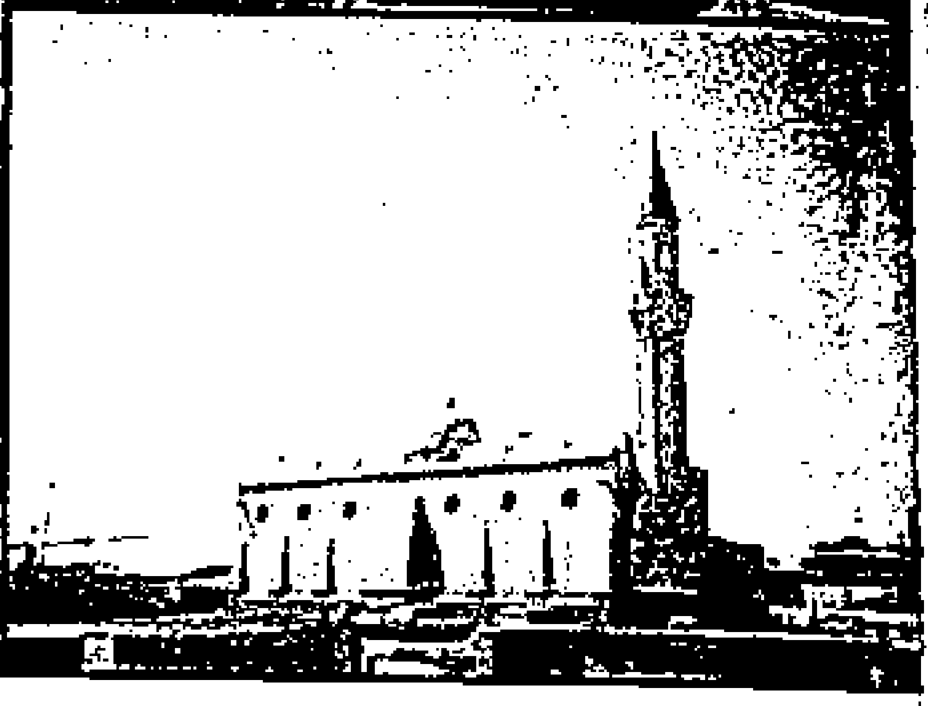

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک عامل کے خلاف شکایات سنیں تو اُسے ایک طویل خط لکھا جس کا اہم اقتباس یہ ہے:

(مشہور و معروف مصور
جناب آفتاب ظفر کی دلکش پینٹنگ۔)

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک

عراق کا مقدس شہر ''نجف'' بغداد سے دو سو کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ اس شہر کے مشہور ہونے کی وجہ یہاں دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مزار اقدس ہے۔ روضہ مبارک کی عمارت تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور ایک وسیع رقبے پر محیط ہے۔ اس میں داخل ہونے کے آٹھ دروازے ہیں۔ ہر دروازہ بلند اور پُرشکوہ انداز میں آنے والوں کا خیر مقدم کرتا ہے۔ عمارت کی اندرونی آرائش و زیبائش قابل دید ہے۔ طلائی اور نقرئی فانوسوں سے مزین گنبد ایک عجیب دل آویز منظر پیش کرتے ہیں۔ روضہ کے دو مینار اور ایک وسیع گنبد خالص سونے کے ہیں۔ طلائی گنبد کی بلندی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ حدودِ شہر سے کافی فاصلے ہی سے وہ نظر آنے لگتا ہے۔ اندر داخل ہوں تو چاروں جانب محرابیں اور حجرے بنے ہوئے ہیں، جنہیں نہایت اعلیٰ انداز میں مزین و منقش کیا گیا ہے۔ بارہ دری سے گزریں تو آگے وہ عظیم ہال ہے جو کئی معتبر روایات سے ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مدفون ہیں۔ ہال کے دروازے کی چوکھٹ اور دروازوں پر سونے کی دبیز اور منقش چادریں چڑھا دی گئی ہیں۔ قبر مبارک کے گرد جالیاں ہیں جو تقریباً پندرہ فٹ لمبی، تیرہ فٹ چوڑی اور گیارہ فٹ بلند ہیں۔ جالیاں خالص سونے کی موٹی چادروں سے بنائی گئی ہیں، جن میں آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اشعار کے نقش و نگار کندہ ہیں۔ جالیوں کے اندر آبگینے کی دیوار ہے جس سے قبر مبارک پُرانوار نمایاں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار جہاں کہیں بھی ہو، یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ نجف اشرف میں موجودہ عمارت آپ کی ذات اقدس سے منسوب ہے اور زائرین آپ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی نیت سے حاضری دیتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی روحانی توجہات سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ سرزمین نجف شعراء کیلئے بھی مرجع عقیدت رہی ہے، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تو زبان زد خاص و عام ہے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

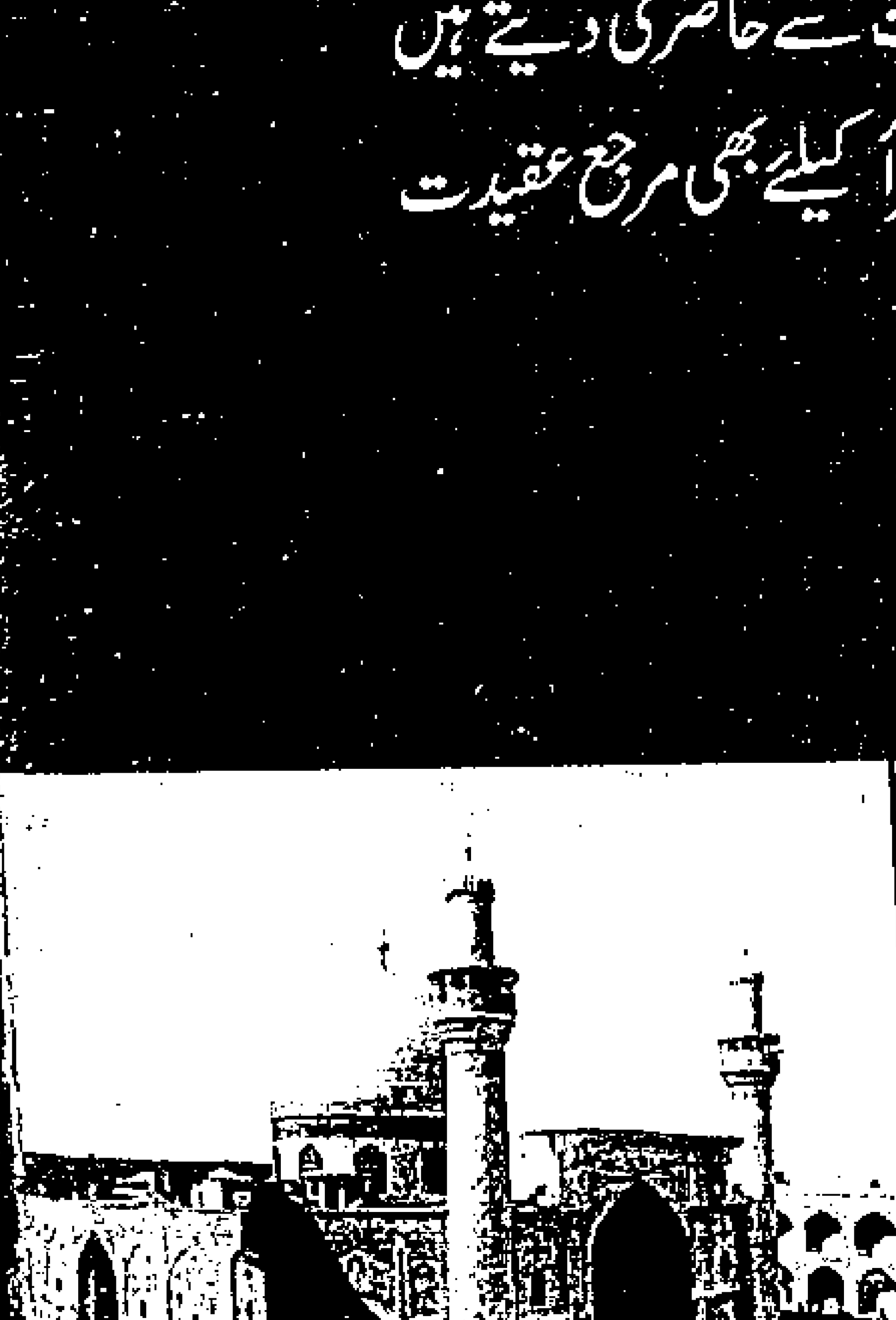
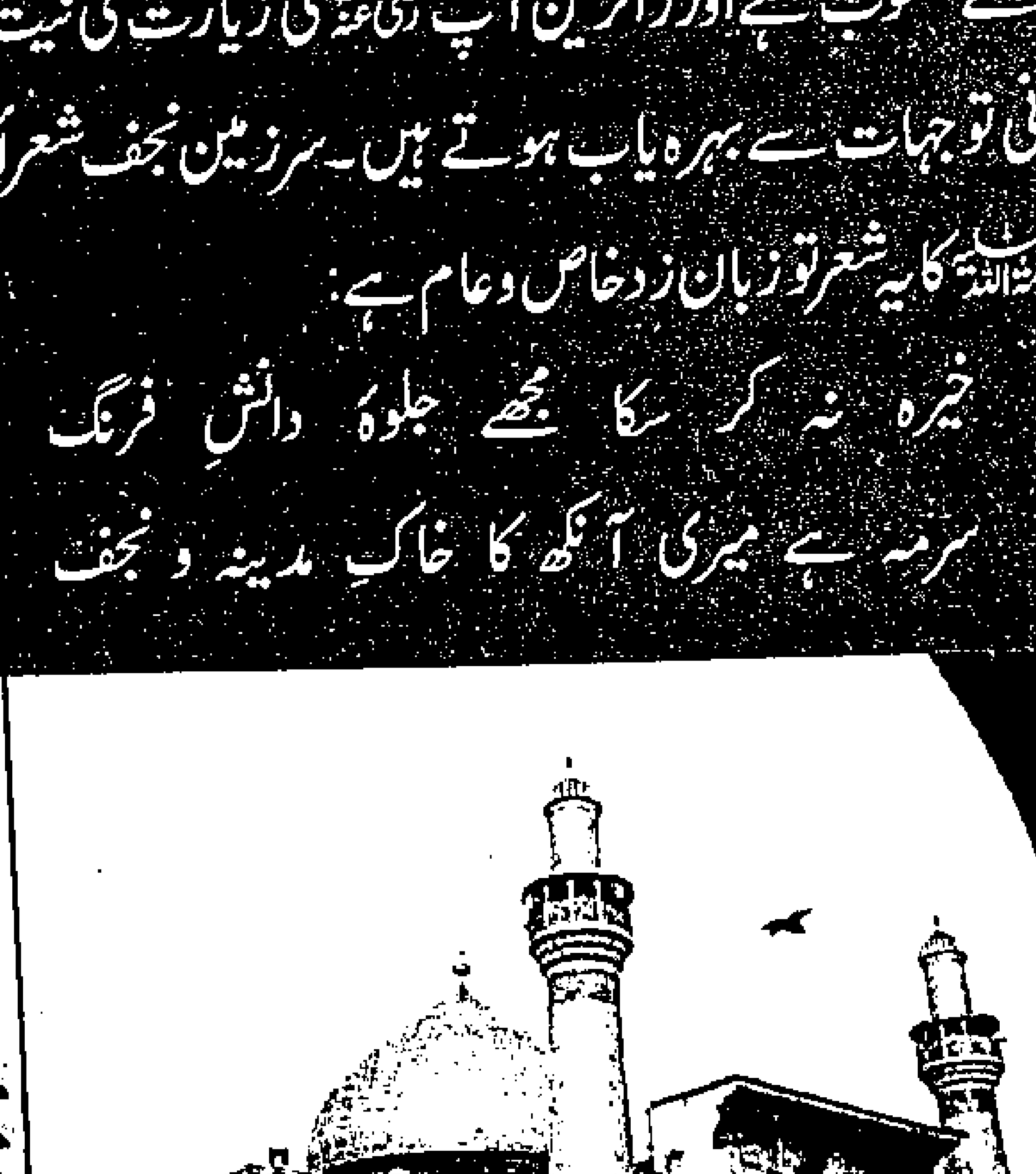
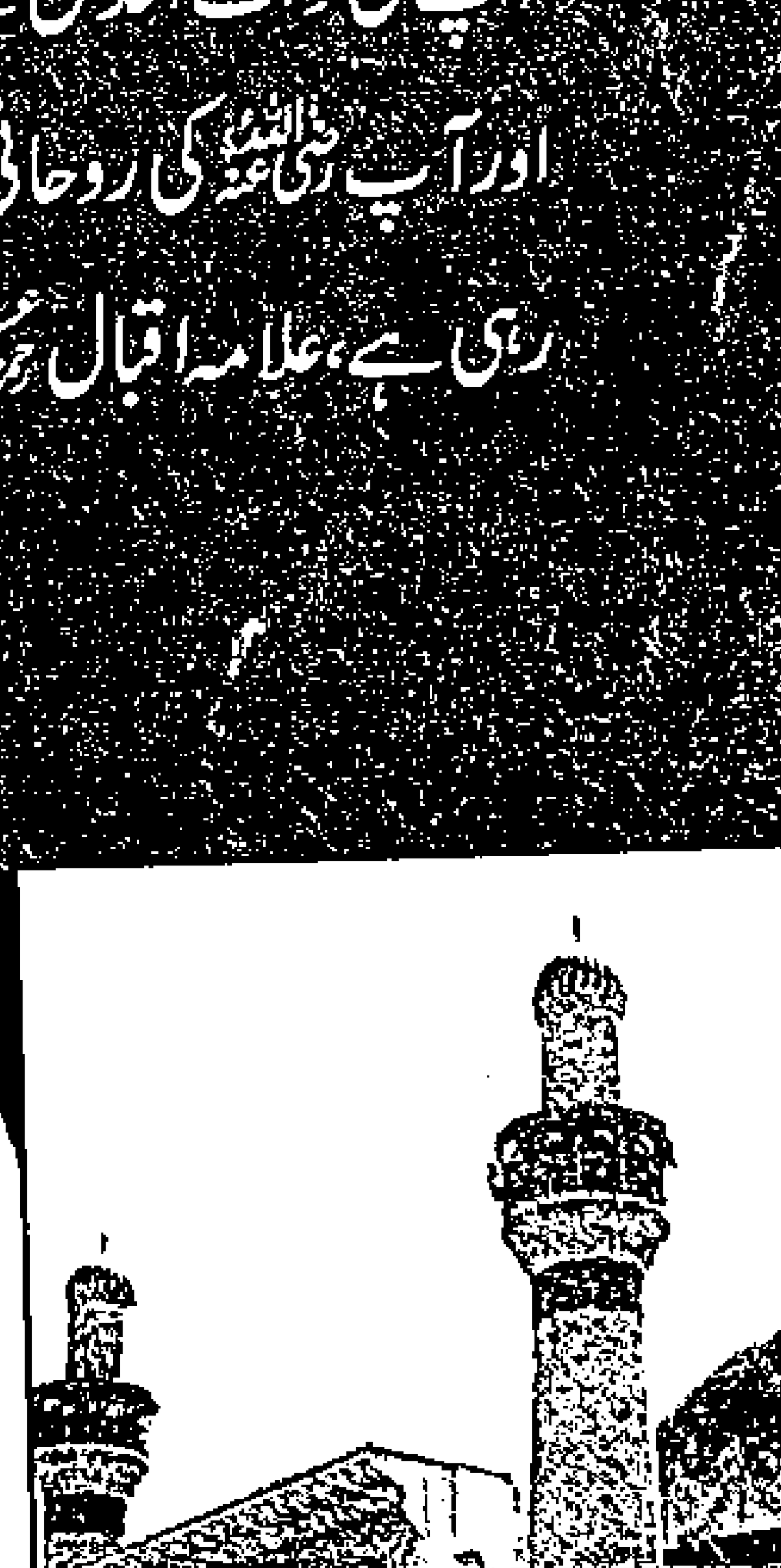

Marfat.com

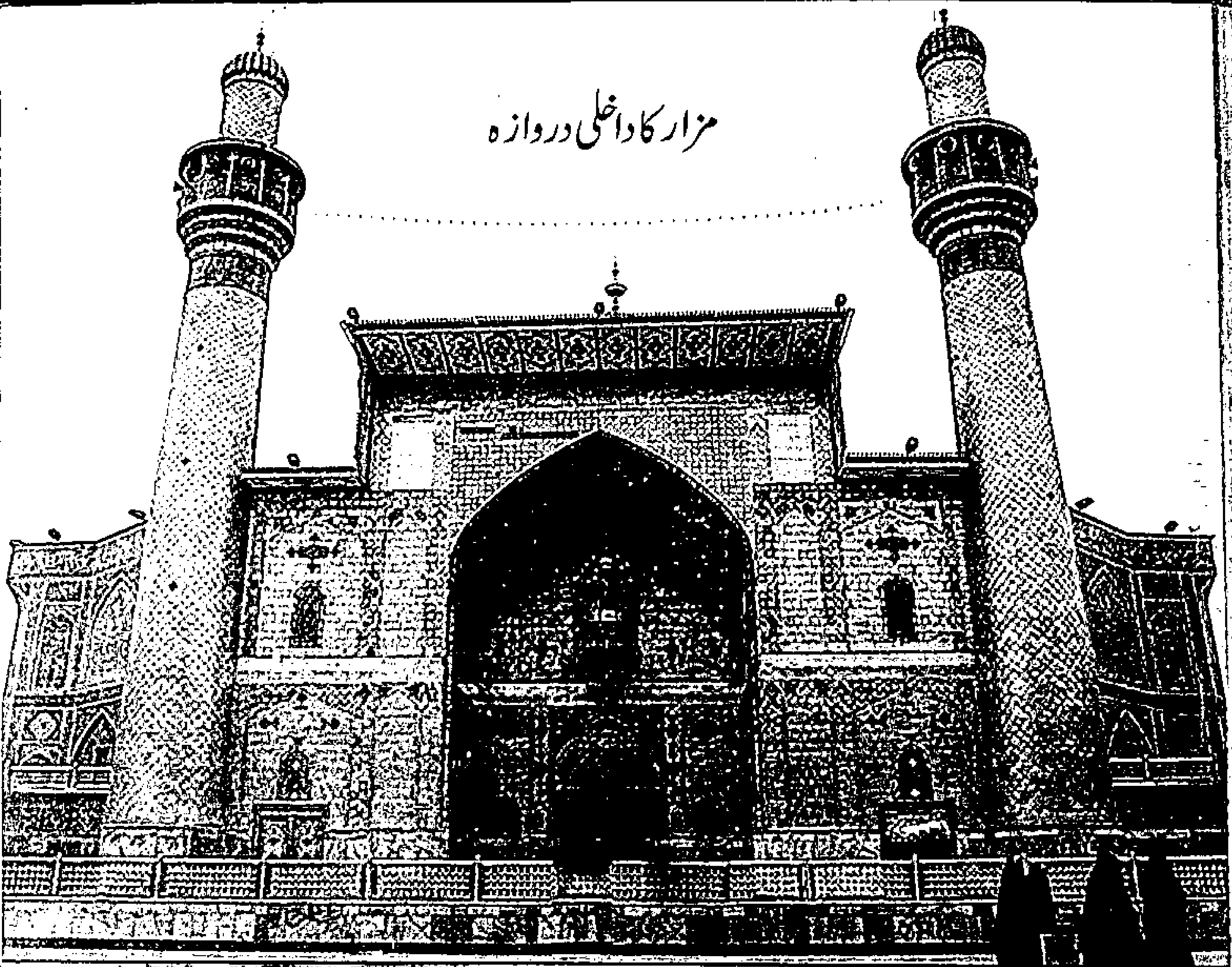

مزار کا داخلی دروازہ

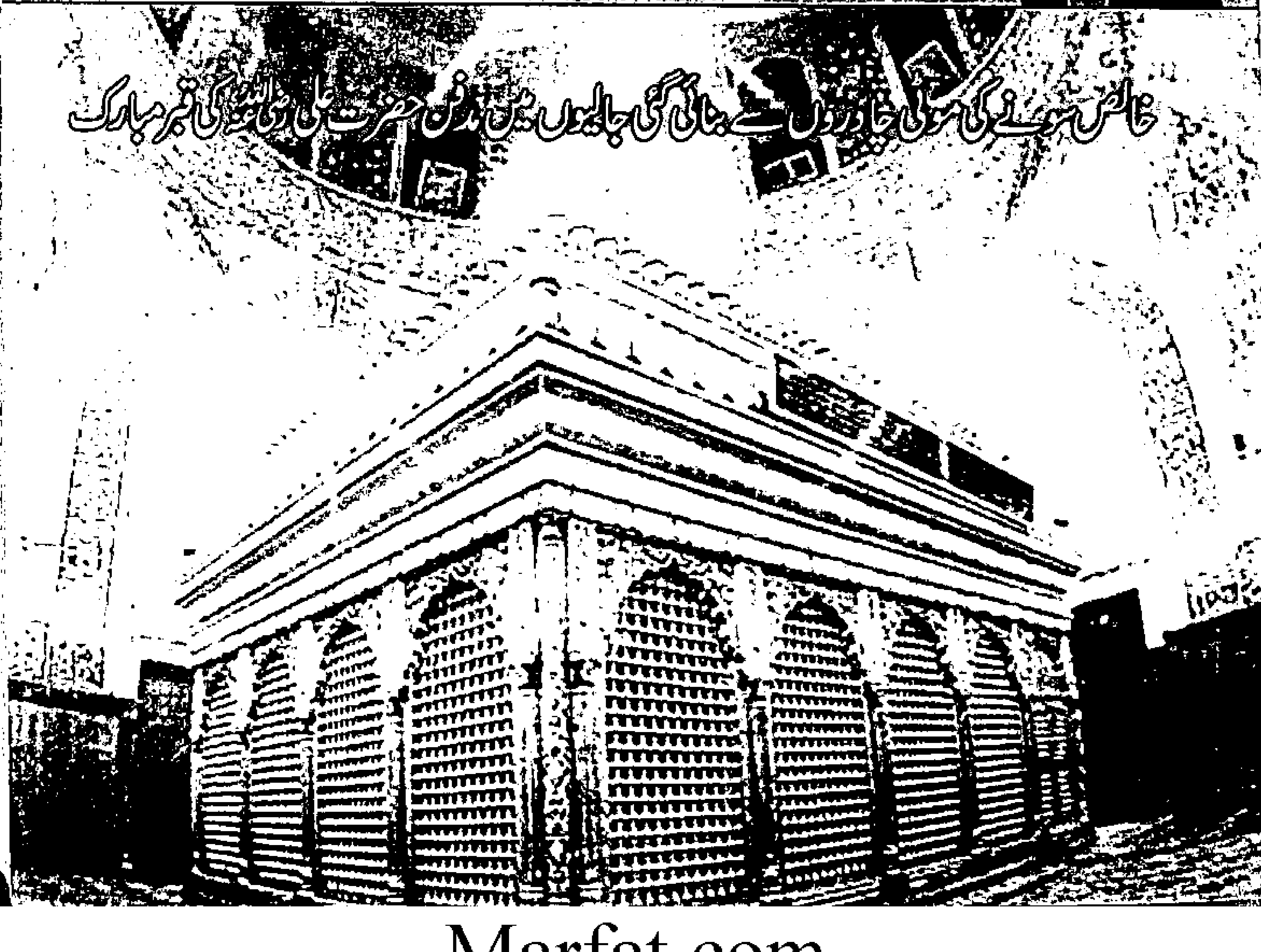

خالص سونے کی موٹی چادروں سے بنائی گئی جالیوں میں مدفن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک

Marfat.com

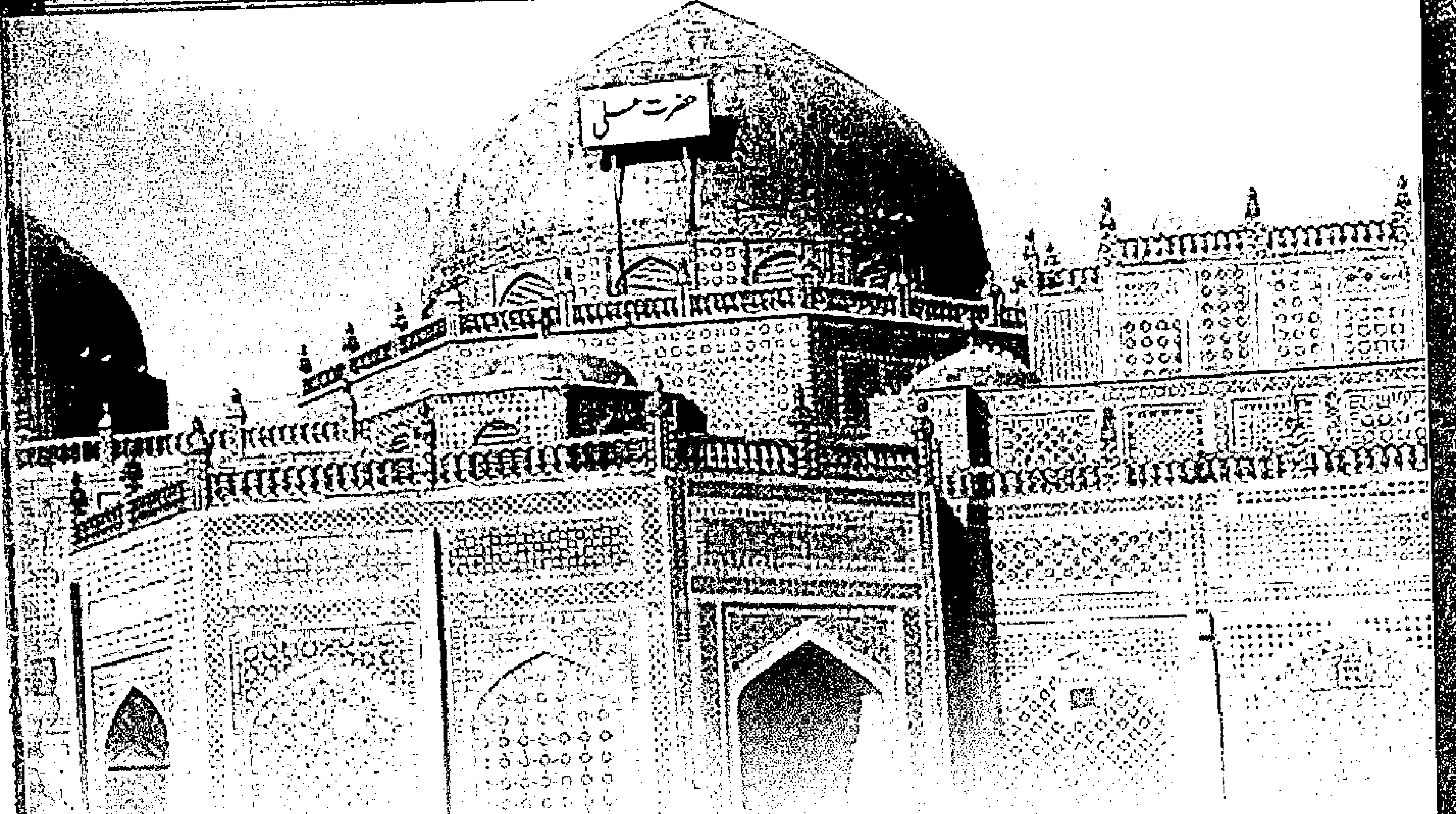

مزار شریف

مزار شریف شمالی افغانستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی پانچ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ یہ شہر ''مزار شریف'' اس بناء پر کہلایا جاتا ہے کہ یہاں ایک نہایت وسیع اور دلکش مزار ہے جس کے بارے میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہاں دفن کیا تھا۔ اس مزار کی پہلی عمارت بارہویں صدی میں ترک سلطان سنجر نے تعمیر کرائی تھی جو چنگیز خان نے تباہ کر دی تھی۔ مزار کی موجودہ عمارت پندرہویں صدی میں تعمیر ہوئی۔ (بحوالہ وکی پیڈیا، انٹرنیٹ انسائیکلو پیڈیا)

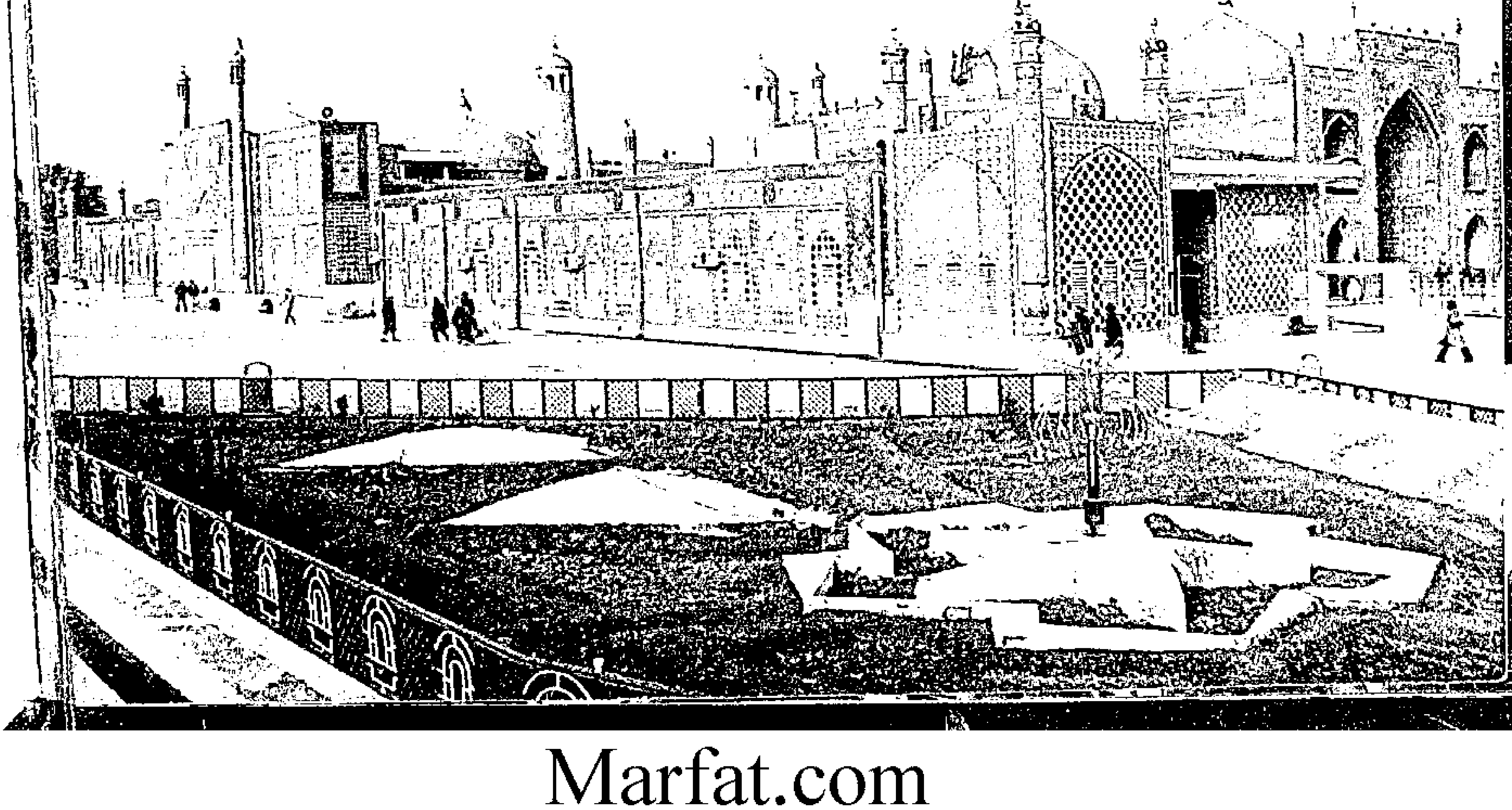

Marfat.com

خلیفۂ راشد، خلیفۃ المسلمین، فاتح خیبر،
دامادِ رسول ﷺ، شیر خدا، امیر المومنین

سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

...... تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ......

ترمیم و نظر ثانی شدہ ایڈیشن

مصنف
ڈاکٹر طٰہٰ حسینؒ

مترجم
انجم سلطان شہباز

فوائد، تعلیق و تخریج:
نوید احمد ربانی

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان
Ph: 0544-614977-0321-5440882-0323-5777931
WWW.BOOKCORNER.COM.PK

Marfat.com

110609
10

''میں اس معاملے کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جذبات اور تاثرات کی عینک سے ہو کر نہ گزرتی ہو، جو مذہبی فرقہ وارانہ تاثیر اور تعصب سے خالی ہو۔ یہ نگاہ ایک مؤرخ کی ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو ان رجحانات، جذبات اور ذاتی خواہشات سے بالکل الگ کر لیتا ہے۔ خواہ اُن کے مظاہر کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔''

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

(قاہرہ)

Marfat.com

فہرست

حرفِ چند (نوید احمد ربانی)	25
عظمت صحابہ قرآن کی روشنی میں	26
عظمتِ صحابہ احادیث پاک کی روشنی میں	31
عظمتِ صحابہ علماء کی نظر میں	33
جنگِ جمل	35
سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا خطاب	36
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خطاب	36
سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطاب اور پیغامِ صلح	37
جنگِ جمل کے آغاز کا سبب	38
جنگِ جمل اور علماء کا نکتہ ءنظر	40
علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر	40
رئیس المؤرخین علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر	40
امام ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر	41
جنگِ صفین	42
جنگِ صفین کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی	42
جنگِ صفین کے متعلق علماء کا نکتہ ءنظر	45
کتبِ تواریخ اور علماء کا نکتہ ءنظر	48
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر	48
امام ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر	49

Marfat.com

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہء نظر		50
علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہء نظر		51
چند شبہات کا ازالہ		51
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ		51
سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ		55
سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ		56
سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما		58
سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ		61
❀ مقدمہ	(راجہ طارق محمود نعمانی)	63
جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری		68
الفتنة الکبریٰ		75
ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا نکتہء نظر		76
❀ عرضِ مترجم	(انجم سلطان شہباز)	97
❀ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (تاریخ اور سیاست کی روشنی میں)		137
شہادتِ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بعد کے حالات		138
خلیفہ کا انتخاب اور بیعت		143
بیعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے نظریات		144
حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اور مسئلہ بیعت		145
قاتلانِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا معاملہ		145
حضرت محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ		147
خلافت علی رضی اللہ عنہ		148
منصب خلافت اور بنی ہاشم		155
سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیشکش		156

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صوبوں کے گورنر	162
سہل بن حنیف کا معاملہ	165
امیر شام کا اعلانِ جنگ	166
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل	167
حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی پہلو تہی	167
اہل مکہ کا بیعت علی رضی اللہ عنہ سے انکار	171
کوفہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ	178
اہل بصرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ	179
اہل بصرہ اور لشکر عائشہ رضی اللہ عنہا	180
اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خطاب	180
شورش	181
شب خون	181
حکیم ربیعی کا قتل	182
گورنر بصرہ کا معاملہ	183
چشمہ حواب	183
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء	184
مذاکرات	187
جنگِ جمل	190
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت	192
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	193
لڑائی کا منظر	194
جمل کے بعد	198
سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں	200

Marfat.com

جنگِ شام	205
حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین سفارتی گفتگو	211
مراسلت	215
مکتوب حضرت علی رضی اللہ عنہ	217
معرکہ آرائی	219
جنگ کا انجام	224
رفیقان علی رضی اللہ عنہ	230
ثالثوں کا انتخاب	232
اقرار نامہ	233
ابن سبا اور سبائی	241
خوارج	246
حکمین کا فیصلہ	253
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوارج	259
عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کا قتل	262
ذوالثدیہ لاش کی تلاش	263
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور لشکر	266
نہروان کے بعد خارجیوں کا ردعمل	272
خریث کا انجام	275
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت	278
گورنر مصر قیس	279
محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا تقرر	280
مصر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حملہ	281
بصرہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر	282

Marfat.com

نیا حربہ	288
عرب شہروں پر نظر	291
جاریہ بن قدامہ کی یلغار	292
پسران عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قتل	292
بسر بن ارطاۃ کا انجام	292
جاریہ بن قدامہ کی واپسی	293
عراق کی اندرونی حالت اور بیرونی حملے	293
اہل شام کا حج	295
جنگ شام کی تیاری	296
حضرت علی رضی اللہ عنہ اور گورنر	301
نظام خلافت	308
سازش	321
تین قاتل	322
شہادت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	324
مدفن سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	325
حضرت علی رضی اللہ عنہ حامیوں اور دشمنوں کے درمیان	326
حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما	336
صلح	341
مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بنام حضرت حسن رضی اللہ عنہ	346
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق میں	353
گورنر کوفہ و بصرہ	354
اہل عراق کا پچھتاوا	355
حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ	358

Marfat.com

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما	363
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر اور شیعہ	366
زیاد	367
ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات	374
زیاد کی تبدیلیٔ نسب	374
زیاد بصرہ کی مسند امارت پر	382
حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل	391
یزید کی جانشینی	401
زیاد اور خوارج	405
ابو بلال مرداس	406
تجزیہ	410
یزید	416
انکار بیعت	417
حضرت حسین رضی اللہ عنہ	419
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد	424
فتنہ کا اختتام	430
❁ مآخذ و مراجع للکتاب	431
❁ مآخذ و مراجع للتخریج	432

Marfat.com

حرفِ چند

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصبِ رسالت و نبوت کی سعادتِ عظمیٰ سے مشرف ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منزل من اللہ شریعت کو کائنات کی آخری شریعت کا مقام ملا جو تمام جن وانس کے لئے آخری قانونِ قدرت تھا جس کے لئے دو باتوں کا التزام انتہائی ضروری امر تھا۔ ایک یہ کہ یہ قانونِ قدرت بغیر کسی تغیر و تبدل کے قیامت تک لفظاً و معناً محفوظ رہے۔

دوسری بات یہ کہ لفظی حفاظت کے ساتھ ساتھ عملی حفاظت بھی ضروری تھی کیونکہ اسلام محض چند اصول و قواعد اور نظریات و افکار کا نام نہیں ہے۔

اسلام ان کے ساتھ انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کی عملی شکل بھی پیش کرتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ شریعت محمدیہ کی علمی و عملی دونوں طرح سے حفاظت کی جائے۔ اس کے لئے قیامت تک ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو شریعت مقدسہ کی محافظ ہو۔ اس محافظ جماعت کے لئے بھی امانت داری کی صفت سے متصف ہونا لازم تھا۔

حفاظت کے اس ذرائع میں صحابہ کرام کی جماعت صفِ اوّل میں نظر آتی ہے اور یہ مقام عالیشان انہی کے مقدر میں رہا کہ جن کی تعلیم و تربیت اور تصفیہ و تزکیہ کے لئے خالقِ کائنات نے امامِ کائنات کو ان کا معلم و مربی اور مصفی و مزکی منتخب فرمایا۔ بارگاہِ خداوندی سے اس ملنے والے مقام و مرتبے پر وہ جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ اس منظر کشی کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ

Marfat.com

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۖ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں اُنہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو اُن کے سامنے اُس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور اُن کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

(سورۃ جمعہ 62، آیت 2)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ ربُّ العزت یوں فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝

ترجمہ: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

(سورۃ آل عمران 3، آیت 164)

عظمت صحابہ قرآن کی روشنی میں

قرآن حکیم جس انداز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و رفعت کو بیان کرتا ہے ہم ذیل میں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں:

Marfat.com

پہلی بات قرآن نے ان کی تعدیل وتزکیہ اور اخلاص وللّٰہیت پر شہادت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ.

ترجمہ: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے دِلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی رُوح سے اُن کی مدد کی ہے۔''

(سورۃ المجادلہ 58، آیت 22)

اور ایک دوسرے مقام پر قرآن پاک اُن کے آپس میں حسن سلوک اور زہد و تقویٰ کی شہادت بدیں الفاظ بیان کرتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ.

ترجمہ: ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحمدل ہیں۔ تم اُنہیں دیکھو گے کہ کبھی رُکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں۔''

(سورۃ الفتح 48، آیت 29)

دوسری بات قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اہل ایمان کے لئے معیارِ حق قرار دیا ہے اور ان کے بارے میں طعن وتشنیع کرنے والے کو منافق اور جاہل قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ○

ترجمہ: ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے

Marfat.com

دُوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے۔''

(سورۃ البقرۃ 2، آیت 13)

تیسری بات قرآن پاک نے ان کے راستے کو اہل ایمان کے لئے معیاری اور صراطِ مستقیم قرار دیا ہے اور ان کی مخالفت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی مانند اور ان کے مخالفین کو وعیدِ جہنم سنائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۝

ترجمہ: ''اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''

(سورۃ النساء 4، آیت: 115)

اس آیتِ کریمہ میں لفظ ''المؤمنین'' کا اوّلین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی مبارک جماعت ہے۔

چوتھی بات یہ کہ مالک یوم الدین نے ان کو شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت و رفعت سے سرفراز فرمانے اور اس دن ہر ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا مژدہ جاں افزاء سنایا، ملاحظہ فرمائیں:

Marfat.com

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ.

ترجمہ: اُس دن جب اللہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو رُسوا نہیں کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔"

(سورۃ التحریم 66، آیت 8)

پانچویں بات یہ کہ ان کو اللہ ربّ العزت کی رضا و خوشنودی کے عظیم الشان انعام سے نوازا گیا ان کے اس مقام و مرتبے کو قرآنِ عظیم اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○

ترجمہ: "یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لئے اُس نے اُن پر سکینت اُتار دی، اور اُن کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرما دی۔"

(سورۃ الفتح 48، آیت 18)

اور ایک دوسرے مقام پر قرآن اُن کو رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ خداوندی کا مستحق قرار دیتے ہوئے اُن کی سعادتِ عظمیٰ و کبریٰ کا تذکرہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ

Marfat.com

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○

ترجمہ: ''اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اُس سے راضی ہیں، اور اللہ نے اُن کیلئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔''

(سورۃ التوبہ 9، آیت 100)

اور قرآنِ پاک ایک تیسرے مقام پر اُن کو رضائے الٰہی کا مژدۂ جاں افزاں ان الفاظ میں سناتا ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ.

ترجمہ: ''اللہ اُن سے راضی ہوگا اور وہ اُس سے راضی ہوں گے۔ یہ سب کچھ اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار کا خوف دِل میں رکھتا ہو۔''

(سورۃ البینہ 98، آیت 8)

قارئین کرام! مذکورہ رقم کی جانے والی آیات میں ایک نکتہ یہ پنہاں ہے کہ ان مبارک شخصیات کا تعدیل و تزکیہ، ان کے ایمان کو معیارِ حق، ان پر طعن و تشنیع کرنے والے کو منافق و سفہاء، ان کے مسلک کو صراطِ مستقیم، ان کے مخالفین کیلئے وعیدِ جہنم کا اعلان، یومِ آخرت کو شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں ہر عزت و مقام سے سرفرازی اور ہر ذلت و رسوائی سے نجات اور دنیا ہی میں خالقِ کائنات کی طرف سے رضا و خوشنودی کا مژدہ جاں افزاء یہ تمام عظمتیں اور رفعتیں ازل سے ابد تک رہنے والی اس ذات بابرکت کی طرف سے مل رہی ہیں جو ذات علّام الغیوب کی صفت سے متصف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام ہستیوں کی حیات کے اوّل تا آخر تمام پہلو اس ذاتِ بابرکت کے علم میں تھے۔ بدیں

Marfat.com

صورت یہاں یہ بات پھر عیاں ہے کہ اللہ رب العزت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ عظمتیں اور یہ رفعتیں ان کی تمام حیات کے ہر پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے عطا فرمائیں تو پھر کون بد قسمت انسان ان کی عظمت و رفعت سے انکار کر کے اپنے ایمان و اعمال ضائع کرنا چاہتا ہے۔

عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث پاک کی روشنی میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے متعلق کسی قسم کی تنقید اور طعن و تشنیع کرنے سے اہلیانِ اسلام کو سختی سے منع فرمایا ہے اور اس فعلِ قبیحہ کے مرتکب کی اپنی احادیثِ مبارکہ میں بڑی سختی سے مذمت بیان کی ہے۔ ہم اسی کے متعلق ذیل میں سے چند احادیث رقم کر رہے ہیں اور اِن احادیثِ مبارکہ کو نقل کر کے ناقدینِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے دروازے کو دستک دینا چاہتے ہیں اور روزِ قیامت دفاعِ صحابہ کے داعیین کی صف میں کھڑے ہونے کے خواہشمند ہیں۔

قارئین کرام! آیئے اب پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے فرامین اپنے پیارے اصحاب کے دفاع کے متعلق ملاحظہ کیجئے:

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میرے اصحاب کو برا مت کہو اگر تم میں سے کوئی شخص احد (پہاڑ) کے برابر اللہ کی راہ میں سونا خرچ کر دے تو پھر بھی ان کے مٹھی بھر یا اس آدھے غلے کے خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔"(۱)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث: 3673 ،صحیح مسلم رقم الحدیث: 6488 ، سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 4658، سنن الترمذی، رقم الحدیث: 3861، مسند احمد: 11/3

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے اپنا سرِ انور آسمان کی طرف اُٹھایا اور آپ اکثر آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا کرتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ستارے آسمان کی حفاظت کا باعث ہیں، جب ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان وعدے کے مطابق ٹوٹ جائے گا، اور میں اپنے صحابہ کی حفاظت کا باعث ہوں جب میرے صحابہ جاتے رہیں گے تو میری امت میں وہ چیزیں (بدعات وخرافات) آ جائیں گی جن کا ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔''(۱)

حدیث نمبر۳:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا میرے بعد انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ مت بنانا جس شخص نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے میرے ساتھ دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھی جس شخص نے ان کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی تو بات قریب ہے کہ وہ اللہ اس وجہ سے اسے دنیا میں پکڑ لے۔''(۲)

حدیث نمبر۴:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

۱۔صحیح مسلم رقم الحدیث:6466 ،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:6008، مسند احمد بن حنبل:398/4، مسند ابی یعلی: 260/13، رقم الحدیث: 7276

۲۔سنن الترمذی رقم الحدیث:3862،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:6014 ، مسند احمد بن حنبل:87/4، مسند الفردوس لدیلمی، رقم الحدیث: 525، حلیۃ الاولیاء:287/8

Marfat.com

''اس مسلمان کو جس نے مجھے (حالتِ ایمان میں) دیکھا یا اس شخص کو جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا اُسکو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''(۱)

حدیث نمبر۵:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم سے بہتر ہیں۔''(۲)

عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علماء کی نظر میں

قول نمبر۱:

امام میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ (مشہور تابعی) فرماتے ہیں:
''تین چیزوں کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنا، نجومیوں کی تصدیق کرنا اور تقدیر کا انکار کرنا۔''(۳)

قول نمبر۲:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
''جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرے تو وہ اپنے اندر مصیبت چھپائے ہوئے ہے اس

۱.سنن الترمذی رقم الحدیث:3858 ،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:6013

۲.سنن الکبریٰ للنسائی:388,387/5 رقم الحدیث:9222,9224 ،سنن الترمذی رقم الحدیث:2165،مسند حمیدی رقم الحدیث:32 ،مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:6012

۳.فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل، رقم الحدیث:19 ،سندہٗ صحیح

Marfat.com

کے دل میں برائی ہے جس کی وجہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام پر تنقید کرتا ہے حالانکہ وہ انبیاء کرام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل تھے۔''(۱)

قول نمبر۳:

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا:
''جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو برا کہتا ہے تو اس کے مسلمان ہونے پر بہتان لگاؤ (کہ تو مسلمان نہیں ہے)۔''(۲)

قول نمبر۴:

رئیس المفسرین والمؤرخین حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
''اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام صحابہ کرام عدول (ثقہ اور قابلِ اعتماد) ہیں، اللہ ربّ العزت نے قرآنِ حکیم میں ان کی تعریف بیان کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ میں ان کے تمام اخلاق وافعال کی مدح وتعریف کی گئی ہے انہوں نے اللہ سے اجروثواب حاصل کرنے کے لئے اپنی جانیں اور مال ودولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کردیئے۔''(۳)

---

۱. کتاب السنة للخلال: 477/2رقم الحدیث: 758 سندہٗ صحیح

۲. مناقب احمد لابن الجوزی ص: 160، تاریخ دمشق لابن عساکر: 144/62سندہٗ صحیح

۳. اختصار علوم الحدیث لابن کثیر ص: 177,176 سندہٗ صحیح

Marfat.com

قول نمبر ۵:

امام عوام بن حوشب الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ (ثقہ، ثبت اور فاضل، المتوفی ۱۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی محاسن بیان کیا کرو تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہی محبت ہو اور ان کی خامیاں بیان نہ کرو تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا نہ ہو۔"(۱)

جنگِ جمل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جس بے دردی کے ساتھ باغیوں کے ہاتھوں ہوئی اس نے پوری مملکت میں ایک آگ سی لگا دی تھی ہر صوبے سے بیک وقت آواز اٹھی کہ قاتلینِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے حالانکہ ابھی تک باہم کوئی مشاورت نہیں ہوئی تھی از خود ذاتی طور پر تمام اطراف سے یہ آواز اٹھی اور تیزی سے سرزمینِ عرب میں پھیل گئی۔ کوفے اور بصرے میں ایک گروہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا اور مصر کے دس ہزار آدمیوں نے واضح طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گورنر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو کہہ دیا کہ اگر قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا گیا تو ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کریں گے۔(۲) اور اس معاملہ میں اہلِ مدینہ بالکل غیر جانبدار ہو گئے۔(۳)

۱۔ تثبیت الامامة و ترتیب الخلافه للحافظ ابی نعیم اصفهانی ص:217 سندهٔ صحیح

۲۔ تاریخ الامم والملوك للطبری:442/4، الكامل فی التاریخ لابن الاثیر:201/3، البداية والنهاية لابن كثير:313,251,229/7

۳۔ تاریخ الامم والملوك للطبری:486/4، الكامل فی التاریخ لابن الاثیر:230/3، البداية والنهاية لابن كثير:236/7

Marfat.com

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ تشریف لا رہی تھیں کہ راستے میں اطلاع ملی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں اور ان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا دیئے گئے ہیں لیکن معاملہ ابھی تک سب شر پسندوں کے ہاتھ میں ہے یہ سن کر آپ واپسی کا قصد کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ واپسی کی وجہ پوچھتے ہیں تو وہی جواب دیتی ہیں جو ان کے رشتہ دار پہلے دے چکے تھے اور اپنے اس ارادے کا اظہار کرتی ہیں کہ مدینے میں شر پسند سبائیوں کا غلبہ ہے وہاں اب ان حالات میں اُن پر قابو پانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ہمیں از خود خونِ عثمان کے بدلے کیلئے کچھ کرنا چاہئے۔(۱) اور بات مختصر اس تحریک کا یہ قافلہ بصرہ پہنچتا ہے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا خطاب

''اے لوگو! امیر المومنین کو بلا سبب مختلف شہروں اور دیہاتوں کے شر پسند عناصر نے شہید کر دیا ہے ہمارا مقصد ان قاتلین کے خلاف لوگوں کو اس بات کا احساس دلانا ہے کہ ہم سب کو مل کر خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا چاہئے کیونکہ اگر اس وقت اس معاملے کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو اس طرح ہمیشہ خلفاء راشدین کی توہین ہوتی رہے گی اور کوئی خلیفہ اس انجام سے محفوظ نہیں رہے گا۔''(۲)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خطاب

اے لوگو! مختلف شہروں اور دیہاتوں کے فسادی لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے انہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نو عمر گورنروں پر اعتراض کیا ہے حالانکہ ان

---

۱. تاریخ الامم والملوك للطبری: 449/4

۲. تاریخ الامم والملوك للطبری: 495,437/4، الكامل فی التاریخ لابن الاثیر: 237/3

Marfat.com

جیسے لوگوں کو اس سے قبل بھی مناسب عہدوں پر فائز کیا گیا ہے، چراگاہوں پر اعتراض کیا، حالانکہ اس میں کوئی معقولیت نہیں تھی ان کے لئے جب کوئی بہانہ یا عذر نہ رہا تو انہوں نے اخلاق شریعت کی تمام حدود کو توڑ کر ایک بالکل ناجائز قتل نیز بلد حرام اور مالِ حرام کو بھی اپنے اوپر حلال کر لیا، بخدا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی روئے زمین میں ان جیسے لوگوں سے بہتر ہے جنہوں نے اس حرام کام کا ارتکاب کیا پس ان لوگوں کے خلاف جمع ہو جاؤ تاکہ انہیں ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ دوسرے لوگوں کے لئے نشانہ عبرت بن جائے اور آئندہ کسی کو اس طرح کی دیدہ دلیری کی جسارت نہ ہو۔(۱)

اور دوسری طرف سے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی اس مقام پر پہنچتا ہے اور پھر یہاں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ فریقین صلح پر راضی ہو جاتے ہیں۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطاب اور پیغامِ صلح

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطاب میں زمانہ جاہلیت کے حالات پر پہلے تفصیل سے روشنی ڈالی پھر بعد میں نعمتِ اسلام میں سرفرازی، اہل واسلام کے اتفاق واتحاد اور پھر اس کی اہمیت پر خوب تفصیل سے بے مثال خطاب کیا۔ بعد ازاں! سیدنا ابوبکر صدیق ،سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب پر گفتگو فرمائی پھر مزید اہل اسلام کو دورِ حاضر میں اٹھنے والے فتنے سے بہرہ ور فرماتے ہوئے فرمایا:

> ''اے لوگو! سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو دنیا کے طلب گار اور اللہ کی نعمتوں اور اہلِ فضل پر اعتراض کرنے والے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو ختم کر کے پھر وہی زمانہ جاہلیت کے حالات پیدا کر دیئے جائیں جو قبل از اسلام تھے اور

---

۱. تاریخ الامم والملوک للطبری:449/4،الکامل فی التاریخ لابن الاثیر:207/3

Marfat.com

ساتھ ہی اپنی تشریف آوری کی وجہ واضح فرما دی کہ ہم صلح کے دعویدار ہیں اور بعد میں فریقِ مخالف بھی صلح پر رضامند ہو گیا۔"

جنگِ جمل کے آغاز کا سبب

صلح کی صورت حال دیکھ کر فتنہ پرور پریشان ہو گئے۔ انہوں نے صلح کی اس صورت حال کو بدلنے کے لئے باہم مشورہ کیا کہ اگر یہ صلح ہو گئی تو وہ صلح ہمارے خون پر ہو گی اور عبداللہ بن سبا (یہودی) جو اس سارے فتنے کا بانی و سرغنہ تھا اس نے مشورہ دیا کہ کل جب دونوں گروہ آپس میں صلح کے لئے ملیں تو رات کو اندھیرے میں جنگ چھیڑ دی جائے اور اس رات مسلمان بڑی سکون کی نیند سو رہے تھے اور دوسری طرف خبیث النفوس سبائی کا اپنے پروپگنڈے کو کامیاب کرنے کے لئے ان کی اس رات کا ایک ایک لمحہ بڑی بے چینی سے گزر رہا تھا۔ اور انہوں نے رات اپنی بنائی ہوئی اسکیم کے مطابق صبح اندھیرے ہی میں جنگ چھیڑ دی اور اچانک اہلِ جمل پر حملہ کر دیا اور اہلِ جمل کو مجبوراً ہتھیار اٹھانے پڑے اور دوسری طرف اہلِ جمل نے سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ہمارے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور بعینہ یہ ہی گمان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اہلِ جمل کے متعلق کیا۔(۱)

قارئین کرام! جنگِ جمل کی مکمل تاریخ کو پڑھا جائے تو خلاصۂ بحث اور حاصل کلام کے طور پر درج ذیل اُمور ہمارے سامنے واضح ہوتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ اہلِ مدینہ نے کیا۔

---

۱. تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تاریخ الامم والملوک للطبری: 507,505,496,494, 493,489,488/4، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر: 242,241,239,236,233/3، البدایة والنهایة لابن کثیر: 239,237/7)

Marfat.com

(۲) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس مطالبے کی تصویب فرمائی۔ یہ نہ کہا کہ ان کے قصاص کا مطالبہ صرف ان کے شرعی ورثاء کو ہے قانونی طور پر باقی کسی دوسرے شخص کو اس کا حق حاصل نہ ہے۔

(۳) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ملکی حالات کے دُرستگی کے عذر کو اہلِ مطالبہ نے بالکل صحیح قرار دیا۔ اگر یہاں ان کا غیر آئینی صورتحال کو پیدا کرنا ہوتا تو وہ ابتداء ہی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عذر کو غیر معقول قرار دیتے لیکن انہوں نے اس رائے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کیا۔

(۴) لیکن جب چار ماہ کے گزرنے کے بعد ابھی تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیا گیا تھا کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابھی تک ملکی حالات کے نظام کو منظم فرما رہے تھے جو ان کے خلیفہ وقت بننے کے بعد حقیقتاً اولین کام تھا اور دوسری طرف اہلِ مطالبہ نے کہا کہ قصاص کا مطالبہ پورا کروانے کا وقت اب ہی ہے پھر حالات ساتھ نہ دیں گے۔ قارئین کرام! یہ ہے وہ مقام جہاں پر آ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ مطالبہ کے نکتہء نظر میں اختلاف شروع ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بدستور ملکی حالات کے درستگی کا حوالہ دیتے رہے اور دوسری طرف اہلِ مطالبہ اپنے مشاہدات سے یہ سمجھنے لگے کہ اس طرح اس مطالبے کی افادیت میں دن بدن کمی، قاتلین کی تحقیق مشکل اور اس طرح بعد میں اس مطالبے کے پورا ہونے کی امید بالکل ختم ہو جائے گی۔

(۵) اختلاف کی اس ساری صورت حال کے باوجود بصرہ کے مقام پر فریقین آپس میں صلح پر آمادہ ہو چکے تھے اور اگر فریقین میں سے کسی کا اسلام میں کوئی انتشار پھیلانا مقصود ہوتا تو اس مقام پر کسی صورت میں صلح پر آمادہ نہ ہوتے۔

(۶) جنگِ جمل کے آغاز کا سبب صرف سبائیوں کے گروہ کی سازش تھی جس کا سردار عبداللہ بن سبا تھا اور یہ ہی اس فتنہ پرور اور دُشمنِ اسلام گروہ کا بانی و سرغنہ تھا۔

Marfat.com

جنگِ جمل اور علماء کا نکتہ ءنظر

علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر:

علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غلط نہیں کہا، نہ ان پر کوئی طعن کیا اور نہ ان پر ایسی کسی قسم کی تنقید کی جس سے ان کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معیارِ خلافت سے گرانا ہو نہ ان کے مقابلے میں انہوں کسی اور کی خلافت قائم کی اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ انہوں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی یہ باتیں صحیح طور پر ثابت ہیں جس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ بصرہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے یا ان کے خلاف لوگوں کو ابھارنے یا ان کی بیعت توڑنے کے لئے نہیں گئے تھے، ان میں سے کوئی چیز بھی اگر مقصود ہوتی تو سب سے پہلے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ اپنا کوئی خلیفہ بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے پس معلوم ہوا کہ بصرہ صرف اس شگاف کو بند کرنے کیلئے گئے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلماً شہید کر دیئے جانے سے اسلام میں پیدا ہو چکا تھا۔''(۱)

رئیس المؤرخین علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر:

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ جنگِ جمل کے متعلق اپنے نکتہ ءنظر کا اظہارِ خیال کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں: ''یہ حقیقت ہے کہ جس پر صحابہ اور تابعین کے افعال کو محمول کرنا چاہئے وہ اُمت میں بہترین لوگ ہیں۔ ہم اگر انہیں بھی نشانہ قدح بنالیں تو اسکے بعد مختص

---

۱. الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم الاندلسی:158/4

Marfat.com

بالعدالت کون رہ جائے گا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سب سے بہتر دَور میرا دَور ہے۔ اس کے بعد جو اس کے بالکل متصل دَور ہے۔ پھر جو اس سے متصل دَور ہے اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے مگر ان سے گواہی نہیں مانگی جائے گی، اور وہ خیانت کریں گے، وہ امین نہیں بنائے جائیں گے، وہ نذر مانیں گے لیکن اسے پورا نہیں کریں گے، اور ان میں موٹاپا پن ظاہر ہو جائے گا۔''(۱)

پس تم اپنے نفس اور زبان کو صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ تعرّض کرنے سے روکو، اور ان کے درمیان ہونے والے واقعات کے متعلق شک و شبہ سے اپنے دل کو پریشان نہ کرو، جہاں تک ہو سکے ان کا صحیح محل تلاش کرو۔ بجاطور پر وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کا اختلاف کسی دلیل پر اور ان کی باہم جنگیں اپنے طور پر راہِ جہاد اور اظہارِ حق پر مبنی تھیں اور اس ساتھ ساتھ یہ اعتقاد رکھو کہ ان کا باہمی اختلاف اُمت کے لئے رحمت ہے۔ ہر شخص کو ان کے باہمی اختلاف کے متعلق وہی روش اختیار کرنی چاہیے جو انہوں نے اس موقع پر اختیار کی تھی، اور ہم انہی کو اپنا امام، رہبر اور ہادی بنانا چاہیے۔''(۲)

امام ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ نظر:

اہلِ روافض کے مشہور امام ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لم یکفر أهل الجمل'' اصحابِ جمل (جنہوں نے باہمی جنگ لڑی انہوں) نے کفر نہیں کیا۔(۳)

---

۱. صحیح بخاری، رقم الحلیث: 3650، صحیح مسلم، رقم الحلیث: 214-2535، سنن ابی داوٗد، رقم الحلیث: 4667، سنن الترمذی، رقم الحلیث: 3859، مشکوٰۃ المصابیح: رقم الحلیث: 6010

۲. مقدمه ابن خلدون فصل، مقتل الحسین بن علی رضی اللہ عنہما ص: 386,385

۳. المصنف لابن ابی شیبه: 258/15رقم الحدیث: 37757، سندهٗ صحیح

Marfat.com

جنگِ صفین

جنگِ جمل کے بعد تاریخ اسلام کی اہلیانِ اسلام کے مابین سب سے بڑی اور المناک جنگ جس نے اسلامی مملکت کی مضبوط بنیادوں کو انتہائی کمزور کر دیا اور اُس کے بعد مملکتِ اسلام دوبارہ اپنی بنیادوں کو مضبوط نہ کر سکی۔ یہ جنگ کیوں رونما ہوئی؟ اس کے پیچھے کیا اختلاف تھا؟ یہ اختلاف بھی بعینہ جنگِ جمل ہی کی مثل تھا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا دعویٰ کرتے تھے اور دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان سے اس مسئلہ میں اتفاق کرتے تھے لیکن یہاں ان کا اختلاف صرف تعجیل و تاخیر کا تھا۔

جنگِ صفین کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی:

یہ وہی جنگ ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں اپنے فرمودات میں پیشین گوئی فرما چکے تھے۔ اس مقام پر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین احادیث ذکر کر کے جنگِ صفین کے متعلق اپنے مؤقف کو واضح کریں گے، احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی کہ جب تک دو ایسے گروہ آپس میں جنگ نہ کریں گے جن کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔''(۱)

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث: 6935

Marfat.com

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں بدیں الفاظ رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں مذکور آپس میں جنگ کرنے والے دو گروہوں سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے اور حدیث میں مذکور یہ الفاظ کہ ''جن کا دعویٰ ایک ہی ہوگا'' سے مراد وہ دونوں گروہ اسلام کے لئے لڑیں گے یہ ہی قول راجح ہے اور بعض کے نزدیک ان الفاظ سے مراد کہ ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کا یہ ہی نظریہ ہوگا کہ وہ حق پر ہے (یعنی میرا نظریہ درُست ہے اور مخالف اپنے نظریہ میں غلطی پر ہے)۔(۱)

مزید برآں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس حدیث کی شرح میں بدیں۔ الفاظ رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں مذکور آپس میں جنگ کرنے والے دو گروہوں سے مراد حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے اور حدیث میں مذکور یہ الفاظ کہ ''جن کا دعویٰ ایک ہی ہوگا'' سے مراد یعنی وہ دونوں گروہ اسلام کے لئے لڑیں گے یہ ہی قول راجح ہے پھر مزید فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک گروہ اپنے اجتہاد کی بنا پر یہ ہی خیال کرے گا کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا غلطی پر ہے۔(۲)

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں: کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ حق کے زیادہ قریب تھا اور یہی اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق تھے اگرچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور ان شاءاللہ اس اجتہاد پر انہیں بھی ثواب ملے گا۔(۳)

---

۱. فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر عسقلانی: 378/12

۲. عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری للعینی: 135/24

۳. البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: 279/7

Marfat.com

قارئین کرام! مذکورہ حدیث اور پھر محدثین کی بیان کردہ وضاحت اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ جنگِ صفین میں شریک دونوں گروہ اسلام کی سربلندی چاہتے تھے اور اس میں اُن کی نیتیں اخلاص پر مبنی تھیں اور ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی جگہ پر اجتہاد کر رہا تھا کہ وہ حق پر ہے اور فریقِ مخالف غلطی پر ہے۔ یہاں یہ بات بھی رقم کیے دیتے ہیں کہ علماء محدثین کے ہاں یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اس جنگ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حق پر مانتے ہیں اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ اجتہادی غلطی پر تھے۔ تو جب ان میں سے ایک گروہ اجتہادی غلطی پر تھا تو یہاں ایک حدیث ملاحظہ فرما کر اس جنگ میں پیدا ہونے والے تمام شبہات کا ازالہ کیجئے اور اپنے اذہان کو بغضِ صحابہ کرام اور ان کے متعلق ہر قسم کی تنقید سے پاک کریں۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جب کوئی حاکم اپنے اجتہاد کی بنا پر فیصلہ کرے اور اگر فیصلہ صحیح ہو تو اس کو دوہرا اجر ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے اکہرا ثواب ملتا ہے۔"(۱)

اب ہم تیسری اور آخری حدیث نقل کر کے اپنے مؤقف کو مزید واضح اور مضبوط کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث:7352،صحیح مسلم رقم الحدیث:4487

Marfat.com

''میرا یہ بیٹا سیّد ہے اُمید ہے کہ اللہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔''(۱)

تمام محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشین گوئی کے مطابق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جن دو گروہوں کے درمیان صلح کروائی وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دو گروہ ہیں جیسا کہ محدثین نے صراحت کی ہے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں اس حدیث کا مصداق سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کا گروہ قرار دیا ہے۔(۲)

اور بعینہ یہی بات حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ اس حدیث کی شرح میں بیان فرمائی ہے۔(۳)

قارئین کرام! اس مذکورہ حدیث میں جو نکتہ پنہاں ہے وہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے اور ہمارا یہی نظریہ اس جنگ میں شریک طرفین کے متعلق حرفِ آخر ہونا چاہئے کہ اس حدیث میں مذکور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق اس جنگ میں شریک ہونے والے طرفین عظیم مسلمان تھے اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر اسلام کی سربلندی کے اُمیدوار تھے۔

جنگِ صفین کے متعلق علماء کا نکتۂ نظر:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس جنگ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

اس جنگ میں شریک دونوں فریق مجتہد تھے۔ صحابہ کرام کا ایک گروہ سرے سے

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث: 2704، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: 6144

۲. عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری للعینی: 404,402/13

۳. فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر: 84.78/13

Marfat.com

جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا۔ قتلِ عمار رضی اللہ عنہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے اور اہل سنت اس بات پر متفق ہوگئے۔ حالانکہ پہلے اس میں اختلاف تھا۔(۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جنگ صفین کے متعلق بدیں الفاظ رقم طراز ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بالا جماع صحیح ہے اور اپنے وقت میں وہ واحد خلیفہ تھے ان کے دَور میں ان علاوہ کسی کی خلافت دُرست نہیں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل فضلاء اور صحابہٴ نجباء میں سے ہیں ان کے مابین جو جنگیں ہوئیں اس کی وجہ یہ شبہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی حقانیت کا اعتقاد رکھتا تھا، یہ سب کے سب عادل ہیں اور جنگوں اور دیگر اس قسم کے معاملات (جو بظاہر منافیٴ عدالت ہیں) میں متاول ہیں، ان میں سے کوئی چیز، ان میں سے کسی کو عدالت سے خارج نہیں کرتی، اس لیے کہ یہ سب مجتہد تھے۔ ان مسائل میں جو محل اجتہاد ہیں، ان میں باہم اُسی طرح اختلاف ہوگیا، جس طرح بعد میں دوسرے مجتہدین قصاص وغیرہ میں مختلف ہوگئے۔ ان چیزوں کی وجہ سے کسی میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔(۲)

اسی طرح صحابہ کرام کے ان اختلاف کے متعلق مشہور عالم الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں:

صحابہ کرام دین کے علَم بردار ہیں، ائمہ نے اُن سے دین اَخذ کیا اور ہم نے ائمہ سے، اُن پر طَعن ایسا ہی ہے گویا آدمی خود اپنے آپ پر اور اپنے دین پر طعن کرتا ہے، امام ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ ”تمام صحابہ عدول ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار

---

۱. الاصابة فی تمیز الصحابة لابن حجر: 270/4

۲. شرح مسلم للامام نووی: 167/8

Marfat.com

تھی۔قرآن اور احادیث ان کی عدالت وجلالت کی تصریح کرتے ہیں،ان کے مابین جو کچھ ہوا۔ان کے محامل ہیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔'' میں نے اپنی کتاب میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سانحۂ شہادت اور اس کے مابعد کے جو حالات ذکر کئے ہیں وہ میرے مذکورہ بالا بیان کے منافی نہیں، کیونکہ میں نے صحیح واقعات ایسے انداز میں ذکر کیے ہیں جن پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے،ان سے صحابہ کی جلالت قدر واضح اور ہر کوتاہی سے ان کی براءت کا اظہار ہوتا ہے، بخلاف جاہل واعظوں کے، وہ جھوٹی، گھڑی ہوئی اور ان جیسی روایات بیان کرتے ہیں، نیز صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعات کا صحیح محمل اور ان کی وہ صحیح نوعیت واضح نہیں کرتے ہیں جن پر اعتقاد ضروری ہے۔ایسے لوگ عوام کو بغض صحابہ کرام کی راہ پر ڈال دیتے ہیں اور اُن کیلئے صحابہ کرام کی تنقیص کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ہمارا طرزِ عمل اس سے بالکل مختلف ہے، ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے ان کی انتہائی جلالت اور ان کی نزاہت واضح ہوتی ہے۔''(۱)

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جنگِ صفین کے شرکاء کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

''یہی اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اگر چہ حضرت امیر معاویہ بھی مجتہد ہونے کی وجہ سے ان شاء اللہ مأجور ہیں۔''(۲)

۱.الصواعق المحرقة فی الرد علی اهل البدع و الزندقة، ص134-133

۲.البداية والنهاية لابن كثير:279/7

Marfat.com

کتبِ تواریخ اور علماء کا نکتۂ نظر

کتبِ تواریخ کی کسی بھی کتاب میں جب ہم حیاتِ صحابہ کا مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں تو بعض قارئین کے اذہان میں ان شخصیات کے متعلق کچھ شبہات جنم لیتے ہیں۔ایسے تاریخی واقعات کے مطالعہ کے دوران یا بعدازاں ہمارے کیا ان کے متعلق نظریات ہونے چاہئے ہم ذیل میں ان شبہات کے ازالے کے لئے محدثین، سلف صالحین کے نظریات پیش کر رہے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نکتۂ نظر:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

''ان حضرات کی بیان کردہ تاریخ وسیر کی وہ روایات جن میں مرسل و مقطوع اور صحیح وضعیف ہر طرح کی چیزیں ہیں۔حسب واقعہ یہ ہے تو صحابہ کرام کے فضائل و محاسن جو کتاب وسنت اور نقلِ متواتر سے ثابت ومعلوم ہیں، ان کا ردّ ایسی روایات سے نہیں ہوسکتا جن میں بعض منقطع، بعض تحریف شدہ اور بعض ایسی ہیں جن سے یقینی چیزوں پر جرح وقدح نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ یقین شک سے زائد نہیں ہو سکتا، اور ہمارا یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب وسنت اور اجماعِ سلف سے ثابت ہیں۔ نیز ان منقولاتِ متواترہ کی تصدیق وتائید دلائل عقلیہ سے بھی اس طرح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام، انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین مخلوق ہے۔بدیں وجہ ان پر مشکوک چیزوں

Marfat.com

سے جرح و قدح نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ اُن روایات سے جن کا بطلان واضح ہے۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر بدیں الفاظ رقمطراز ہیں:

''کسی شخص کیلئے کسی فروعی مسئلے میں بھی کسی حدیث سے استدلال اُس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اُسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ ان اُصولی مسائل میں، جن سے خیرالقرون، جمہور مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء مقربین کے سادات (صحابہ) پر حرف آتا ہے، اُن روایات کو بطورِ حجت پیش کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے (یعنی کسی بھی صورت ایسی روایات کو بیان کرنا جائز نہیں ہے) کہ جن کا صدق ہی نامعلوم ہو۔''(۲)

امام ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ ءنظر:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسے بہت سے مؤرخین نے نامعلوم افراد سے جو اس قسم کی باتیں نقل کی ہیں کہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ''تم نے مجھ سے دھوکہ کیا وغیرہ۔۔۔'' اس قسم کی باتیں، جو صحیح روایات کے خلاف ہیں ان کے قائلین کے منہ پر ماردی جائیں گی مزید برآں روافض اور غبی الذہن قصہ گو، جنہیں صحیح اور ضعیف مستقیم وسقیم اور کمزور ومضبوط روایات کے

---

۱. منهاج السنة النبويه فى نقض كلام الشيعة و القدريةلابن تيميه، 3/207-209

۲. منهاج السنة النبويه فى نقض كلام الشيعة و القدرية لابن تيميه، 18/4

Marfat.com

درمیان کوئی تمیز نہیں کرتے وہ صحابہ کرام کے متعلق جوان کا باور کروانا مقصود ہوتا ہے وہ خلافِ واقعہ ہوتا ہے۔''(۱)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ نظر:

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نظریات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''سوائے صحیح روایات کے کسی اور طرف التفات نہ کیا جائے، اہل تاریخ سے بچو، ان کا شیوہ ہے کہ پہلے چند صحیح روایات ذکر کر دیتے ہیں تا کہ اُس کی آڑ میں باطل روایات کو فروغ دے سکیں، یہ لوگوں کے دِلوں میں ایسی باتیں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، یہ لوگ اسلاف کی تحقیر اور دین کی تذلیل کرتے ہیں۔ حالانکہ دین اس سے عزیز تر اور اسلاف اس سے کہیں زیادہ قابل احترام ہیں۔فرضی اللّٰہ عن جمیعھم اجمعین۔''

مزید ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''جب تم اپنے خلاف دینار و درہم تک کا دعویٰ اُس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے جب تک مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابہ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی روایات کس طرح قبول کر لیتے ہو، جن کی عدالت تو کجا سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں۔''(۲)

---

۱. البداية والنهاية لابن كثير: 147/7

۲. العواصم من القواصم لابن العربي، ص: 244,245,247,248,252

Marfat.com

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ نظر:

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں:

''اور جو شخص (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لغزشوں کے متعلق) کچھ سنے تو اس پر واجب ہے کہ اس معاملے میں تحقیق سے کام لے اور صرف کسی کتاب میں دیکھ لینے یا کسی شخص سے سن لینے کی بناء پر اس غلطی کو ان میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کرے، بلکہ یہ ناگزیر ہے کہ اس کی پوری تحقیق کرے، یہاں تک کہ اس کی نسبت ان کی طرف صحیح ثابت ہو جائے، اس مرحلے پر یہ واجب ہے کہ ان کے لئے توجیہات کے ذریعے اُس بات کا صحیح حل تلاش کرے۔''(۱)

چند شبہات کا ازالہ

قارئین کی خدمت میں اُن چند صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کو ذکر کیا جارہا ہے جن کے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی اِس کتاب کو پڑھنے کے بعد کچھ شبہات قارئین کے اذہان میں جنم لیتے ہیں جن کا ازالہ ہم ذیل میں نہایت اختصار سے کر رہے ہیں:

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اس کتاب کے دورانِ مطالعہ جس شخصیت کے متعلق سب سے زیادہ شبہات جنم لیتے ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مظلوم شخصیت ہے جن کے متعلق اکثر بے سند تاریخی واقعات کو سامنے رکھ کر امتِ مسلمہ کے بعض ظالم انسان طوفانِ پروپیگنڈا کھڑا کرتے

---

۱. الصواعق المحرقه فی الرد علی أهل البدع و الزندقة للهیثمی، ص: ۱۲۹

Marfat.com

ہیں۔جس ظلم کے پردے میں انکی ذات کے حسین کردار و کارنامے نظروں سے اوجھل کرنے کی ناپاک جسارت کی جاتی ہے۔وہ اس فعلِ قبیحہ کے ارتکاب کے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منظورِنظر تھے جنہوں نے ایک طویل عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حالتِ دوزانوں بیٹھ کر کتابتِ وحی کے حساس و نازک فریضے کو سرانجام دیا۔جیسا کہ حدیث مبارکہ میں موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے میں یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے تشریف لا رہے ہیں لہٰذا میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری کمر پر تھپکی دے کر فرمایا:

''جاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحی لکھتے تھے۔''(۱)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خدمتِ اسلام کیلئے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کراتے رہے۔تاریخ اسلام میں سب سے پہلی مرتبہ بحری بیڑا بنانے کے اس عظیم کارنامے کا سہرا بھی انہی کے نام جاتا ہے اس طرح سب سے پہلے بحری فوج کے ذریعے جہاد کا آغاز انہوں ہی نے کیا اور اس مبارک جماعتِ مجاہدین کو زبانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بشارت ملی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا، ان (مجاہدین) کے لئے (جنت) واجب ہے۔''(۲)

اور یہ جہاد سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں ہوا تھا۔(۳)

۱.دلائل النبوة للامام البیهقی: 6/208،رقم الحدیث: 2520، مسند ابی داؤد للطیالسی: 359/1،رقم الحدیث:2746،سندهٔ صحیح

۲.صحیح بخاری رقم الحدیث:2924

۳.صحیح بخاری رقم الحدیث:6283,6282

Marfat.com

اور اس مبارک لشکر میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔(۱)

اس طرح بحکمِ الٰہی کلام کرنے والی زبانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کی بشارت پائی۔ آج بعض ظالم ان کو صرف جنگِ صفین ہی کے قائد کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن قبرص، صقلیہ، روڈس اور سوڈان جیسے اہم ممالک کی فتوحات جو انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہیں یہ سلسلہ فتوحات ان کی نظروں سے کیوں اوجھل رہتا ہے۔

قارئین کرام! کتابِ ہٰذا کے دورانِ مطالعہ یا کسی بھی کتبِ تواریخ میں ان سے بشری تقاضا کے پیشِ نظر ہونے والی کوتاہیوں کا ذکر آئے تو وہ ایک انسان تھے اور بنی آدم خطا ونسیان کا پتلا ہے تو وہاں ان کے مقام ومرتبے کو ہرگز نہ بھولئے کہ ان کے علم وعمل کے لئے ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری زبانِ اقدس سے بدیں الفاظ دُعا نکلتی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دُعا فرمائی:

''اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً واهد به، اے اللہ! اسے ہادی مہدی بنادے اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔''(۲)

اور زبانِ نبوت سے ایک دوسرے مقام پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یوں دعائیہ الفاظ نکلتے ہیں:

''اللّٰهم علّم معاوية الكتاب والحساب، وقه العذاب، اے میرے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن کا علم اور حساب سکھا اور اسے

۱۔ صحیح بخاری رقم الحدیث: 2800,2799

۲۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: 3842، مسند احمد بن حنبل: 216/4 رقم الحدیث: 17895 کتاب الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: 358/2، رقم الحدیث: 1129، التاریخ الکبیر للبخاری: 240/5، سندہٗ صحیح

Marfat.com

عذاب سے بچا۔''(۱)

ان کے دورِ خلافت کے متعلق عظیم مفسرِ قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''میں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حکومت کے لئے مناسب (خلفائے راشدین کے بعد) کسی کو نہیں دیکھا۔''(۲)

امام معافیٰ بن عمران موصلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 185ھ) سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو بھی برا قرار نہیں دیا جا سکتا، اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے صحابی، ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبِ وحی اور اللہ کی وحی (لکھنے) کے امین ہیں۔''(۳)

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجدّدِ اوّل حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ان سے اپنی محبت کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں کہ ابراہیم بن میسرہ الطائفی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی انسان کو نہیں مارا سوائے ایک انسان کے جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی تھی انہوں نے اسے کئی کوڑے مارے۔(۴)

---

۱. مسند احمد بن حنبل: 127/4 رقم الحدیث: 17152، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: 1938، سندہٗ صحیح

۲. مصنف عبد الرزاق: 453/11 رقم الحدیث: 20985، تاریخ دمشق لابن عساکر: 121/62 سندہٗ صحیح

۳. تاریخ بغداد للخطیب بغدادی: 209/1، تاریخ دمشق لابن عساکر: 143/62، سندہٗ صحیح

٤. تاریخ دمشق لابن عساکر: 145/62، سندہٗ صحیح

Marfat.com

آخر میں ہم اپنے خالقِ کائنات سے نہایت عاجزی اور انکساری سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے اصحاب رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے متعلق تاریخی روایات کو پڑھ کر جو شبہات اذہان میں پیدا ہوتے ہیں جو اکثر بے سند، اضافہ شدہ، یا سیاق وسباق سے ہٹ کر ہیں لیکن دوسری طرف زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے وہ سچے الفاظ درج ذیل ہیں جو اُن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔''(۱)

مزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''زبیر بن عوام جنت میں ہیں۔''(۲)

حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے قاتل ابن جرموز نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ابن صفیہ (زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو آگ کی ''خوشخبری'' سنا دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر بن عوام ہے۔''(۳)

۱.صحیح بخاری رقم الحدیث: 2846،صحیح مسلم رقم الحدیث: 2415

۲.سنن الترمذی رقم الحدیث: 3747،سندۂ صحیح

۳.مسند احمد بن حنبل: 89/1 رقم الحدیث: 680،سندۂ صحیح

Marfat.com

اور مزید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مجھے یہ پوری اُمید ہے کہ میں، طلحہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہوں گے کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ (سورۃ الحجر 15، آیت 47)

ترجمہ: ''اور ان کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی ہم اسے نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔''(۱)

آخر میں ہم اپنے خالقِ کائنات سے نہایت عاجزی اور انکساری سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے اصحاب رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! سیدنا سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تاریخی روایات کو پڑھ کر جو شبہات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو اکثر بے سند، اضافہ شدہ، یا سیاق وسباق سے ہٹ کر ہیں لیکن دوسری طرف زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے وہ سچے الفاظ جو ان کے فضائل و مناقب کو نمایاں کر رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق غزوۂ اُحد کے موقع پر فرمایا:

''طلحہ رضی اللہ عنہ کے لئے جنت واجب ہوگئی۔''(۲)

---

۱. مصنف ابن شیبہ:282,281/15رقم الحدیث:37810،سندۂ صحیح

۲.سنن الترمذی رقم الحدیث:3739,1692،مسند ابی یعلی:33/2رقم الحدیث: 670، المستدرك علی الصحیحین للحاکم:374/3سندۂ صحیح

Marfat.com

اور یہی وہ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کی قربانی پیش کی۔(۱)

اور ان کا شمار عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ہوتا ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دنیا ہی میں دے دی تھی۔(۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے اپنی محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مجھے یہ پوری اُمید ہے کہ میں (سیدنا علی)، سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ (سورۃ الحجر15، آیت47)

ترجمہ: ''اور ان کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی ہم اسے نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔''(۳)

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ان مستند فضائل و مناقب کے برعکس وہ تاریخی روایات جو ان کے زہد و تقویٰ اور ان کی منافیٔ عدالت ہیں ان میں اکثر روایات بے سند ہیں یا پھر ان سے نتائج سیاق و سباق سے ہٹ کر اخذ کیے گئے ہیں یا بالفرض اگر ان سے اور دیگر صحابہ کرام سے جو بشری تقاضا کے پیشِ نظر خطائیں سرزد ہو گئی تھیں کیونکہ صحابہ کرام جہاں اس عظیم مقام و عظمت کے حامل تھے کہ دُنیا ہی میں بخششِ الٰہی اور خوشنودیٔ خداوندی کے سرٹیفکیٹ زبانِ نبوت سے حاصل کر چکے تھے وہاں وہ انبیاء کرام کی مثل بالکل معصوم عن الخطاء

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث: 4063

۲. سنن الترمذی رقم الحدیث: 3747، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: 6109،

۳. مصنف ابن شیبہ: 282,281/15 رقم الحدیث: 37810، سندہٗ صحیح

Marfat.com

نہیں تھے۔ بدیں صورت ہمارا ان سے سرزد ہونے والی خطاؤں اور مزید کتبِ تاریخ میں موجود ان کے متعلق تاریخی روایات کے بارے میں ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہیے اس کے لئے اسی مضمون کے گزشتہ اوراق میں ''کتبِ تواریخ اور علماء کا نکتۂ نظر'' کے عنوان سے رقم کی جانے والی بحث ملاحظہ کریں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شمار بھی انہی شخصیات میں ہوتا ہے جن کے متعلق کتاب ہٰذا اور دیگر کتبِ تواریخ کے دورانِ مطالعہ چند شبہات قارئین کے اذہان میں جنم لیتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق اس پوری بحث میں صاحبِ کتاب اور دیگر مؤرخین نے ان تاریخی روایت کا سہارا لیا ہے جن میں اکثر روایات بے سند ہیں۔ کتاب ہٰذا میں ان کے متعلق اس بحث کے اختتام پر جس کا اعتراف صاحبِ کتاب بھی دبے الفاظ میں کر چکے ہیں۔ ان تاریخی روایات کے برعکس سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اُس مبارک شخصیت کا نام ہے جن کے متعلق قرآنی فہم اور علم وحکمت کے لئے بحکمِ الٰہی کلام کرنے والی زبانِ نبوت سے دعائیں نکلی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ان کے لئے یہ دعا فرمائی:

''اللّٰهم علمه التأويل و فقهه في الدين. اے اللہ! اس کو قرآن کی تفسیر سکھلا دے اور دینِ اسلام کا فہم عطا فرما۔''(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دُعا کی برکت ہی سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ

۱۔صحیح بخاری رقم الحدیث: 143،المعجم الکبیر للطبرانی: 10/93،رقم الحدیث: 10587،مصنف ابن شیبہ: 17/188،رقم الحدیث: 32887،صحیح ابن حبان: 10/531رقم الحدیث: 7055،مجمع الزوائد و منبع الفوائد للهیثمی: 9/279,278،تهذیب التهذیب لابن حجر: 2/365

Marfat.com

کرام میں سب سے بڑے مفسرِ قرآن اور مدبرِ قرآن بنے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے زہد وتقویٰ کی گواہی دیتے ہوئے مشہور تابعی امام طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر میں نے اللہ ربّ العزت کی حرمات کی سختی سے تعظیم کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔''(۱)

اور امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہم مفتی مکۃ المکرّمہ امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے تو ہم نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یاد کیا تو حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: کہ میں نے جب بھی چودھویں رات کے چاند کو دیکھا تو مجھے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ یاد آ گیا۔''(۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر ان کی ایک نہایت حسین کرامت ظاہر ہوئی جس کو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں ذکر کرنے کے بعد اس واقعہ کی سند کو متواتر قرار دیا ہے جو طائف کی مبارک سرزمین میں آپ رضی اللہ عنہ کی قبر پر صحابہ کرام اور تابعین عظام کی کثیر جماعت کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کی میت کو دفن کرنے کے لئے قبر کے پاس رکھا تو ایک خوبصورت پرندہ آیا، جو آپ رضی اللہ عنہ کے کفن میں داخل ہو گیا، کافی انتظار کے بعد بھی وہ آپ رضی اللہ عنہ کے کفن سے باہر نہ نکلا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی میت کو اسی طرح قبر کے اندر رکھ دیا گیا۔ اس پرندے کے متعلق اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ اللہ ربّ العزت کا آپ رضی اللہ عنہ کو

---

١. حلية الأولياء لابى نعيم اصفهانى:1/329،تاريخ دمشق لابن عساكر :14/201،سير اعلام النبلاء للذهبى:4/385،سندهٔ صحيح

٢. سير اعلام النبلاء للذهبى:4/383،غاية النهاية فى طبقات القراء لابن الجوزى:1/189، تاريخ اسلام للذهبى :5/152،سندهٔ صحيح

Marfat.com

عطا کیا ہوا وہ علم و فضل تھا جو آپ رضی اللہ عنہ اپنی وفات پر دنیا سے اپنے ساتھ لے گئے۔

اور جب آپ رضی اللہ عنہ کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو فراغت کے بعد قبر کے کناروں سے قرآن پاک کی تلاوت سنائی دی گئی یہ غیبی آواز تھی نجانے رحمت کا فرشتہ تھا یا کوئی قدرت کی نشانی اور پڑھنے والا بڑی مسحور کن آواز میں آپ کی قبر کے پاس مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کر رہا تھا:

يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ○ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○

ترجمہ: ''(البتہ نیک لوگوں سے کہا جائے گا کہ:) اے وہ جان جو (اللہ کی اطاعت میں) چین پا چکی ہے، اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آ جا کہ تو اُس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی۔ اور شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں۔ اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

(سورۃ الفجر 89، آیت 27 تا 30)(۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ان مستند فضائل و مناقب کے برعکس وہ تاریخی روایات جو ان کی عدالت اور زہد و تقویٰ کے خلاف آتے ہیں وہ سنداً انتہائی کمزور ہیں اور اس طرح کے تاریخی واقعات کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہیے۔ اس کے لئے گزشتہ اوراق میں مرقوم بحث ''کتبِ تاریخ اور علماء کا نکتۂ نظر'' ملاحظہ کریں۔

۱. المستدرك على الصحيحين للحاكم: 3/353، المعجم الكبير للطبراني: 10/290 رقم الحديث: 10581، مجمع الزوئد و منبع الفوائد للهيثمي: 9/288، كنز العمال للامام الهندى رقم الحديث: 37190، حلية الأولياء لابى نعيم اصفهانى: 1/329، سير اعلام النبلاء للذهبى: 4/394) سندهٔ صحيح

Marfat.com

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر مالی معاملات میں کمزور اور ازواج کے ساتھ غیر مناسب سلوک ان تمام باتوں کی بنیاد وہ تاریخی روایات ہیں جن میں اکثر بے بنیاد ہیں ان روایات کو پڑھتے وقت قارئین بھولنا نہ پائیں کہ ان کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کبار صحابہ کرام سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیعت رضوان کے مبارک موقع پر موجود تھے جیسا کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے۔(۱)

اور بیعتِ رضوان میں شامل ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بیعتِ رضوان کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔''(۲)

اور مزید نبی کریم ﷺ نے بیعتِ رضوان کے حاضرین کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

''زمین میں تم سب سے بہتر لوگ ہو۔''(۳)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ان مستند فضائل و مناقب کے برعکس وہ تاریخی روایات جو ان کی عدالت اور زہد و تقویٰ کے خلاف آتے ہیں وہ سنداً انتہائی کمزور ہیں اور اس طرح کے تاریخی واقعات کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہیے۔اس کیلئے ہمارے اِسی مضمون کے گزشتہ اوراق میں مرقوم بحث ''کتبِ تواریخ اور علماء کا نکتۂ نظر'' ملاحظہ کریں۔

۱.سیر اعلام النبلاء للذهبی:197/4

۲.سنن الترمذی رقم الحدیث:3860وقال:"هذا حدیث حسن صحیح" وأصله فی صحیح مسلم رقم الحدیث: 2495،سندهٔ صحیح

۳.صحیح بخاری رقم الحدیث: 4154،صحیح مسلم رقم الحدیث: 4811ترقیم دار السلام

Marfat.com

قارئین کرام!

ان شبہات کا ازالہ ہم تفصیل سے کر چکے ہیں جو صحابہ کرام کے متعلق کتبِ تواریخ کے مطالعہ کے دوران قارئین کے اذہان میں جنم لیتے ہیں چونکہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری کی اس کتاب کا تعلق بھی کتبِ تواریخ سے ہے جو کہ انہوں نے عربی زبان میں ''الفتنة الکبریٰ، علی و بنوہ'' کے نام سے تصنیف کی جس کا اُردو ترجمہ محترم جناب انجم سلطان شہباز صاحب نے کیا ہے۔ جسے بک کارنر کے پلیٹ فارم سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل کتاب ہذا کا اُردو ترجمہ جناب علامہ عبدالحمید نعمانی کے قلم سے ادارہ ''نفیس اکیڈمی، کراچی'' سے متعدد بار شائع کیا جا چکا ہے۔ کتاب ہذا کا مواد مکمل تاریخی ہے اور بعض مقامات پر ڈاکٹر صاحب ان تاریخی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے نتائج بھی اخذ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان نتائج کو اخذ کرنے میں ڈاکٹر صاحب سہو و نسیان کا بھی شکار ہوئے ہیں جس میں انہوں نے اندازِ مؤرخین کی طرح روایات کو رقم کرتے وقت صحت و سقم کا خیال نہیں رکھا۔ ان کے اس نکتہء نظر سے اہلِ سنت والجماعت کا وہ گروہِ محدثین اور ادارہ متفق نہ ہے اور اس بات کا اظہار ادارہ اپنی کثیر کتبِ اشاعت کے شروع میں کر چکا ہے کہ ہمارے تمام عقائد و نظریات گروہِ محدثین اہلِ سنت والجماعت کے مطابق ہیں۔ ہماری کسی بھی کتاب میں اگر کوئی نکتہ نظر منہجِ محدثین کے خلاف آ جائے تو وہ غلطی صرف صاحبِ کتاب کی طرف منسوب ہو گی، ادارے کا مصنف سے اتفاق رائے ہونا ہر گز ضروری نہیں۔ ادارہ اس سے عام اعلانِ برأت کرتا ہے۔

آخر میں ہم اپنے خالقِ کائنات سے نہایت عاجزی اور انکساری سے دُعا گو ہیں کہ ہمارے دلوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیارے اصحاب رضی اللہ عنہم کی محبت سے بھر دے۔ اور اے ہمارے مالک ہم عاجز و انکسار اور خطا کار و گنہگار ہیں لیکن اس کے باوجود تیری رحمت کے طلبگار تیری بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ ہمیں روزِ محشر ہمارے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ساتھ نصیب فرما۔ آمین یا ربّ العالمین!

خادم العلم والعلماء

نوید احمد ربانی

سنیئر رکن شعبہ برائے دار التحقیق والتخریج

بک کارنر شوروم، جہلم

Marfat.com

مُقَدّمَہ

نَحْمَدہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنَ! [آمین]!

اصحاب علم وادب بخوبی طورر پر آگاہ ہیں کہ جدید تاریخ وسیاست وعلم وادب اور فکری انداز وروش میں دنیائے اسلام میں بالخصوص مصر اور پھر جدید مصر کی تاریخ وسیاست اور جدید تحاریک نے دُنیائے اسلام کی تاریخ وسیاست اور علم وادب کو جس انداز وروش سے ہمکنار کیا وہ بھی ایک طویل فکری داستان ہے۔

امام سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت بلاشک وشبہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے بقول شخصے:

''عیاں راچہ بیاں''

امام السید الشیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی فکری وسیاسی وعملی زندگی کا تعلق یورپ اور ایشیاء کی تاریخ کی گزشتہ دوصدیوں سے اتنا گہرا رہا ہے کہ شیخ کے اذکار کے بغیر دونوں کی تاریخ یقیناً نامکمل رہے گی۔

ذرا غور فرمایئے کہ: امام السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی فکری ودینی وسیاسی وعملی جدوجہد کی روداد زندگی اس دور کی سیاست کے ایک گوشہ پر حاوی ہے۔ جب ایشیاء پر یورپین [استعمار] اپنے ناخن حرص وآز کو گاڑتا چلا جاتا تھا اور اس کے دیو استبداد کے پنجوں کی گرفت کے اندر ایشاء کی محوخواب اقوام کہیں کہیں کروٹیں بدلنے لگی تھیں۔

ایسے نازک المیاتی دور میں امام السید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی فکری، دینی،

Marfat.com

سیاسی وعملی جدوجہد کا تعلق بالخصوص مسلم قوم کی خواب غفلت کی بیداری سے تھا۔

امام السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحریک اتحاد اسلامی میں مسلم قوم کی وطنی اور قومی وحدتوں کو محو کر دینا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ہر وحدت کو بجائے خود وطنیت کے جذبے پر مستحکم کر کے ان کا ایک ایسا وفاق بنانا چاہتے تھے جو کہ یورپین ایمپیریلزم کی ہوسنا کیوں اور دراز دستیوں کا مؤثر طور پر مقابلہ کر سکے!

جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

> ''آج اگر شیخ زندہ ہوتے تو مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اسلامی اخوت سے وطنیت کے جدید تحصیل کو ہرگز خارج نہ سمجھتے بلکہ مغربی ممالک کی آزادی کے لئے عربوں کی تائید کرتے اور وسط ایشیاء کی ریاستوں میں تاتاریوں سے وطنی حقوق کا مطالبہ کرتے اور ترکی وطن میں ترکوں کے استحکام کی کوششیں کرتے جس طرح ایران میں وہ ملت ایرانی کی آزادی کے لئے کوشاں رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصری، ترکی اور ایرانی احرار کی جدوجہد کی تمام اساس ایک وطن شدید وطنیت تھی......!

[ملخصاً]

(انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک) حصہ اوّل: [ص: ۹۵-۹۶]

مختصر یہ کہ مسلم ممالک میں سیاسی و وطنی اور دینی و مذہبی احساس کی جو جدید لہر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کا اثر یورپین ممالک کی جدید تحریکوں پر بھی پڑا۔

امام السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری وعملی دینی و سیاسی و اسلامی تہذیبی وتمدنی وثقافتی، حرکی عمل نے جا بجا اسلامی ممالک بشمول سرزمین پاک و ہند کے طول و عرض کے مسلمانوں میں آزادی وطن، آزادی حقوق انسانی اور مذہبی و دینی حقوق کے تحفظ پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے!

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقصد کی خاطر ایک جدید صحافت کی بنیاد رکھی۔ مصر میں امام

Marfat.com

السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے جدید صحافت کے عملی پہلو کے پیش نظر مشہور اخبار ''مصر'' جاری کروایا بلکہ پیش ورفت فرماتے ہوئے دو مزید شائستہ اور موٴقر فکری و دینی و علمی پرچے عربی زبان میں شائع کروا دیئے، ایک کا نام محروسہ اور دوسرے کا نام ''مرأۃ الشرق'' تھا۔ بہر کیف، جدید مصر میں اخبار نویسی کی یہ نئی فضا تھی۔ مشہور مصری قائد سعد زغلول پاشا رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ نعیم رحمۃ اللہ علیہ بے احسان ہے۔ آپ ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی فکری کاوش اور علمی جدوجہد کے باوصف جامعۃ الازھر کے حضرات علماء کرام اور طلباء و نوجوانوں کے حلقوں میں اور دوسری جانب اخبارات وصحافت کے ذریعے سے عوام کے اندر سوئے ہوئے اور مضمحل قویٰ کو محرک عمل کر دیا۔

آپ نے ہندوستان، حجاز، ترکی ومصر۔ لندن و پیرس، روس و ایران و بغداد، خالقین و بصرہ و قسطنطنیہ و جرمنی و فرانس وغیرہ ممالک میں اپنے سیاسی میدان عمل کو وسعت دی۔ آپ نے 9 مارچ 1897ء میں ترکی میں انتقال فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی تصانیف میں درج ذیل کتب مشہور ومعروف ہیں:

۱۔ تتمۃ البیان فی تاریخ افغان! بزبان فارسی!

۲۔ مضمون ''ردعلیٰ الدھرین'' بزبان فارسی!

درج ذیل مضامین بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار ہیں:

۱۔ حجۃ البالغہ

۲۔ جملہ القرآن

۳۔ فلسفہ الدین واللغت

۴۔ المحافظہ علی الدین

۵۔ القضاء والقدر

۶۔ الوصیۃ البساسغۃ الاسلامیہ

(آثار جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ از جناب قاضی محمد عبد الغفار صاحب رحمۃ اللہ علیہ!

بعنوان: تصنیف وتالیف بر صفحہ ۳۱۴-۳۱۵

Marfat.com

پیرس (فرانس) میں آپ نے ''العروۃ الوثقیٰ'' کے نام سے شیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ، سعدزغلول پاشا رحمۃ اللہ علیہ اور مرزا باقر ایرانی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ایک جماعت قائم کی اور ''عروۃ الوثقیٰ'' کے نام سے ایک ہفتہ وار جریدہ شائع ہونا شروع ہوا کہ جس نے مشرق و مغرب کی جدید تحاریک کے لئے سامان فکرافزاء مہیا کیا اور دینی وفکری سیاست کی انقلابی ترویج واشاعت کے لئے پھر سے مہمیز کا کام کیا۔

آپ کے متعلقین اور معاصرین میں درج ذیل اصحاب علم وسیاست کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں:

۱۔ علامہ موسیٰ جاراللہ رحمۃ اللہ علیہ (روس)

۲۔ امام انقلاب علامہ عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ (ہندوستان)

۳۔ پروفیسرایڈورڈ براؤن صاحب! (کیمرج یونیورسٹی)

۴۔ والفرڈ اسکاوان بلنٹ صاحب

۵۔ مدحت پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ محمد نافق کمال بے صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ شیخ ہادی نجم آبادی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ مصطفےٰ کامل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ خیرالدین پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ امیر عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ محمد بن عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ امام سید محمد بن علی بن السنوسی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۔ جانثاری (فوج نو) ترکی فوجی کی تنظیم جدید

۱۴۔ ریاض پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ ادیب الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۶۔ جمیس سنا صاحب (یہودی تھے)

Marfat.com

۱۷۔ سعد زغلول صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۔ شریف پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۔ اعرابی پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۰۔ مہدی سوڈانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۱۔ شاہ عبدالعظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۲۔ مرزا رضا خان کرمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۳۔ ارنسٹ رینان صاحب مشہور فرانسیسی فلاسفر

۲۴۔ مرزا باقر ایرانی صاحب

۲۵۔ ملکم خان صاحب

۲۶۔ عثمان دغنہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۔ اعتماد السلطنت، محمد حسین خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۸۔ حاجی مرزا احسن شیرازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۹۔ حاجی سید علی اکبر شیرازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ شیخ علی قزوینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۱۔ مرزا آقا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۔ شیخ احمد روحی کرمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۔ شیخ الرئیس ملائے طالقانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۴۔ عالی پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۵۔ فؤاد پاشا صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ

مذکورہ بالا رجال کے اسماء کی فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ امام السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ مغفور کا حلقۂ احباب کس قدر وسیع اور بلند پایہ تھا؟

چنانچہ، امام السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عالمی حرکت انقلاب نے بالخصوص مصر میں دینی سیاست، صحافت، ثقافت، تہذیب وتمدن پر گہرے اثرات چھوڑے۔

Marfat.com

آپ کے شاگردان رشید میں سے درج ذیل کے اسمائے گرامی قدر مشہور و معروف ہیں:

۱۔ علامہ شیخ طنطاوی جوہری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ امام الشیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ علامہ رشید رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ علامہ شیخ المراغی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ کا نام صف اوّل میں آتا ہے کہ جنہوں نے جدید علمی وسیاسی و دینی پیرایہ میں بیش بہا خدمات سرانجام دیں اور مصری صحافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نتیجتاً جدید مصری صحافت وجود میں آئی۔

جناب ڈاکٹر طہٰ حسین مصری

امام السید شیخ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا دینی وسیاسی وثقافتی جدوجہد وسعی پیہم کے باوصف جدید مصر میں ایک دینی و مذہبی، سیاسی وتمدنی وثقافتی خدمات کا ایک وسیع مگر گھمبیر حلقۂ اثر قائم ہوگیا کہ جس کے پیش نظر نئے انداز وروش کے اسلامی تہذیب و تمدن وثقافت وکلچر کی تجدید واحیاء تھا۔

ایک طرف تو غیر ملکی استعمار کے لئے اور عالم عرب وسرزمین ہند کی خاطر جذبۂ آزادی سے سرشار مجاہدین آزادی کی ایک مؤثر اور فعال جماعت تیار ہوگئی اور دوسری جانب تجدید واحیائے دین کی خاطر علماء کرام کی ایک بھرپور جماعت دولتِ دین کی حفاظت کی خاطر علمی وعملی میدان میں آگئی۔

"جناب ڈاکٹر طہٰ حسین صاحب ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو کر آنکھیں کھو بیٹھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم صعید کے ایک مدرسہ میں حاصل کی اور اس کے بعد جامعہ ازھر میں کئی سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن آزادی

Marfat.com

افکار کی وجہ سے آخری امتحان دینے سے قبل جامعۃ الازھر سے نکال دیئے گئے اور جامعہ مصریہ میں جو نئی مصری یونیورسٹی تھی داخل ہو کر اٹالین مستشرق نلینو جیسے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ اس جامعہ کے پہلے ڈاکٹر ہیں۔ آپ نے اس امتحان کے لئے ابو العلاء المعری رحمۃ اللہ علیہ پر کتاب لکھی تھی۔"

[ملخصاً]

انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک از جناب محمد حسن الاعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حصہ اوّل: بعنوان: جامعہ مصریہ کی شخصیات

(۳) ڈاکٹر طٰہٰ حسین بر صفحہ ۴۴۳ و مابعد!

جامعۃ الازہر سے آپ کے خارج ہونے کا سبب یہ تھا کہ آپ جدت پسند اور نہایت درجہ آزاد خیال تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ امام محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ کی انقلابی تحریک سے انتہاء درجہ متاثر تھے۔

☆ جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین اگرچہ بچپن سے نابینا تھے لیکن آپ نے جامعہ ساربون، پیرس (فرانس) سے بھی پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے جو تحقیقی مقالہ تحریر کیا اُس کا موضوع ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفۂ اجتماعیہ تھا۔

دار المصنّفین اعظم گڑھ نے ابن الخلدون رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفۂ اجتماعیہ کا اردو زبان میں ترجمہ کروا کر شائع کر دیا ہے۔

باوجود نابینا ہونے کے آپ نے پی ایچ ڈی کا امتحان بدیں طور پر پاس کیا کہ ایک فرانسیسی خاتون کہ جو آپ کی ہم جماعت تھیں آپ کی نہایت درجہ معتقد ہو گئیں۔ وہ ہر روز انہیں متعلقہ کتب سے سبق پڑھ کر سنا دیا کرتی تھیں۔

چنانچہ اس پُر مشقت مرحلہ سے گزر چکنے کے بعد آپ پی ایچ ڈی کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ بعد میں اسی فرانسیسی خاتون سے آپ کی شادی ہو گئی اور یہی فرانسیسی

Marfat.com

خاتون آپ کی بیوی تھیں۔

اس فرانسیسی خاتون کو ادب سے نہایت درجہ دلبستگی و شیفتگی تھی۔ بدیں سبب وہ جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کی علمی و ادبی کاموں میں مدد کیا کرتی تھیں۔

عربی زبان کے جدید ادب پر اثرات کے متعلق آپ نے گراں قدر تصانیف تحریر کیں کہ جو عرب کے جدید ادب میں ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں اور اس وقت دنیائے عرب میں آپ کا ثانی نہیں مل سکتا۔ آپ ہر سال ایک آدھ کتاب ضرور تصنیف کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف عربی ممالک میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

آپ کی پہلی تصنیف سے ایک خاص واقعہ سے وابستہ ہے جس کا بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

جب آپ کی پہلی تصنیف ''فی الادب الجاہلی'' شائع ہوئی تو مصر بھر کے مذہبی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔

علماء نے یہ الزام لگایا کہ اس کتاب میں اسلام اور قرآن پر حملے کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جامعۃ الازہر کے علماء اور اکثر عوام نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ انہیں شہر بدر کر دیا جائے۔ مدت تک مقدمہ بھی چلتا رہا لیکن آخر میں جامعۃ الازہر کے علماء کے مقابلے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو فتح نصیب ہوئی۔

سعد زغلول پاشا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ:

''اگر طٰہٰ حسین کو شہر بدر کر دیا گیا، تو میں وزارت سے استعفیٰ دے دوں گا۔''

انقلابی مصر اور آج کے عرب ممالک از جناب محمد حسن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ

حصہ اوّل: عنوان (۳) ڈاکٹر طٰہٰ حسین بر صفحہ ۲۴۴ وغیرہ

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کی دیگر مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ الوعد الحق

۲۔ حدیث الاربعاء

Marfat.com

۳۔ من بعید علی ہامش السیرۃ

۴۔ فی الصیف الایام

۵۔ مع المتنبی

۶۔ مع اَبی العلاء فی سجنہ

۷۔ قادۃ الفکر من الادب

۸۔ التمثیلی الیونانی

۹۔ الادیب

۱۰۔ ذکری ابی العلاء

۱۱۔ روح التربیۃ حافظ شوقی

۱۲۔ فلسفہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۔ مستقبل الثقافۃ

وغیرہ وغیرہ

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب نے اپنی آپ بیتی ''الایام'' میں اپنے بچپن کا واقعہ نہایت سحر بیانی سے پیش کیا ہے بدیں سبب اس کتاب کا ترجمہ دنیا کی اکثر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ فارسی ترجمہ کا نام ''روزہا'' ہے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب عالم عرب کے مشہور و معروف ادیب تھے۔ آپ پرنسپل کلیۃ الاداب اور اسکندریہ یونیورسٹی (مصر) کے وزیر تعلیم بھی رہے۔ آپ ایک سحر بیان مقرر تھے۔

آپ جب بھی کسی ادبی اور علمی موضوع پر تقریر کرتے تو حسین وجمیل الفاظ کو نہایت روانی طبع سے نچھاور کرتے چلے جاتے تھے اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے چلے جاتے۔ آپ کے جوش بیانی میں سحر طرازی اور الفاظ میں ایک موسیقی کا سا تسلسل و ربط ہوا کرتا تھا اور اسی طرز ادا کے باوصف سامعین پر ایک سحر سا طاری ہو جایا کرتا تھا۔

آپ کے احوال و آثار پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں۔

Marfat.com

سن ولادت:

۱۸۸۷ء، ۱۸۸۹ء میں مصر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے۔

خاندان:

آپ کے والد ایک غریب الحال اور کثیر العیال کسان تھے اور ان کے تیرہ لڑکے اور لڑکیاں تھے (روایات کے مطابق آپ تیرہ بہن بھائیوں میں ساتویں اور گیارہ بہنوں میں پانچویں اولاد تھے) جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب جب تین برس کے تھے تو اُس وقت ایک بیماری کی وجہ سے آپ کی دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ لیکن نابینا ہو چکنے کے باوجود آپ ایک دوست کے سہارے مکتب میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مکتب میں آپ نے قرآن حکیم حفظ کیا۔

اعلیٰ تعلیمی مدارج:

۱۔ مکتب کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ جامعۃ الازھر میں کئی برس تک زیر تعلیم رہے۔ ڈاکٹر صاحب بچپن ہی سے آزاد خیال واقع ہوئے تھے۔ بناء بریں وجہ جامعۃ الازھر کے اساتذہ سے آپ کے اختلافات ہو گئے نتیجتاً آخری امتحان دینے سے قبل ہی آپ کو سند دیئے بغیر جامعۃ الازھر سے فارغ کر دیئے گیا۔

۲۔ یہی وہ دَور تھا کہ جب مصری ارباب علم و فضل کی کوششوں سے جامعہ مصریہ کا قیام عمل میں آیا کہ جہاں یورپ کے بعض مشہور مستشرقین بھی تعلیم دیتے تھے۔ جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین جامعہ مصریہ میں داخل ہو گئے کہ جہاں آپ نے مشہور اطالوی مستشرق ''نلینو'' جیسے مغربی مستشرقین و اساتذہ سے اکتساب علم کیا۔

۱۹۱۴ء میں آپ نے تعلیمی طور میدان میں شاندار کامیابی حاصل کی، جب آپ نے مشہور عرب فلسفی نابینا شاعر ابوالعلاء المعری پر اپنا تحقیقاتی مقالہ پیش کیا تھا۔

Marfat.com

۳۔ ازاں بعد آپ کو اعلیٰ تعلیمی مدارج طے کرنے کے لئے فرانس بھیج دیا گیا کہ جہاں آپ نے ''سار بون یونیورسٹی'' میں داخلہ لیا۔
۱۹۱۷ء میں ''سار بون یونیورسٹی'' سے آپ نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لئے آپ نے فرانسیسی زبان میں تحقیقاتی مقالہ تحریر کیا جس کا عنوان ''ابن خلدون اور اس کے فلسفہ اجتماعی کی تشریح وتنقید'' تھا۔

۴۔ ''ساربون یونیورسٹی'' میں جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو ان کی ایک ہم جماعت فرانسیسی خاتون نے بہت علمی مدد بہم پہنچائی۔ بناء بریں اس نابینا طالبعلم کی محسنہ ثابت ہوئیں۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء میں اسی دوست اور ہم جماعت فرانسیسی خاتون سے آپ کی شادی ہوئی۔ یہی فرانسیسی خاتون بعد میں آپ کی علمی اور ادبی آثار کی تصانیف میں مددومعاون رہیں۔

۵۔ فرانس سے واپس آنے کے بعد جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب ''قاہرہ یونیورسٹی'' میں پروفیسر ہوگئے۔ یہاں پر آپ نے زمانہ جاہلیت کی شاعری کے موضوع پر مشہور کتاب ''فی الادب الجاہلی'' ترتیب دی کہ جس میں آپ نے یہ ثابت کیا کہ عہد جاہلیت کے اکثر اشعار جعلی ہیں۔
اس تحقیقی بیش قیمت علمی وادبی کام پر مذہبی حلقوں میں نہایت درجہ ہنگامہ برپا ہوگیا۔ بالآخر ارباب علم وفضل نے جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کو نظریاتی اختلافات کے باوجود ایک محقق عالم تسلیم کرلیا۔

۶۔ ۱۹۳۰ء میں آپ یونیورسٹی (قاہرہ) کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ اسی دور میں مصری حکومت آپ کی مخالف ہوگئی اور آپ کو قید و بند کے مصائب وآلام بھی برداشت کرنا پڑے۔ بالآخر آپ کو کامیابی حاصل ہوئی اور آپ نے مصری جامعات کو حکومت کی مداخلت سے آزاد کرالیا۔

۷۔ ۱۹۵۰ء میں جب آپ وزیر تعلیم مقرر ہوئے تو آپ نے ثانوی تعلیم سب بچوں

Marfat.com

کے لئے مفت کر دی، اور لازمی تعلیم کے لئے جد و جہد کرتے رہے۔

موجودہ مصر کی انقلابی حکومت جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کا نہایت درجہ اعزاز واکرام روا رکھتی ہے۔ دنیائے عرب میں آپ کو علمی و ادبی خدمات کے باوصف عظیم القدر عبقری رہنما اور قائد جانا جاتا ہے۔

متحدہ عرب کی جمہوری حکومت نے آپ کو ملک کی سب سے بڑی ادبی انجمن کا صدر مقرر کر رکھا تھا۔ بلکہ عرب حکومتیں بھی اپنے تمام علمی اور ادبی کاموں میں آپ سے مشورے لیا کرتی تھیں۔ آپ کو بہت سے علمی و ادبی اعزازات سے بھی نوازا گیا۔

نیز آکسفورڈ، روم، لیونز اور دیگر یونیورسٹیوں نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں پیش کیں۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین عربی زبان اور علم و ادب کے اعلیٰ پایہ کے نقاد اور مبصر تھے۔ تحریر و تقریر خاص انداز و روش کے بانی تھے۔ آپ جدید طرز کے بہترین انشاء پرداز اور سحر طراز مقرر تھے۔

آپ عربی زبان کے ادب و تاریخ کے بہترین نقاد، زبردست مورخ، افسانہ نگار اور مفکر تھے۔

آپ عمر بھر علمی و ادبی تصانیف کے علاوہ مشہور جرائد و مجلّات میں بلند پایہ مضامین تحریر کرتے رہے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب نے اپنی خودنوشت سوانح عمری ''الایام'' کے نام سے تحریر کی جو دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ وہ اس قدر دلچسپ اور زندگی کے حقائق پر مشتمل ہے کہ جدید عربی زبان و ادب کا عظیم شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ دنیا کی تمام مشہور یونیورسٹیوں میں یہ شامل نصاب ہے۔ بلکہ دنیا کی مشہور زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

ہم گزشتہ صفحات میں آپ کی گراں قدر محققانہ تصانیف کا ذکر کر چکے ہیں اور یہاں پر طوالت سے گریز کرتے ہوئے اصل منشا و مقصود کی جانب رجوع کرتے ہیں:

Marfat.com

الفتنۃ الکبریٰ:

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب نے ''الفتنته الکبریٰ'' کے نام سے دو کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے ایک کتاب میں خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (زمانہ خلافت: ۲۴ھ بمطابق ۶۴۵ء تا ۳۵ھ بمطابق ۶۵۵ء) کا حال تحریر کیا گیا ہے۔

اور دوسری کتاب خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ (زمانہ خلافت: ۳۴ھ بمطابق ۶۵۶ء تا ۴۰ھ بمطابق ۶۶۱ء) کے موضوع پر ''علی وبنوہ رضی اللہ عنہم'' کے نام سے تحریر کی۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت ملت اسلامیہ کے لئے ایک المیہ تھا کہ جس کے سبب نے اُمتِ مسلمہ کے باقی اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور اس نااتفاقی نے بالآخر ''الفتنته الکبریٰ'' کی بھیانک صورت اختیار کر لی اور بدیں صورت روم و ایران اور یہودیوں کی پھیلائی ہوئی سازش کا جال نہایت کامیابی سے پھیلتا چلا گیا اور یہی صورت حالات آج تک مسلسل جاری وساری ہے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب کی یہ دوسری کتاب ''علی و بنوہ رضی اللہ عنہم'' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے محترم فرزند حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے حالات و واقعات کے محققانہ جائزہ پر مشتمل ہے۔ آپ کی یہ ہر دو مذکورہَ بالا کتابیں نہایت ناقدانہ اور مبصرانہ انداز وروش کو لئے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی ناقدانہ بصیرت اور محققانہ کھتونی کی بنا پر اس ''االفتنته الکبریٰ'' کا بھرپور مگر کامیابی سے جائزہ لیا ہے۔

آپ کی یہ محققانہ اور مبصرانہ اور ناقدانہ کتابیں عالم عرب میں نہایت درجہ مقبول اور شہرت پذیر ہوئیں۔ علاوہ ازیں ان کتابوں کو یورپ کے علمی اور تاریخی حلقوں میں بھی نہایت درجہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

موجودہ کتاب ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، تاریخ وسیاست کی روشنی میں'' میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (خلیفہ سوم) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (خلیفہ چہارم) کے اَدوارِ حکومت وخلافت کے ان سیاسی فتنوں کا تاریخی تحلیل وتجزیہ نہایت کھتونی سے کیا ہے اور رونما ہونے

Marfat.com

والے واقعات کا نقادانہ طور پر تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔

یاد رہے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثالث) اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (خلیفہ چہارم) کے اَدوارِ خلافت، اسلامی تاریخ کے نہایت نازک پیچیدہ اور المیاتی اَدوار تھے کہ جن کے رونما ہونے پر امت مسلمہ میں زبردست سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے کہ جو ازاں بعد، مذہبی اختلافات پر منتج ہوئے کہ جن کے نتیجہ میں تمام عالم اسلام میں کشمکش اور اختلافات اور تنازعات برپا ہو گئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا نکتۂ نظر

بہرکیف جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے خاص انداز اور روش اختیار کی ہے کہ جس سے مکمل طور پر متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے آپ کی یہ دونوں کتب مسلم اُمہ کے تمام طبقوں کو مکمل طور پر مطمئن کر سکیں۔ بعض جگہ مصنف کے بعض خیالات و آراء و فکری رجحانات کے باوصف اختلاف کی گنجائش ہے۔

مگر یہ بات قارئین کرام کو ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ آپ نے یہ کتابیں کسی خاص مسلک کے پیش نظر تحریر نہیں کیں۔ آپ کا کسی بھی مذہبی فرقہ سے تعلق نہیں تھا۔ آپ ایک آزاد اور روشن خیال مسلمان تھے، بدیں وجہ آپ نے کسی فرقہ وارانہ تعصب سے ماوراء ہو کر یہ کتاب تحریر کی ہے۔

آپ کی یہ کتابیں غیر جانبدارانہ تاریخی واقعات کی روشنی پر مبنی ہیں کہ جن میں آپ نے اپنی فہم و بصیرت سے کام لیا ہے۔

چنانچہ ان کتابوں میں حالات و واقعات کی کھتونی کرتے ہوئے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ کافی حد تک غیر جانبدار اصحاب علم و فن کے طبقہ کو مطمئن کر سکتے ہیں اور وہ یقیناً آپ کی اس نقادانہ اور مبصرانہ ژرف نگاہی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب نے اپنے نقطہ نگاہ کو درج ذیل طریقہ پر کچھ یوں

Marfat.com

بیان فرمایا ہے کہ:

''میں اس معاملے کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جذبات اور تاثرات کی عینک سے ہو کر نہ گزرتی ہو، جو مذہبی فرقہ وارانہ تاثیر اور تعصب سے خالی ہو۔ یہ نگاہ ایک مؤرخ کی ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو ان رجحانات، جذبات اور ذاتی خواہشات سے بالکل الگ کر لیتا ہے۔ خواہ اُن کے مظاہر کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔''

اور پھر لطف کی بات کچھ یہ ہے کہ جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اس افسوسناک المیہ کے اس فتنہ و فساد سے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یکسر بری الذمہ قرار دیتے ہوئے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کی ہے کہ:

''اس کتاب کے قارئین آگے چل کر پڑھیں گے کہ یہ نازک حالات اور خطرناک معاملات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مخالفین و موافقین سب کے بس سے باہر تھے۔ وہ یہ پڑھیں گے کہ جن حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مسند نشین خلافت ہوئے، اگر اس وقت کسی دوسرے شخص کو بھی ان حالات میں تخت خلافت کی زینت بنایا جاتا تو وہ بھی اسی طرح فتنہ و فساد کے مصائب میں مبتلا ہوتا اور لوگ اُس سے بھی جدال و قتال کرتے۔''

مزید برآں جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے آئندہ چل کر دین اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں اپنے نقطہ نگاہ کے باوصف ایک ناقدانہ، مبصرانہ، اور محققانہ انداز میں قابل قدر بحث کی ہے کہ جو موجودہ دور کے اصحاب علم و فن محقق مسلم علماء حضرات کے لئے بھی نہایت درجہ مؤقر اور کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی ہر دو کتابوں میں حیران کن ناقدانہ ژرف نگاہی کے باوصف تاریخی حالات و واقعات کا انکشاف فرمایا ہے کہ جس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

ان مباحث کو پیش کر چکنے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر کیا ہے کہ خلیفہ ثانی

Marfat.com

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے:

''جو کام میں نے بعد میں کیا اگر پہلے کرتا تو دولتمندوں سے ان کی فالتو دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔''

جناب ڈاکٹر صاحب نے درست تاریخی واقعات وحقائق کے ساتھ ساتھ ان کا جو تاریخی پس منظر بیان فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان واقعات وحقائق کے اسباب و علل کی کھتونی میں جو کدو کاوش کی ہے۔ وہ آپ کے تاریخی معیار کو یقیناً بلند کر دیتی ہے۔ آپ کے اس انداز وروش اور تحقیقی معیار سے ہماری موجودہ نسل کو تاریخی واقعات کے سمجھنے میں نہایت درجہ مدد ملتی ہے۔ اس کا سبب کچھ یہ ہے کہ اس تحقیقی معیار سے قدیم مؤرخین کے ناقص بیانات کی کمی بڑی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے غیر جانبدارانہ مگر محققانہ انداز میں اس موضوع پر اپنے فکری رجحانات کی مطابقت میں اپنی افکار و آراء کو ہدیہ ناظرین کیا ہے اور قارئین کرام کے لئے جدید انداز وروش کے مطابق فکری رجحانات کے دریچوں کو وا کر دیا۔

''الفتنة الكبریٰ'' کے عنوان سے آپ نے جو دو کتابیں تحریر کیں ان میں سے پہلی جلد ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، تاریخ و سیاست کی روشنی میں'' آپ نے خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے عہد کے تاریخی واقعات کو بیان کرتے ہوئے آخری دَور کے المیاتی اور پرفتن دور پر محققانہ اور مبصرانہ مگر آزادانہ نقد وتبصرہ کیا ہے کہ جو انہی کا طرۂ امتیاز تھا، اور پھر خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے دَور کے عمرانی مباحث کو نہایت ماہرانہ چابکدستی سے خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دَور کی جانب منتقل کیا ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ کی دوسری جلد موسومہ تاریخ اور سیاست کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بالخصوص تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ایک سنجیدہ اور محققانہ فکری کاوش ہے۔

بلاشبہ اس دور کی تاریخ وسیاست اور ان کے اسباب وعلل کا مطالعہ کرنے والے طالبعلم کے لئے یہ دوسری جلد مقام خرد افزاء ہے۔

دوسری جلد یعنی ''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، تاریخ و سیاست کی روشنی میں'' کیا

Marfat.com

ہے؟ ایک تاریخی وسیاسی اور دستاویزی مرقع ہے۔

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں سیاسی طور پر جو الجھاؤ پیدا ہوا اور پھر آئندہ چل کر جس نے خلیفہ رابع حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور کے ماحول اور پھر نظم خلافت وحکومت کو نہایت بری طرح متاثر کیا وہ تاریخ اسلامی کا ایک افسوسناک المیہ ہے اور تاریخ اسلامی کے اس دور کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری ان دلدوز واقعات کے باوصف دم بخود، بے چین اور مضطرب سا ہونے لگتا ہے۔

چنانچہ ایک قاری جب بصرہ، کوفہ، جنگ جمل ونہروان، شام اور پھر جنگ صفین کے مختلف ادوار اور متعدد عناوین کے تحت حوادثات کو بتفصیل پڑھتا ہے اور پھر اس دور کے مکہ ومدینہ کے احوال مظروف پر نگاہ ڈالتا ہے اور دوسری جانب اس سلسلہ کے تاریخی و سیاسی حالات وواقعات کی کثرت اور تضاد بیانی، تو تعجب کا شکار ہو جاتا ہے۔

بہر کیف اقوال وآراء سے علمی وفکری اختلاف کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

مثلاً: آپ بعنوان: ''نظام خلافت'' بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ

''اس میں شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلامی مقبوضات کے تمام حدود تک اپنی خلافت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ صرف ناکام رہے۔ بلکہ آپ کے ساتھ پورا نظام خلافت ناکام رہا اور ظاہر ہوگیا کہ یہ نئی حکومت بھی جس سے توقع تھی کہ سیاسی نظاموں اور حکومت کی قسموں میں ایک نئی قسم کا نمونہ ہوگی۔ بالآخر پہلی حکومتوں کی راہ پر چلنے پر مجبور ہوگئی۔ اس کو بھی پہلی حکومتوں کی طرح اپنی بنیاد مفاد پرستی، اقتدار پسندی اور طبقاتی نظام پر رکھنا پڑی، جس میں متعدد ملتوں کی بڑی اکثریت کو ایک ملت کے لوگوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت اپنا آلہ کار بنا کر رکھتی ہے۔

مزید برآں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نظام خلافت کے ساتھ ساتھ وہ بغاوت بھی ناکام ہوگئی جو بقول باغیوں کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

زمانے میں اس لئے کی گئی کہ اسلامی خلافت کی پاکیزگی، رواداری اور خوبی کو محفوظ رکھا جائے اور اس کے دامن سے خودغرض بے راہ روی، سرکشی اور خرابیوں کے دھبے دھوئے جائیں۔''

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''ان باغیوں نے تو اسی لئے شورش مچارکھی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے مفاد اور مال کا بہتر انتظام نہیں کر سکے اور یہ ٹھیک ہے کہ وہ انتظام کرنے سے قاصر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں پر ''بنی اُمیہ'' سوار ہو گئے۔

صوبوں میں گورنروں نے حکومت اور خراج کے سلسلے میں غیر معقول روش اختیار کی۔

خلیفہ نے بیت المال پر دست درازی کی، اپنے رشتہ داروں اور خاص خاص لوگوں کو نوازا۔ پس، باغی چاہتے تھے کہ خلافت کا رخ پھیر کر شیخین کے عہد کی طرف کر دیں جس میں انصاف ہوتا تھا۔ خودغرض اور مطلب پرستی کا نام ونشان تک مٹا جا رہا تھا۔ لوگوں کے مال کی ٹھیک ٹھیک حفاظت ہوتی تھی اور انہی کے مفاد اور مصالح کے لئے خرچ ہوتا تھا اور جتنا حق تھا اُتنا ہی وصول کیا جاتا تھا۔''

(ملخصاً)

بعنوان: نظام خلافت

ان حالات و واقعات کا مبصرانہ جائزہ لیتے ہوئے جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نہایت واضح انداز میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''ہاں! یہ ماحول کا لفظ ذرا مبہم ہے۔ اس کی وضاحت ضروری ہے۔
اس کا سب سے زیادہ قابل توجہ پہلو اقتصادی ہے۔
خلافت کا نظام جیسا کہ شیخین پیش کرتے ہیں ایک آسان اور روادار

Marfat.com

نظام ہے۔ جس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اس کی خاص تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ! وہ اُسی وقت باقی اور صحیح رہ سکتا ہے۔ جب مسلمان اس پر گہرا اور پکا ایمان رکھیں گے۔

اس نظام پر یقین کا پہلا تقاضا ایک ایسا ایمان ہے جس کو دین کے ساتھ خلوص ہو اور ایسا خلوص جو دلوں کی گہرائیوں تک جا پہنچے۔ جو انسان کے باطن پر حاوی ہو۔ جس کا اقتدار انسانی عقلیں، اپنے غور وفکر میں، انسانی اعضا اپنے اعمال میں زبانیں اپنی جنبشوں میں تعلیم کرتی ہوں۔

ایسا ایمان جو شرک کو کسی رنگ میں قبول نہ کرلے۔ اللہ پر ایمان اس طرح کہ اس کا کوئی شریک اور مقابل نہیں دین پر ایمان کی یہ کیفیت کہ اس میں ذاتی مفاد اور خواہش کا کہیں لگاؤ نہیں۔

اس قسم کا ایمان اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کو حاصل بھی تھا تو اس میں کچھ نہ کچھ آمیزش ضرور رہی۔

ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جو آخر میں اسلام لائے۔ اس سے بھی قطع نظر کیجئے جن کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال کے ذریعے دل جوئی کی ہے اور ان بہت سے دیہاتیوں کو بھی درمیان میں نہ رکھئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ کا ارشاد:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط

ترجمہ: ''اعرابی لوگ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیں کہ تم مومن نہیں ہو بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔''

(سورۃ الحجرات آیت 14)

Marfat.com

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ اور دوسرے مقامات کے منافقوں کو پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کی نشاندہی اور ان کے حالات کی اطلاع کر دیتا تھا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہو کہ بعض ایسے منافق ہیں جن کو صرف میں جانتا ہوں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا اور منافقین کے معلوم کرنے کا ذریعہ جاتا رہا تو مسلمان کالے بالوں میں سفید بال کی طرح تھے۔ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عربوں کا مرتد ہو جانا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا ان سے جہاد کرنا اور ہم سب جانتے ہیں کہ کتنی مشکلات سے ان کو راہ راست پر لایا گیا یا ان کا سدباب کیا گیا۔''

(ملخصاً)

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ عربوں کو پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں پہنچا دیں، لیکن وہ دن جا چکے تھے اور ان کا آنا ممکن نہ تھا۔ دولت مندوں کے دلوں پر دولت کا قبضہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے اسی بنیاد پر عراق میں اور شام میں جنگ کی، عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتح ہوئی۔ لیکن ایسی کہ غالب و مغلوب دونوں نے بہت جلد بھلا دیا۔

جمل کے معرکے کے بعد بصرہ والوں کو کس قدر جلد اپنی عثمانیت یاد آ گئی۔ اس عثمانیت کا مطلب صرف عثمان رضی اللہ عنہ کی محبت اور ان کے قصاص کی طلب نہ تھی بلکہ اس کا مطلب اس سے زیادہ عام اور وسیع ہے۔

اس کے معنی وہ نظام جس کو وہ پہچانتے تھے اور جس سے مانوس تھے،

Marfat.com

شدید حرص وطمع اور مال میں مقابلے کا نظام، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لادی ہوئی زندگی سے تنگ آجانے والا نظام، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر سے عربوں پر لادنا چاہتے تھے۔''

(ملخصاً)

بعنوان: نظام خلافت، ملاحظہ کیجئے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ، تاریخ وسیاست کی روشنی میں''

از جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اُردو ترجمہ: جناب علامہ عبدالحمید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین بعنوان ''سازش'' تجزیاتی مطالعہ کے باوصف ناقدانہ روش کے پیش نظر رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی اس تلخ زندگی پر غالب آنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ایک طرف وہ اپنے ساتھیوں کو شام کی لڑائی پر چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف عراق، حجاز اور یمن کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے دستے بھیج رہے تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوٹ مار اور قتل وغارت کے حملوں کی مدافعت ہو سکے۔ تیسری طرف ان خارجیوں سے برسر پیکار تھے جو دشمنی اور مقابلے کی دعوت دے کر لوگوں میں دہشت پھیلاتے تھے، اور ساتھ ہی آپ کی طرف سے ان خوارج کے ساتھ نرمی کا برتاؤ بھی جاری تھا۔ جو کوفہ میں آپ کے ساتھ تھے اور تاک میں رہا کرتے کہ کب موقع ملے اور نکل پڑیں۔

پھر گورنروں کیلئے آپ کی یہ کاوش کہ وہ اپنے کاموں میں صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی مختلف کوششوں اور کاوشوں میں گزر رہی تھی۔ انہی دنوں میں کچھ خارجی حج کے لئے نکلے، انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی حاجیوں میں

Marfat.com

باہم اختلاف کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز تک پڑھنے کو تیار نہیں۔ چنانچہ لوگوں کو ایک ایسے امیر کا انتخاب کرنا پڑا جو کسی جماعت کا نہ تھا اور پھر نماز ادا کی گئی۔

یہ دیکھ کر ان خارجیوں کو بہت برا معلوم ہوا۔ پھر ان کو نہروان اور دوسرے معرکے یاد آ گئے اور وہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیوں نہ امت کو اس اختلاف کی بدبختی سے نجات دلائی جائے اور کیوں نہ ان تین آدمیوں کو قتل کر دیا جائے جو اس جھگڑے کی جڑ ہیں۔ (اور اس طرح) حضرات علی رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اپنی جماعت کے خون کا بدلہ بھی لے سکیں گے......!

(ملخصاً)

آگے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کا ذکر کرنے کے بعد ارباب تواریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی نقادانہ رائے کا اظہار بدیں الفاظ فرماتے ہیں کہ:

"جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ کا تعلق ہے یہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد افسانہ نویسی اور داستان سرائی کا آغاز ہوتا ہے۔ قصہ گو لوگوں نے بڑھانے چڑھانے اور واقعات کو ہولناک اور ہموار بنانے کے لے جو چاہا اختیار کیا۔ انہوں نے تاریخ کو اپنے اضافوں سے کچھ اس طرح جوڑا ہے کہ مورخ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق کسی معمولی بات کو بھی ایک کھلی حقیقت کے رنگ میں پیش کرنا انتہائی دشوار ہو گیا ہے۔

ان لوگوں نے اپنی طبیعت کے رجحانات اور اپنی دلی جذبات سے الگ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعات نہیں لکھے۔ خیال آرائی نے تاریخی حقائق سے ان کو دور رکھا اور جذبات نے ان کی فکر و نظر کی

Marfat.com

راہیں غلط کر دیں۔
ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعلق اور محبت میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اس بڑھی ہوئی محبت نے اُن کو راہ راست سے بہت دُور پہنچادیا دیا۔
ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو واقعات اور حالات بیان کئے اس میں عقل کی رہبری نہیں خیال اور جذبات کی ترجمانی ہے اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور یہی بات ان کیلئے گمراہی کا باعث بنی۔
ان لوگوں نے مستند مورخین کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر کے وہ سب کچھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کرا دیا۔
انہی لوگوں میں وہ عراقی اہل قلم ہیں جو نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور محب ہیں۔ بلکہ ان کے دلوں میں عام عراقیوں کے لئے عصبیت کا ایک جذبہ ہے اور وہ اپنی تمام تحریروں اور روایتوں میں پوری کوشش کرتے ہیں کہ عراق والے شامیوں سے ہر قول و فعل اور معرکے میں بڑھ چڑھ کر رہیں۔ انہیں لوگوں میں وہ شامی ہیں جنہیں نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ہے بلکہ وہ شامیوں کے طرفدار بھی ہیں اور تفوق اور برتری کے سارے امتیاز صرف شامیوں کا حصہ تصور کرتے ہیں۔
انقلابات کے ہاتھوں جب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے جانشینوں کے لئے میدان صاف ہو گیا تو شامیوں نے زیادتی کی انتہا کر دی۔"

(ملخصا)

بعنوان: حضرت علی رضی اللہ عنہ حامیوں اور دشمنوں کے درمیان

Marfat.com

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مشکلات اور مصائب و آلام کا جائزہ ناقدانہ انداز میں بدیں الفاظ لیا ہے:

ملاحظہ کیجئے:

''آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں پر بھی مصیبتیں آئیں جیسا کہ تم آگے پڑھو گے پھر عراق والوں پر بھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور یہ بھی آگے پڑھو گے، پس یہ سخت اور مسلسل مصیبتیں عراق اور عراق سے وابستہ لوگوں پر غیر معمولی شدت کے ساتھ اگر نازل ہو جائیں اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں میں وہ جلوے نظر آنے لگے جو اوروں میں نظر نہ آئے۔

ان مصائب کی وجہ سے اگر وہ ان کو احترام اور امتیاز کے رتبہ بلند پر پہنچائیں، پھر ان میں غلو کرنے والے یہود و نصاریٰ اور ایرانیوں کی دیکھا دیکھی اگر مبالغے سے کام لیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادوں سے تقدس کے ایسے اوصاف وابستہ کر دیں جو عام طور پر لوگوں میں نہیں ہوتے۔

پھر مخالفین بھی تاک میں ہوں جو ان کے ہر قول و فعل پر کان آنکھ لگا رکھیں بلکہ اس پر اپنی طرف سے حاشیے بھی چڑھائیں اور طرح طرح کے عجیب و غریب بیانات اور کارنامے ان سے منسوب کریں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اور تعجب کا کیا مقام ہے۔''

(ملخصاً)

اگر شخصیت پرستی کا عنصر غالب نہ ہو تو مذکورہ بالا اقتباس کے باوصف جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا یہ نقادانہ اور مبصرانہ نقطہ نگاہ بجا ہے اگرچہ کہ بعض حلقوں کی جانب سے اس میں اختلاف آراء کی گنجائش کیوں نہ ہوا۔

Marfat.com

ہم یہ کہتے ہیں کہ شخصیت پرستی کے اسی غلو نے آئندہ چل کر امت مسلمہ کو بیش از بیش پر خطر حالات سے دوچار کر کے رکھ دیا اور یہی صورت حال آج کے دور میں ہے اور یہ محض آراء و افکار کی غلط روش کا نتیجہ ہے کہ دین اسلام میں شخصیت پرستی کی کچھ بھی گنجائش نہیں ہے آگے بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

''اس کے بعد زمانہ آگے بڑھتا ہے، قیل وقال کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے۔ بحث و مباحثہ کرنے والے جدال کے سبھی راستوں پر قدم بڑھاتے ہیں۔ اس طرح معاملہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو جاتا ہے۔

پھر واقعات سے زمانہ کی دوری اور بھی الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے اور بحث و نظر کی بات خواص سے گزر کر عوام تک پہنچ جاتی ہے۔

اب تو اس میں جاننے والوں کے ساتھ جاہلوں نے بھی حصہ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بات بالکل مبہم رہ کر انتہائی تاریکیوں میں دب گئی اور پوری قوم بجز بہت کم لوگوں کے ایک تیرہ و تار فتنے میں پھنس گئی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں فقہاء، متکلمین اور مؤرخین لفظ شیعہ سے جو ایک مقررہ جماعت مراد لیتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں موجود نہ تھی۔ ہاں آپ کی شہادت کے کچھ دنوں بعد لفظ شیعہ بطور ایک فرقہ کے استعمال ہونا شروع ہوا۔

اللہ عزوجل نے قرآن مجید کی سورۂ قصص میں لفظ شیعہ اس مفہوم میں بیان فرمایا ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا...... رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهُ مُوْسٰى فَقَضٰى.

ترجمہ: 'اور موسیٰ علیہ السلام شہر میں کہیں باہر سے ایسے وقت میں پہنچے جب

Marfat.com

وہاں کے باشندے بے خبر سورہے تھے۔تو انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ایک ان کی برادری کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا۔برادری والے نے مخالف کے لئے موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک گھونسہ مارا جس سے اس کا کام ہی تمام ہو گیا۔'

اسی طرح سورۃ الصّٰفّٰت میں ہے::

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِيْمَ

ترجمہ: ''اور نوح علیہ السلام کے پیروؤں میں ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔''

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ دوسری آیتوں میں شیعہ کے معنیٰ معاونین اور متبعین کی ایک جماعت کے جو رائے اور مسلک میں متفق اور مشترک ہو۔وہ شخص جو موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا مصریوں میں سے ایک آدمی تھا۔

قدیم مفسرین نے یہی تصریح کی ہے جنہوں نے صحابی فقہا سے تفسیر سیکھی اور یہی مفسر کہتے ہیں: ''اِبْرَاهِيْمُ كَانَ مِنْ شِيْعَتِهٖ نُوْحٍ ''یعنی ''حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کے پیروؤں میں سے تھے(۱)''، ان کے ہم خیال تھے، اور ہم مذہب! پس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شیعہ ان کی خلافت کے دوران میں آپ کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی اتباع کرتے رہے۔آپ کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو۔پھر یہ لفظِ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صرف آپ کے ساتھیوں کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ یہی لفظ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کے لئے بھی تھا یعنی وہ شامی اور غیر شامی لوگ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متبع تھے اور جو مطالبہ کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے خون کا قصاص لینا چاہیے اور ان سے لڑ کر قاتلوں پر حد جاری کرنا چاہیے اور اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ثالثی کے معاہدے کی وہ تحریر ہے

ا۔یہاں لفظ ''شیعہ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا اُن کے دَورِ خلافت میں ساتھ دیا، اس نسبت سے وہ شیعانِ علی کے نام سے مشہور ہوئے، واضح رہے کہ اس سے مراد خاص فرقہ کے لوگ مراد نہ ہیں۔

Marfat.com

جو جنگ صفین میں قرآن مجید نیزوں پر اٹھائے جانے کے بعد لکھی گئی۔اس تحریر میں ہے:

قَاضِي عَلِيٌّ اَهْلَ الْعِرَاقِ وَمَنْ كَانَ مِنْ شِيْعَتِهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَقَاضِيْ مَعَاوِيَةُ اَهْلَ الشَّامِ وَمَنْ كَانَ مِنْ شِيْعَتِهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ.

یہاں لفظ شیعہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت اہل عراق اور اہل شام کی طرف ہے۔کاتب معاہدہ کا مطلب ان لوگوں کا تذکرہ کرنا ہے جو عراق میں اور کل اسلامی بلاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاون تھے۔اسی طرح وہ لوگ جو شام اور کل اسلامی بلاد میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔غرض یہ ہے کہ معاہدہ جھگڑا کرنے والے فریقین کو پابند بنادے۔البتہ وہ مختصر سی جماعت آزاد ہوگی جو اس کشاکش میں شرکت سے باز رہی اور نزدیک دُور کہیں سے اس میں حصہ نہیں لیا۔

پس! فقہاء اور متکلمین کے نزدیک لفظ شیعہ کا وہ مشہور مفہوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد سے نہیں ہے۔آپ کے عہد میں دوسرے الفاظ کی طرح اس لفظ کا لغوی مفہوم تھا اور اسی معنی میں اس کا استعمال بھی ہوتا تھا یعنی دو بالمقابل فریق میں سے ایک اور کوئی ایسی قدیم عبارت مجھے نہیں ملتی جس میں اس فتنے سے قبل اس لفظ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے۔اس لئے کہ فتنے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جس کو عام امت میں کوئی امتیازی درجہ حاصل ہو۔''

(ملخصاً)

بعنوان: حضرت علی رضی اللہ عنہ حامیوں اور دشمنوں کے درمیان

برصفحہ ۲۲۷ تا صفحہ ۲۲۹ و مابعد......!

Marfat.com

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے مذکورہ بالا اقتباسات میں یقیناً تحقیق و تدقین کا ماشاء اللہ تعالیٰ حق ادا کر دیا ہے اور غیر جانبدارانہ طور پر تبصرہ کیا ہے۔ نیز بے لاگ روش اختیار کی ہے۔

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بعنوان: ''حضرت حسن رضی اللہ عنہ'' آپ کی شخصیت کا نہایت عمدہ اسلوب نگارش سے کامیاب اور قرار واقعی جائزہ لیا ہے اور اس لائق ہے کہ یہاں پر مختصراً اقتباسات ہدیہ ناظرین کئے جائیں۔

چنانچہ آپ بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایک راست باز شخصیت تھے، پھوٹ اور اختلاف کی بات ان کو پسند نہ تھی، وہ باہمی اتفاق کے خواہاں تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ فتنے کی باتوں میں وہ اپنی طبیعت کے خلاف حصہ لیتے رہے اُن سے جہاں تک ہو سکتا تھا انہوں نے عہد عثمانی رضی اللہ عنہ کی کشمکش کا اس طرح مقابلہ کیا کہ نہ لوگوں کی طرح فتنہ وفساد کی باتیں کیں اور نہ شرارتیں بہت بڑھ جانے پر مخالفین کا ساتھ دیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر دوڑے ہوئے آئے اور خلیفہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود خلیفہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس لئے کہ باغی دیوار پر چڑھ کر گھر میں اتر آئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ ان کے والد بزرگوار نزدیک و دُور سے فتنے کی کسی بات میں شریک ہوں۔ انہوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ لوگوں سے کنارہ کشی کر لیں اور مدینہ چھوڑ کر اپنی ینبع والی زمین پر چلے جائیں۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں مانی اور خیال کیا کہ مدینہ

Marfat.com

ہی میں قیام کریں تا کہ نیکی کا حکم دیں یا برائی سے روک سکیں یا پھر لوگوں میں مصالحت کرادیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہیں اور نہ بیعت کے لئے پیش ہوں۔ بلکہ اگر بیعت کیلئے پیش بھی کیا جائے تو قبول نہ کریں۔

اگر حسن رضی اللہ عنہ کے بس میں ہوتا تو وہ کنارہ کش صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اس کشمکش سے اپنے آپ دُور رکھتے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ والد محترم کا ان پر حق ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ رہے اور تمام معرکوں میں والد محترم کا ساتھ دیا۔

پھر امام حسن رضی اللہ عنہ اس کے بھی خلاف تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دارالہجرۃ یعنی مدینہ چھوڑ کر (حضرات) طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لئے عراق روانہ ہوں بلکہ وہ آپ کے لئے یہی بہتر سمجھتے تھے کہ (حضرت) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں جمے رہیں اور مسافرت کی راہ ہرگز اختیار نہ کریں جہاں بے بسی کے عالم میں موت آجائے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی ایک نہ سنی۔

ایک دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عراق جانے کے لئے پابہ رکاب ہیں اشکبار ہو گئے۔ جس پر ان کے والد محترم نے ان سے کہا۔ ”تم تو لونڈیوں کی طرح آہ وزاری کرتے ہو۔“

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے جناب سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے احساسات و جذبات و آراء وافکار کی قرار واقعی درست ترجمانی کی ہے کہ مذکورہ بالا اقتباسات سے آپ کی شخصیت اور قرار واقعی کردار اور قلبی رجحانات کا قارئین کو واضح طور پر علم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے قلب میں خلیفہ ثالث جناب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظیم اور مقدس شخصیت کے حوالے سے کس قدر ہمدردانہ اور جذباتیت پر مبنی احساسات وابستہ تھے۔

تو اس حقیقت کا انکشاف جناب ڈاکٹر طہٰ حسین بدیں الفاظ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دل سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غم نہ نکل سکا۔ کہنا چاہیے کہ وہ پوری طرح عثمانی رضی اللہ عنہ تھے! البتہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی۔ اس لئے کہ وہ خود کو اس کا مستحق خیال نہیں کرتے تھے اور شاید وہ کبھی کبھی اپنی عثمانیت میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے اپنے والد محترم کو ناگوار جواب دیا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گزر رہے تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ وضو میں مصروف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا کہ وضو اچھی طرح کرو، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا ''کل ہی ایک ایسے شخص کو مار ڈالا گیا جو وضو بہت اچھی طرح کرتا تھا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے خدا، عثمان رضی اللہ عنہ سے غم خواری کا جذبہ اور بڑھائے۔''

(ملخصاً)

بعنوان: حضرت حسن رضی اللہ عنہ

خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زخمی ہو چکنے کے بعد لوگوں کے استفسار پر کہ آپ کا آئندہ جانشین کون ہوگا؟ یا آپ اپنا جانشین مقرر فرما دیجئے گا۔

تو اس بارے میں جناب ڈاکٹر طہٰ حسین حقائق کی نقاب کشائی کس قدر صاف واضح اور بے لاگ طور پر فرماتے ہیں:

''اس پر مسلمان جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مختلف خیالات رکھتے

Marfat.com

ہیں، اہل سنت مؤرخین اور محدثین کہتے کہ زخمی ہو جانے کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے درخواست کی کہ وہ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ تو آپ نے اس سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں تین آراء پائی جاتی ہیں:

اوّل الذکر جماعت کہتی ہے کہ: لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جانشین بنا دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

'میں اس سے تم کو نہ روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں'۔

اس کے مدمقابل جماعت کہتی ہے کہ:

''لوگوں کی درخواست پر آپ نے انکار کیا اور فرمایا: میں تم کو اسی حالت پر چھوڑتا ہوں جس طرح (حضرت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑا تھا۔

اب رہی مؤخر الذکر جماعت شیعہ تو ان کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنانے کا حکم دیا۔

بات جو بھی رہی ہو۔ بہر حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا اور نہ لوگوں سے اپنی بیعت کے لئے کہا۔ البتہ قیس بن سعد بن عبادہ نے آپ کی بیعت کی تحریک کی۔

(ملخصاً)

بعنوان: حضرت حسن رضی اللہ عنہ اردو ترجمہ بر صفحہ ۲۳۳ وغیرہ!

آگے بعنوان ''صلح'' حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین مصالحت کے واقعات کو جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین صاحب نے نہایت واضح طور پیش کیا ہے کہ جس کے سبب سے مصالحت کے خدوخال اور واقعات پیش آمدہ کی نوعیت قارئین کے سامنے واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔

بہرکیف عنوان ''صلح'' ایک قاری کے لئے نہایت قیمتی حقائق اور تبصرہ پر مشتمل

Marfat.com

کہ جس میں ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ کے اہم امور کی جانب نشاندہی فرمائی ہے۔

جناب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے حوالے سے جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین رقمطراز ہیں کہ:

''راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کے ہم خیال نہ تھے۔ ان کا رجحان، صلح کی طرف نہ تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اور اصرار سے کہا کہ:

ضبط سے کام لیں اور جنگ بدستور جاری رکھیں، لیکن بھائی نے انکار کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر اطاعت نہ کی تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں گے۔''

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین آگے رقمطراز ہیں کہ

''اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض باتوں کی اطلاع دے دی تھی۔

فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس معاملے سے الگ ہو جائے گا اور یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور غالباً آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ جملہ بہت سخت کہا:

''وہ نوجوانوں میں سے ایک نوجوان ہیں تلوار کے آدمی ہیں اور دسترخوان کے بھی۔''

(ملخصاً)

بعنوان: (صلح) برصفحہ ۲۴۴

الختصر جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے آگے چل بعنوان ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست عراق میں'' ایک نہایت اہم عنوان پر ناقدانہ و مبصرانہ طبع آزمائی کی ہے کہ جو ایک قاری کے لئے نہایت اہم اور ناگزیر عنوان ہے۔

اسی طرح درج ذیل عناوین نہایت درجہ وقیع اور قیمتی اشارات پر نقد و تبصرہ کے

Marfat.com

حامل ہیں:

۱۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

۳۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر اور شیعہ (۱)

۴۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر اور شیعہ (۲)

۵۔ زیاد کی نسبت فرزندی

۶۔ زیاد بصرہ کا گورنر

۷۔ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل

۸۔ یزید کی جانشینی

۹۔ زیاد اور خوارج

۱۰۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد (۱)

۱۲۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد (۲) وغیرہ

جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی موجودہ کتاب یعنی تاریخ وسیاست کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت عمیق اور نتیجہ خیز تحقیق وتدقین پر مشتمل ہے۔

موجودہ کتاب کے عناوین کی فہرست کا بغور مطالعہ کرنے سے ہمیں بخوبی طور پر علم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس نتیجہ خیز السیاتی دور پر آپ کی نگاہ کس قدر عمیق اور گہری تھی اور پھر اس دور کے حالات وواقعات پر آپ نے کس قدر دور بینی سے نقادانہ تبصرہ کیا ہے کہ جو آپ ہی کا حصہ ہے۔

کتاب کا اُردو ترجمہ محقق اور فاضل جناب انجم سلطان شہباز صاحب نے قرار واقعی علمی وادبی مہارت سے فرمایا ہے جو کہ فنی وعلمی طور پر لائق داد ہے۔

ہمارے مخلص دوست جناب بھائی شاہد حمید صاحب (مالک وپروپرائٹر بک کارنر جہلم) نے سیر وتاریخ کی کتب بشمول سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیرت خلفائے راشدین ودیگر

Marfat.com

شخصیاتِ اسلام اور عظیم فاتحین پر کتب کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

بارگاہ قاضی الحاجات میں دُعا ہے کہ اللہ رب العزت ادارہ کے ان نیک کارناموں کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے اور اجر جزیل کا مستوجب و مستحق قرار دے۔ آمین!

والسلام

آپ کا مخلص

راجہ طارق محمود نعمانی حفظہ اللہ

ایڈووکیٹ (ہائیکورٹ)

جناب راجہ طارق محمود نعمانی حفظہ اللہ کی علمی کاوشیں:

- الفوائد (ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ) مترجم
- سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (از: امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ) مترجم
- حیات حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ
- حیات خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ
- حیات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
- حیات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
- حیات حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
- حیات حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ
- حیات خاتم الشعراء حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
- کلیات حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ (تلخیص و مترجم)
- حیات شمس المعارف حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ
- دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ (از: حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ) مترجم
- سر سید احمد خان (حیات و تعلیمات)

Marfat.com

عرضِ مترجم

قارئین محترم! چونکہ میں نے محمد حسین ہیکل کی کتاب ''صدیق اکبر رضی اللہ عنہ'' کا ترجمہ کیا تھا اور قارئین کرام نے اس کاوش کو بے حد سراہا تھا۔ پروپرائٹر بک کارنر جناب شاہد حمید صاحب نے مجھے کہا کہ ہمارے اس ادارے کو یہ شرف حاصل ہے کہ اِس سے قبل تین خلفاء کی سیرت پر مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق جناب محمد حسین ہیکل صاحب کی کتب کا سلیس اُردو ترجمہ عوام الناس میں پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ محمد حسین ہیکل صاحب کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر کام کرنے کا اللہ ربُّ العزت نے موقع ہی نہ دیا۔ لہٰذا اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مصر کے ہی مشہور و معروف محقق جناب ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب کا اُردو میں ترجمہ کرنے کا انتخاب کیا گیا اور یوں ان کی دیرینہ خواہش پر اس مشکل کام کی تکمیل کی حامی بھر لی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے آخر کار یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات اطہر کے سیاسی پہلو کا نہ صرف یہ کہ احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ مصنف نے اپنے ذہن اور سوچ سے حالات کا تقابل کر کے ایک تجزیاتی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

آج کل مساجد میں بعض علماء اور خطباء نے ''تاریخ اسلام'' کو اپنا خطابی موضوع بنا رکھا ہے جب کہ ''تاریخ'' اور چیز ہے اور ''اسلام'' اور چیز۔ احکامِ الٰہی کا مجموعہ قرآن

Marfat.com

پاک ہے جس کی تشریح وتفسیر پر سیر حاصل گفتگو کرنے کی بجائے دیگر موضوعات پر لا حاصل بحث چھیڑ دی جاتی ہے۔

قرآن صامت ہے یعنی قرآن بولتا نہیں بلکہ اشاروں سے سمجھاتا ہے۔ سمجھنے والے بسا اوقات کچھ اور سمجھ لیتے ہیں اور اسی سے تفرقات پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن ناطق یعنی بولتا ہوا قرآن ہیں اسلئے جو تفہیم آپ رضی اللہ عنہ پیش کرتے ہیں کوئی اور نہیں کرسکتا۔ 10 برس کی عمر سے آیات قرآنی لسان علی رضی اللہ عنہ پہ جاری تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے علم یوں عطا کیا جیسے پرندے اپنے بچوں کو چوگ دیتے ہیں۔

یہاں ''چوگ'' کا لفظ بڑے لطیف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ دیگر جاندار بھی اپنے بچوں کو غذا دیتے ہیں جس کے لئے وہ پہلے خود غذا لیتے ہیں جو جزو بدن بنتی ہے۔ پھر اس سے بننے والے دودھ سے بچوں کی پرورش ہوتی ہے۔ مگر چوگ کی صورت میں ایک پرندہ جو کچھ پاتا ہے اسی خالص حالت میں اپنے بچوں کو دے دیتا ہے۔

زیر نظر کتاب دورِ عثمانی کے فتنوں اور ان سے پیدا ہونے والے حالات سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا مفید رہے گا۔ پروفیسر دلاور خان رحمانی تعارفِ عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

ترجمہ: ''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری، اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ

Marfat.com

سے راضی ہیں اور اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) ان کیلئے ایسی جنتیں
تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور وہ) ہمیشہ ان
میں رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے"۔

(سورۃ التوبہ آیت 100)

آیت مبارکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص وہ سابقون الاولون جنہوں نے ابتدا میں نور اسلام سے اپنے سینوں کو منور کیا، یہ اُن کی عظمت و رفعت اور بلند مقام پر روشن دلیل ہے۔ انہی عظیم المرتبت ہستیوں میں تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عثمان، کنیت ابو عبداللہ، لقب ذوالنورین (یعنی دو نوروں والا) ہے۔ والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔

اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کی نانی بیضاء اُم الحکیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہجرت سے 47 سال قبل عام الفیل کے چھٹے سال مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اعلان نبوت کے وقت مکہ مکرمہ میں کل 70 افراد تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش کپڑے کی تجارت تھا۔ صداقت شعاری، دیانت داری اور راست بازی کی وجہ سے آپ کا لقب "غنی" ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ 34 سال کے تھے جب امام کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر توحید کا نعرہ بلند فرمایا تو رمز شناس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جانشین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یار غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغی مساعی کے ثمر کے طور پر آپ رضی اللہ عنہ چوتھے فرد تھے جنہوں نے توحید ربانی اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی اختیار فرمائی۔ اسلئے آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اسلام کی ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں خالق کائنات نے السابقون الاولون کا مقام عظمت بیان فرمایا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی مکہ مکرمہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر نور نظر سیّدہ رقیہ سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادہ عبداللہ تولد ہوئے جو صغیر سنی میں ہی اپنے ربّ

Marfat.com

سے جا ملے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی خاطر دو مرتبہ ہجرت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ پہلے حبشہ اور بعد ازاں مدینہ منورہ جو آپ رضی اللہ عنہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آپ کا بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وطن ٹھہرا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اہل ایمان ابھی سکھ کا سانس بھی نہ لینے پائے تھے کہ کفار مکہ نے بدر کے میدان میں بے سروسامان جانثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو للکارا۔ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ بعض نوعمر بھی جاں بازی و سرفروشی کیلئے میدان جہاد کی طرف رواں دواں تھے۔ تاہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا کہ آپ میری بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کیلئے مدینہ میں ہی ٹھہرے رہیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کفر و اسلام کے اس پہلے معرکے میں شرکت نہ کر سکے۔ عجیب منظر تھا کہ اہل ایمان فتح و نصرت الٰہی کے مژدہ جاں فزا کے ترانے گنگنا رہے تھے کہ یہاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بتقاضائے بشریت عالم فنا سے دارالبقا کی جانب روانہ ہو گئیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کامیاب و کامران مدینہ لوٹے تو بیٹی کی جدائی کا صدمہ منتظر تھا۔ صبر و رضا کے عظیم پیکر نے اناللہ پڑھا اور عدم شرکت کے باوجود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تاکہ کوئی طعنہ نہ دے سکے بلکہ ظاہر فرمادیا کہ حکم محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہی اصل مقصود ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کی تیمارداری بمثل جہاد کر رہے تھے۔ بعد ازاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی آپ رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا، جن سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور چند برس بعد وہ بھی خالق حقیقی سے جاملیں۔ اس موقع پر زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد ہوا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیتا۔ یہ الفاظ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حد درجہ اعتماد، محبت و شفقت اور قربت و یگانگت کے اظہار کیلئے کافی ہیں۔ تب سے آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین پڑ گیا۔

تاریخ میں یہ شرف صرف آپ کو حاصل ہے کہ کسی پیغمبر نے اپنی دو بیٹیاں کسی کے عقد میں دی ہوں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور شاندار اسلامی خدمات تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی دولت اسلام کیلئے وقف تھی۔ بئر رومہ، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا، مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

''جو یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کرے گا، میں اسے بہشت کی بشارت دیتا ہوں''۔(۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے نصف کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ ایک دن اس سے یہودی پانی بھرتے اور ایک دن مسلمان پانی بھرتے، تاہم کچھ عرصے بعد یہودی نے آٹھ ہزار درہم میں بقیہ حصہ بھی فروخت کر دیا۔ سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا جو آج بھی آپ رضی اللہ عنہ کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ اسی طرح مسجد نبوی کی تعمیر کیلئے زمین آپ رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کر کے خریدی اور وقف کر دی جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔ آپ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ ہر موقع پر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کیلئے پیش پیش رہے۔ انفاق فی سبیل اللہ اور سخاوت وایثار میں آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ غزوہ تبوک اس وقت کی سپر پاور رومیوں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ تھی جسے ''جیش العسرہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ سخت گرمیوں کا موسم، فصلوں کی تیاری، وسائل کی انتہائی کمی اور مدِ مقابل دشمن ہر طرح کے سامان حرب سے لیس، ایک جانب کفر کا لشکر جرار اور دوسری طرف مسلمانوں کی معاشی، مالی اور دفاعی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔

اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان فرماتے ہیں کہ جس کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کے راستے میں پیش کرے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھلا کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ راہ خدا میں نذر کیے۔ دوسری روایت کے مطابق ستر ہزار درہم دیئے۔ ایک روایت کے مطابق ایک ہزار اونٹ، کئی ہزار گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے اور سات سو اوقیہ سونا بھی دیا۔ اس موقع پر زبان اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہوا:

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث: 2778، سنن النسائی رقم الحدیث: 3638، فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر :408/2

Marfat.com

"آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) کا کوئی عمل انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔(۱)

آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ شرکت فرمائی۔ آپ "حجتہ الوداع" میں بھی شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ عالم اسلام کے پہلے سفیر بن کر کفار مکہ کی طرف گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے قتل کی افواہ پر ایک درخت کے نیچے 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس پر بیعت لی کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ لیے بغیر نہیں جائیں گے۔ قرآن میں یہ واقعہ یوں بیان ہوا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ج فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا.

ترجمہ: "بے شک، جن لوگوں نے آپ اسے بیعت کی، تحقیق وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو عہد توڑے تو عہد توڑے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم عطا کرے گا"۔ (سورۃ الفتح، آیت 10)(۲)

آپ کے فضائل مناقب احادیث وکتب سیرت میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محرم الحرام 24ھ میں تیسرے خلیفہ منتخب کیے گئے۔ خلافت کے بعد پہلا خطبہ دیتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لوگو! تم سب دار مسافرت میں ہو، عمر کا جو حصہ باقی ہے، بس اسے

---

۱. سنن الترمذی رقم الحدیث:3700،مسند احمد بن حنبل :75/4،مسند ابو داوٗد للطیالسی رقم الحدیث: 1189،شرح السنة للبغوی رقم الحدیث: 3904 ،مشکوٰة المصابیح رقم الحدیث:6072، تاریخ دمشق لابن عساکر :110/1

۲. (زاد المعاد لابن قیم 291/3،فتح الباری شرح صحیح بخاری:48/10)

Marfat.com

پورا کرنے والے ہو، اس لئے تم زیادہ سے زیادہ جو نیکی کر سکتے ہو، اپنے مقررہ وقت سے پہلے اسے کر گزرو، بس یہ سمجھو کہ موت اب آئی یا جب آئی، بہر حال اسے آنا ضرور ہے۔ خوب سن لو کہ دنیا کا سارا تار و پود ہی مکر و فریب سے تیار ہوا ہے۔ اس لئے دیکھو، کہیں تمہیں یہ دنیا کی زندگی دھوکا نہ دے جائے اور اللہ سے تمہیں غافل نہ کر دے۔ لوگو! جو لوگ گزر گئے ہیں، ان سے عبرت حاصل کرو اور ہاں سعی اور جدوجہد کرو، غفلت نہ برتو، کیوں کہ تم سے غفلت نہ برتی جائے گی۔ کہاں ہیں وہ ارباب دنیا جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی؟ اسے آباد رکھا اور اس سے ایک مدت تک بہرہ اندوز ہوئے۔ کیا دنیا نے ان لوگوں کو اپنے اندر سے باہر نہیں نکال پھینکا؟ تم دنیا کو اسی مقام پر رکھو جس پر خدا نے اسے رکھا ہے اور آخرت کی طلب کرو۔ اللہ نے دنیا کی اور جو چیز خیر ہے، اس کی مثال اس طرح بیان کی ہے، اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ لوگوں کو بتا دیجیے کہ دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی جیسی ہے جسے ہم آسمان سے نازل کرتے ہیں"۔(۱)

آپ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت 12 سال ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں جہاں اسکندریہ، لیبیا، تیونس، آرمینیا، آذربائیجان، الجزائر، مراکش، قبرص، رہوڈوس، رومیوں پر فتح اور ایران میں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا تھا۔ یزدگرد کی بغاوتوں پر قابو پالیا گیا۔ اسی طرح طبرستان، خراسان، ہرات، سیستان، کابل اور نیشاپور فتح کیے گئے۔ آپ نے مصحف عثمانی کے ذریعے اُمت کو ایک قرآن پر جمع کیا۔ اس لئے آپ کو (جامع القرآن) بھی کہا جاتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دولت مند تھے اس لئے اپنے رشتے داروں کی مدد کیا کرتے

---

۱. تاریخ الامم والملوک للطبری :270/3

Marfat.com

تھے جس پر مخالفین نے اقربا پروری کے الزامات عائد کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی نے شر پسندوں کے حوصلے بڑھائے۔ یہودی اور مجوسی انتشار پھیلانے میں پیش پیش تھے۔ ابن سبا کی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ کوفہ اور بصرہ کے باغیوں نے دیگر لوگوں کو ملا کر بغاوت کا بازار گرم کیے رکھا۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں جو حج کے موسم کی وجہ سے پہلے ہی تقریباً خالی تھا۔ باغیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ کئی دن تک اسلام کا محسن مفسدوں کے ہاتھوں بھوک و پیاس کی شدت اور محصوری کے عالم میں رہا۔ وہ کنواں جو آپ رضی اللہ عنہ نے خرید کر وقف کیا تھا اس کا پانی بھی بند کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ لاکھوں مربع میل کے امام و حاکم ہونے کے باوجود کسی کارروائی سے گریزاں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خون بہانے والا پہلا شخص نہیں بننا چاہتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حفاظت پر مامور کیا، تاہم باغی عقبی دیوار سے اندر گھس گئے اور تلاوت قرآن کرتے ہوئے روزے دار امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور آپ کی اہلیہ سیدہ نائلہ کی انگلیاں کاٹ دیں۔ جمعہ 18 ذی الحجہ 35 ہجری کو یہ المناک واقعہ رونما ہوا اور دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ناشرِ قرآن، خلیفۂ ثالث، سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا سورج غروب ہو گیا۔

اس بعد عالم اسلام بالعموم اور مسلمانان حجاز کی نگاہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ انہوں نے بڑے اصرار کے بعد خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کی حامی بھری۔ اس وقت کے دگرگوں حالات کو مثبت سمت میں تبدیل کرنا اس وقت کوئی آسان بات نہ تھی۔ تاہم اس وقت امت مسلمہ کی بیچ منجدھار پھنسی ہوئی کشتی کو نکالنا کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرحان خان پسروری اپنے سیر حاصل مضمون میں لکھتے ہیں:

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ خوارج کا پیدا کر دیا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا، لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا سیاسی مذہب یہ قرار دیا تھا "ان

Marfat.com

الحکم الا اللہ'' یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہیے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے۔ لہٰذا وہ کوفہ اور دمشق میں قائم دونوں متوازی حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام کا شیرازہ بکھیر دیں گے اور انہوں نے ایسا کر ڈالا۔ عمرو بن بکر تمیمی نے کہا:

''میں حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ ''فتنہ'' کی متحرک روح ہے''۔

برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا:

''میں معاویہ بن ابوسفیان کو قتل کر دوں گا، کیونکہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے''۔

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام سے دل تھراتے تھے، بالآخر عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی:

''میں علی (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دوں گا۔''

ان ہولناک مہموں کیلئے 17 رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ دو پہلے خارجی اپنی مہم میں ناکام رہے لیکن تیسرا خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم کامیاب ہو گیا۔ مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔

ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ انہی میں ایک خوبصورت قطام بنت شجنہ بھی تھی۔ ابن ملجم اس پر عاشق ہو گیا۔ سنگ دل نازنین نے کہا:

''میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں وہ ادا کر''۔

ابن ملجم راضی ہو گیا۔ قطام نے اپنے حق مہر میں چار شرائط رکھیں:

''تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل''۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی دو مرتبہ بیعت کیلئے آیا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے لوٹا دیا۔
تیسری مرتبہ آیا تو فرمایا:

''سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے۔ واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے) ضرور رنگی جانے والی ہے''۔

کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے:

''تمہارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے اور انہیں مجھ سے راحت دے''۔

ایک دن خطبہ میں فرمایا:

''قسم اس پروردگار کی جس نے بیج اگایا اور جان پیدا کی۔ یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے۔ (اپنی ڈاڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟''

لوگوں نے عرض کیا:

''امیر المومنین! ہمیں اس کا نام بتایئے ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے''۔

فرمایا:

''تم ایسے آدمی کو قتل کرو گے جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا ہے''۔

عرض کی گئی:

''تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے''۔

فرمایا:

''نہیں میں تمہیں اسی حال میں چھوڑ جاؤں گا جس حال میں تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ گئے تھے''۔

Marfat.com

لوگوں نے عرض کیا:

''اس صورتحال میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟''

فرمایا:

''کہوں گا، خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں، تو چاہے تو ان کی اصلاح کر دے اور چاہے تو انہیں بگاڑ دے''۔

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیز اُم جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ شہادت سے چند دن پہلے میں آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دُھلا رہی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سر اٹھایا پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا:

''حیف تجھ پر! تو خون میں رنگ جائے گی''۔

آپ رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر عرض کی:

''ہوشیار رہئے کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کی فکر میں ہیں''۔

یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے۔ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگاتے دیکھا اور اس سے کہا کہ مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔

اس نے تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ انہوں نے کہا:

''تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ زمانہ جنگ نہیں ہے''۔

عبدالرحمٰن نے کہا:

''میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں''۔

اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا:

''آپ ابن ملجم کی جرأت وشجاعت سے واقف ہیں؟''

آپ نے جواب دیا: ''لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے''۔

Marfat.com

اقدام قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنے ساتھ شریک کار بنالیا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے۔ اس رات امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو نیند نہیں آئی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سحری کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا:

''فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے میں نے بڑی تکلیف پائی۔ فرمایا، دعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دے دے۔ اس پر میں نے دعا کی۔ خدایا مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے''۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اسی وقت ابن البناح موذن بھی حاضر ہوا۔ میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ ابن البناح آگے اور میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا: ''لوگو! نماز۔'' روزانہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کیلئے مسجد میں آنے کیلئے جگاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ جونہی آگے بڑھے۔ دو تلواریں چمکتی نظر آئیں اور ایک آواز بلند ہوئی:

''حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی (رضی اللہ عنہ) تیری''

شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر لگی اور دماغ میں اتر گئی۔

تو پکارے: ''قاتل جانے نہ پائے''۔

لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شبیب تو نکل بھاگا، عبدالرحمٰن نے تلوار گھمانا شروع کر دی اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اس

Marfat.com

پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا۔

امیر المومنین گھر پہنچائے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قاتل کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے آیا تو فرمایا:

''او دشمن خدا! کیا میں نے تم پر احسان نہیں کیے تھے؟''

اس نے کہا: ''ہاں''

فرمایا: ''پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟''

کہنے لگا:

''میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے''۔

فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا اور خیال کرتا ہوں کہ تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے''۔

امیر المومنین نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''یہ قیدی ہے، اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا دو اور نرم بچھونا دو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہوں گا۔ قصاص لوں گا یا معاف کر دوں گا اگر میں زندہ نہ رہا تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا''

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا:

''اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو۔ جس طرح اس نے مجھے مارا، لیکن معاف کرو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، دیکھو زیادتی نہ کرنا، کیونکہ خدا تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے''۔

Marfat.com

پھر آپ رضی اللہ عنہ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا:

''خدانخواستہ اگر ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو کھو دیا تو کیا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو''۔

پھر اپنے صاجزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

''میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا، اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اس پر نہ کڑھنا۔ ہمیشہ حق بات کرنا، یتیم پر رحم کھانا۔ بیکس کی مدد کرنا، آخرت کیلئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا، مظلوم کے حامی بننا، کتاب اللہ پر چلنا، خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا''۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تیسرے صاجزادے محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا:

''جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی، تو نے حفظ کر لی؟''

انہوں نے عرض کی: ''جی ہاں۔''

فرمایا:

''میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں۔ نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا، ان کی اطاعت کرنا، بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا''۔

پھر امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی

Marfat.com

ہے،، تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے''۔

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی:

''یہ علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کی وصیت ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔ اس کا شریک نہیں۔ اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسن رضی اللہ عنہ! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا تو اسلام پر ہی مرنا۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو کیونکہ میں نے ابو القاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا، روزہ نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو۔ ان سے بھلائی کرو، خدا تم پر حساب آسان کردے گا اور ہاں یتیموں کا خیال رکھو۔ ان کے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں اور دیکھو تمہارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو کیونکہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے، شاید انہیں ورثہ میں شریک کردیں گے اور دیکھو قرآن، ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے میں کوئی تم پر بازی لے جائے اور نماز، کیوں کہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اور تمہارے رب کا گھر، اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوۃ پروردگار کا

Marfat.com

غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے اور ہاں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمی، (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو کہ ان پر تمہارے سامنے ظلم ہو اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی، یاد رکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے اور فقراء و مساکین انہیں اپنی روزی میں شریک کرو اور غلاموں کا خیال رکھنا، خدا کے بارے میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہ کرو گے تو خدا تمہارے دشمن سے تمہیں محفوظ کر دے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو، میٹھی بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوڑنا، ورنہ وہ تمہارے اشرار تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔ باہم ملے جلے رہو، بے تکلف اور سادگی پسند رہو۔

خبردار! ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا، نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرنا، خدا سے ڈرو، کیوں کہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

اے اہل بیت! خدا تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر قائم رکھے۔ میں تمہیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارے لئے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں''۔

اس کے بعد کلمۂ شہادت پڑھا اور ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کر لیں۔ زید بن حسین سے مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مدینہ منورہ میں پہنچی، سنتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو۔ بالکل قیامت صغریٰ کا منظر درپیش تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم وصال پر دیکھا گیا تھا۔

جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

''چلو، اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھیں کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کی شہادت کی خبر سن کر اُن کا کیا حال ہے؟''

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''سب لوگ ہجوم کر کے اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ انہوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال اور آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے''۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دوسرے دن مشہور ہوا اُم المومنین رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر پر جا رہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین اور انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے۔ مگر ام المومنین رضی اللہ عنہا نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں اور نہ بولتی تھیں۔ شدت گریہ سے زبان بند تھی۔ دل تنگ تھا۔ چادر نہ سنبھلتی تھی، بار بار پاؤں میں الجھتی تھی اور آپ رضی اللہ عنہا لڑکھڑا جاتیں بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں اور دلگیر آواز میں عرض کی: 'اے نبی ہدایت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!، تجھ پر سلام، ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ پر سلام، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کی شہادت کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنانے آئی ہوں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں۔ بخدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چنا ہوا عزیز، منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہو گیا ہے۔ جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی، واللہ قتل ہو گیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اترا۔ میں رونے والی غمزدہ ہوں۔ میں اس پر آنسو بہانے والی اور دل جلانے والی ہوں۔ اگر قبر کھل جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

کی زبان مبارک بھی ہمنوا ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عزیز ترین اور
افضل ترین وجود قتل ہو گیا''۔

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا: اب عرب جو چاہیں کریں کوئی انہیں روکنے والا باقی نہیں رہا۔

بشارت محمود میرزا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاست اور خلافت پر اپنے انداز میں تبصرہ کرتے ہیں اور انہوں نے اس حوالے سے کچھ نئے گوشے بھی وا کرنے کی کوشش کی ہے:

کہتے ہیں کہ ابوسفیان سفر سے آ رہا تھا۔ اس نے ایک عورت سے ایک عورت کیلئے خواہش کی۔ ''واسطہ'' نے اس سے ایک لونڈی کا تعارف کرواتے ہوئے پسندیدگی معلوم کی۔ ابوسفیان کا یہ جواب زیر غور ہے ''اگر چہ اس کی چھاتیاں پچکی، اس کے توند لٹکی ہوئی ہے...... ٹھیک ہے'' اس نے آمادگی ظاہر کر دی۔ یہ لونڈی شاید سمیعہ تھی۔ اس کے ہمراہ شب خواب ہوا۔ لونڈی کو حمل رہ گیا۔ ایک لڑکا تولد ہوا۔ زیاد نام تھا۔ ذہین، فصیح اور نامور ہوا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے تحسین سے دیکھا تھا اور اس کے قریشی ہونے کی امید ظاہر کی تھی۔ اس کا لڑکا عبیداللہ بن زیاد گورنر کوفہ سفاک شخص گزرا ہے۔ جسے یزید نے عمر بن سعید کی بجائے کوفہ بھیجا تھا اور اس کی خواہش اور دباؤ سے کربلا کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس پس منظر کے ساتھ میرے لئے یہ سارا افسانہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے کئی بار دیکھا کہ زیاد نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اخوت منوانا چاہی اور معاویہ رضی اللہ عنہ مسکرا دیتے تھے، سیاست کی مصلحتوں سے آخر انہوں نے برادری کو قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن یہ سب احوال مجھے مطمئن نہیں کرتے۔ بہت ناموروں کی ولدیت مجہول ہوئی ہے اور وہ بزرگوار بھی شمار ہوئے ہیں۔ مگر زیاد کی صلاحیت ابن زیاد کی بدبختی نے ڈھانک دی اور اسے ناکردہ گناہ میں ڈھالیا۔

اب ذرا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ زیاد کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ زیاد خاصے قد کاٹھ کا آدمی تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

Marfat.com

''جب سے فارس میں زیاد نے قیام کیا ہے اور میری طلبی پر نہیں آیا ہے اس وقت سے رات کو جب یہ خیال آجاتا ہے تو مجھے رات بھر نیند نہیں آتی''۔

حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت تفویض کردی تھی۔ اور زیاد ان کے جیسے بااثر نہیں تھے لیکن یہ خلفائے حقہ کے مامور ہوئے والی تھے۔

تحکیم کا عہد نامہ لکھتے ہوئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین لکھنے لگے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کاتب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا صلح حدیبیہ میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھڑ کے سبحان اللہ'' آپ کفار سے ہمیں ملاتے ہیں حالانکہ ہم مومن لوگ ہیں''۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:'' ہم اور یہ لڑکپن سے بڑے ہونے کے بعد تک ایک ہی صحبت میں رہے ہیں لڑکپن میں یہ لوگ نہایت شریر لڑکوں میں سے تھے اور سن شعور کو پہنچ کر بھی بے حد شریر آدمیوں میں سے ہوئے افسوس ہے لوگ اس کو کیوں نہیں سمجھتے''۔

رہے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو جب ان کو بلوائیوں کی کامیابی اور شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا یقین ہو گیا تو اپنے لڑکوں محمد اور عبداللہ کے ہمراہ فلسطین چلے گئے۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد عورتوں کی طرح روتے ہوئے دمشق پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا حال سنا تو رنجیدہ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں عوام الناس کے ردعمل کا انتظار کیا۔ جب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے نکلنے کی اطلاع ملی تو ایک گونہ طبیعت میں شگفتگی آئی۔ اس کے بعد واقعہ جمل کی خبر آئی تو حالات میں تذبذب آ گیا۔ لیکن جب یہ سنا کہ والئی شام معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے مخالف ہیں تو خوشی سے اچھل پڑے۔ لڑکوں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کے بارے میں مشورہ کیا۔

عبداللہ بولا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ ان کے بعد شیخین نے دنیا سے کوچ کیا اور یہ سب تم سے راضی اور خوش گئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنا دامن بچاتے ہوئے اپنے گھر بیٹھے رہو۔ یہاں تک کہ امت کا کسی شخص پر اتفاق ہو جائے۔

Marfat.com

محمد نے رائے دی:

''تم عرب کے ممتاز عمائدین میں سے ہو۔ یہ امر کیسے متفق علیہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اس میں رائے اور دخل نہ دو''۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دونوں لڑکوں کی تقریر سن کر کہا:

''اے عبداللہ! تم نے مجھے ایسے امر کی ہدایت کی ہے جس میں میرے دین کی بھلائی ہے اور اے محمد! تم نے رائے دی ہے جس سے دنیا کی بہتری اور دین کی برائی ہے''۔

یہ کہہ کر مع اپنے دونوں لڑکوں کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔

یہاں میں نقد نہیں کرتا۔ میں ان حالات کو مجموعی منظر میں ملاحظہ کرتے ہوئے اعتماد کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے یہ بھی پڑھ رکھا ہے:

''جب حکمین کے جمع ہونے کا وقت آیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح بن ہانی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو چار چار سو کی جمعیتیں دے کر روانہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح کے ذریعے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا ''راستی اختیار کرو ایک دن تم کو مرنا ہے اور احکم الحاکمین کے پاس جانا ہے'' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پیغام سن کر سرخ ہو گئے بولے! ''تم کو مجھے مشورہ دینے کا کیا حق ہے''

(حالانکہ اہل ایمان اہل ایمان کو نصیحت کرنے کا حق رکھتے ہیں'')

مضافات دومۃ الجندل میں حکمین کی ابتدائی گفتگو میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو کچھ اپنے سلسلہ کلام میں کہا وہ ان کے منصب اور شہرت دونوں سے زیادہ تھا۔ سب منفی باتیں تھیں۔ تحریص اور ترغیب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لئے جس کا انہوں نے اپنی شان اور شہرت کے مطابق جواب دیا: ''میں اللہ کے کاموں میں رشوت نہیں لیتا'' خلاصہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دونوں صاحبوں کو باہمی

Marfat.com

اتفاق سے معزول کرنے کا اعلان کیا۔

میں نے جا بجا ادوار اور ان کے موثرات کی بات کی ہے تاریخ پر میرے انتقاد اور تبصار کی شکل وصورت میرے دور سے مماثل ہے۔ ہمارا دور جسے نوقبائلیت سے بھی کچھ بڑھ کر کہہ لینے کی رخصت ہے۔ اب میرے پاس ماضی کے مشاہیر کے اخبار پر اعتماد کی وجوہ ہیں۔ مگر انتقاد میں پیروی کی وجہیں موجود نہیں۔ خصوصاً سیاست، انتفاع، مدنیت اور ریاست کے امور اور انفرادی اور اجتماعی رویوں کے ضمن میں۔ تاریخ پر ہمارا اعتماد دراصل ہمارا ہمارے حافظے پر اعتماد ہے۔ لیکن تاریخی قضاوت پر اعتماد ہمیں ہماری ذہنی نارسائی کا یقین ہے۔ ہم اس ضعف کو کیسے چھپا سکتے ہیں جو ہمارے مشاہیر تاریخ کی سادگی پر مبنی زود باوری کی مبسوط یادگار بن کر ضخیم دفاتر میں بڑے پیانے پر بکھرا پڑا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہر نازک موقع پر بزرگ ناصحین کی ایک تعداد کی ملاقات کا زبردستی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوفہ کو روانگی ہو یا حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف قصد۔ یا مجلس تحکیم میں نسبتاً کم معروف تین چار عزام کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ یا کبھی اہل سطوت کسی عزیز ہستی کے استقلال فکر اور حریت کا واقعہ بنا لیتے ہیں۔ جیسے ہم پڑھتے ہیں ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ازراہِ مذاق عدی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مصاحبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنز کیا۔ عدی نے بگڑ کر کہا:

> ''واللہ وہ قلوب جن کے ساتھ ہم نے تم سے عداوت کی تھی ہمارے سینوں میں ہیں۔ بے شک وہ تلواریں جن کے ساتھ ہم تم سے لڑے تھے ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر تم ایک بالشت بھی بدعہدی کے ساتھ ہماری طرف بڑھو گے تو ہم برائی کے ساتھ تمہاری طرف پانچ ہاتھ بڑھیں گے۔ بلاشبہ موت کا خوف اور حالتِ نزع کی تکلیف ہمارے لئے آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے

Marfat.com

میں کوئی نا ملائم بات سنیں۔ اے معاویہ رضی اللہ عنہ! تلوار کی بو سے تلوار اٹھائی جاتی ہے''۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر کہا یہ باتیں نہایت صحیح ہیں (اسی پر بس نہیں نیز مشورہ دیا کہ تم ان کو لکھ لو)۔ کیا یہ کسی ایسے ہی موقعہ کی بات ہے یہ بیان ضرور بہت زور دار ہے لیکن یہ ایک معاند کا دوسرے معاند کی طرف مکتوب معلوم ہوتا ہے۔ مصاحبوں کی گفتگو نہیں۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ یہ روایت فرضی ہے۔ کسی اور موقع کی بات ہے ہاں یہ درست ہے کہ ایسا برجستہ بیان ضرور کسی مشتعل غیور ہی کا ہوسکتا ہے۔ یا جیسے عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ لوگوں نے تمہارے ہاتھ پر ان کے لڑکوں کو قتل کرنے کی بیعت نہیں کی تھی۔

میرے پاس صرف ایک دلیل ہے کہ جب خلافت منہاج نبوت سے ہٹ چکی تھی تو اخیار امت کی ناموزوں مقامات کی مصاحبت میں کیا سچائی رہ جاتی ہے۔ کیا یہ لوگ ہدایت اور نصیحت کیلئے موجود رہتے تھے۔ لیکن ان کی ہدایات اور نصیحتیں کہاں اثر پذیر ہوتی تھیں؟ یا ہم اخیار کے تشخص کے اعتبار میں مضطرب ہیں۔ یا ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اہل خیر اور صلحائے امت برابر اپنی کوششوں میں لگے رہے۔

میں نے اس سب روئیداد کا ایک خلاصہ اخذ کیا ہے۔ اہل تقویٰ گمان کی بجائے یقین کے لوگ تھے۔ دنیاوی امور میں ہر ناکامی ان کی طبیعت کی اسی تشکیل و تعمیر سے مربوط تھی۔ یہ ہمیشہ عدالت کے اصول پر عمل پیرا رہے اور اشرار اور اہل استکبار ان رعایتوں سے فرصتیں جمع کرتے رہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی سوجھ بوجھ ناکافی تھی ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا حلم اور درگذران کو روکے رکھتی تھی۔ جیسے ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنتے ہیں جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کو مشورے دیتے تھے اور عمل نہ ہونے پر مایوس ہوکر یاد دلاتے تھے:

''میں تمہارے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح نہیں ہوسکتا''۔

یا جیسے زیاد نے ابن عامر کو مشورہ دیا تھا۔ جب شورشیں ان کے دور میں بہت ہو

Marfat.com

گئی تھیں:

''نیام سے تلوار کھینچ لو''

ابن عامر کا جواب تھا:

''میں اپنے نفس کو خراب کر کے لوگوں کی اصلاح نہیں کروں گا''۔

یا ہم بعض اوقات بعض ناگواریوں کو مصلحتوں سے معاف رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے میں نے عدی بن حاتم کے واقعے پر تحفظات ظاہر کیے ہیں کیونکہ مجھے یاد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا ''عین حلمك عن حجر'' کیونکہ انہوں نے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو جو بڑے مرتبے کے بزرگ تھے محض مصلحتِ حکومت کی وجہ سے قتل کروایا تھا جب وہ کہتے تھے:

''اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی نماز اتنی مختصر نہیں پڑھی''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تاحیات ان کے قتل پر افسوس کرتی رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری تاریخ، ادب، ثقافت بلکہ کل فکر پر عجم کے اثرات بہت واضح ہیں۔ عجم جو ہمارے قدرتی رفیق ہیں۔ عجم جو اہل عرب سے نفرت کرتے انہیں حقیر سمجھتے تھے۔ عجم جنہیں خام بدوؤں کے ہاتھوں اپنی سطوت دیرینہ کھو جانے کا قلق تھا۔ خلافت راشدہ کے آخری دور میں اور پھر امویوں کے استحکام تک انحراف کی طرز کی کچھ ایسی بدصورتیاں بھی ظاہر ہوئیں جنہوں نے عجمی مؤقف کو تقویت فراہم کی۔

یہاں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ بلوائی جو پہلا بدنما داغ ہیں وہ کوفہ، بصرہ اور مصر کے لوگ تھے۔ نہ کہ سرزمین انقلاب حجاز کے باشندے۔ دوسرے شامی جو ضرور قوی گروہ تھے جنہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کی چشم پوشی، اغراض اور داد و دہش نے گرویدہ بنا رکھا تھا۔ ہم اگر یہ دلیل ان واقعات سے جو بہت مشہور ہیں اخذ کرنے لگیں تو ہم بہت صحیح فیصلہ نہیں کر سکیں گے۔ اصل میں ہوا یہ ہے اور یہ ابنِ خلدون کا بھی مؤقف ہے کہ ''اہل عرب نے فروغ اسلام کے زمانے میں بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیضیاب مہاجرین، انصار، قریش اور اہل حجاز تھے''۔ باقی عرب بنی بکرہ

Marfat.com

بن وائل، عبدالقیس، ربیعہ، ازد، کندہ، تمیم، قزاعہ وغیرہ اس شرف وعزت سے کچھ ممتاز نہ تھے۔ انہیں صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا تو نصیب نہیں ہوئی تھی یا پھر بہت کم (نصیب ہوئی تھی) مگر فتوحات میں انہی کا زیادہ حصہ تھا اسی وجہ سے وہ اپنے کو سابقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل اور اپنے حقوق کو فائق سمجھتے تھے۔ پھر جب مصلحتاً سلسلہ فتوحات رک گیا یا روک دیا گیا تو ان گروہوں نے محسوس کیا کہ ان پر حکمرانی تو مہاجرین وانصار کر رہے ہیں۔ یہ دل ہی دل میں کشیدہ ہونے لگے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں والئ کوفہ سعید رضی اللہ عنہ کی بجائے موسیٰ رضی اللہ عنہ کی امارت کا مطالبہ ہوتا ہے اور مان بھی لیا جاتا ہے پیشکش یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر تم لوگ امن سے رہو تو میں روز امیر بدلنے پر راضی ہوں۔ تو یہ مومنانہ چشم پوشی اور حلم کی مثالیں ہیں جنہوں نے گنواروں اور عاقبت نا اندیشوں کو جرائتیں کرنے کی شہہ دی تھی۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سازشیں کوفے، بصرے اور مصر میں پھوٹی ہیں۔ شام میں نہیں اور حجاز تو خدا ترسوں کی سرزمین بالکل ہی پُر امن اور باقاعدہ معاملہ کرتی رہی ہے۔ جبھی شرفا اور رؤسا سازشوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ اشتر نے جمعہ کے دن مسجد سے باہر کھڑے ہو کر تقریر کی تھی۔ ہم اس میں اشراف عرب سے نفرت کی بو سونگھتے ہیں۔ اشتر نے اس تقریر میں یہ جملہ بھی کہا تھا ''یز عم ان فیکم بستا ن قریش'' ان جاہلوں کو اس بات پر بھی غصہ تھا کہ اشراف عرب اور صلحا ان کی تائید کیوں نہیں کرتے۔ اہل دین اور حریت مسلسل اپنا منصبی کردار ادا کرتے رہے۔ جیسے معاویہ رضی اللہ عنہ اور صعصع میں ہم تلخ کلامی اور بحث مباحثہ پڑھتے ہیں۔

اب رہا وہ ہتھیار جو عجم کے ہاتھ عربوں کی بے شرفی کا ثبوت ہے۔ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ ہے۔ میں صرف یہاں اس آخری واقعہ پر کچھ بحث کرنا چاہوں گا۔ لیکن ابتدا اس پارینہ الزام سے ہے جو عجمی مؤقف کی بڑی سند ہے۔ یہ سب واقعات سمیت واقعہ کربلا کے سرزمین عرب میں ہوئے۔ یہ زمینی سچائی ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ اہل خیر شدید دباؤ کا شکار رہنے لگ گئے تھے، متکبر اشرار سرگرمی سے جانشین ہونے کیلئے موجود رہتے تھے اور یہی وہ برائی ہے جس سے حفاظت

Marfat.com

سے رہنے میں ہماری کل تگ ودو ہے۔ عمر بن سعید پر عبید اللہ بن زیاد کا دباؤ ایسا ہی ایک ثبوت ہے۔

اور اب وہ واقعہ کربلا جس نے ساری امت کو گہرے طور پر ملول کر دیا ہے۔ اب کوئی بھی مومن اس واقعہ پر حقارت اور نفرت کو چھپا نہیں سکتا۔ اسی ایک واقعے نے ہماری ملّی تاریخ کو بہت متنازعہ بنا دیا ہے ہر ہر شعبے میں خالص کے ساتھ اتنا کچھ نا خالص در آیا ہے اور ایسے ایسے واسطے ایجاد اور ایسے ایسے اقوال سامنے آئے کہ تحقیق پس و پیش کے مرحلے سے گزر نہیں سکتی۔

میں نے کتاب میں ایک جگہ لکھا تھا:

''حسین رضی اللہ عنہ لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ جی ہاں! حسین رضی اللہ عنہ لڑنا نہیں چاہتے تھے حسین رضی اللہ عنہ کوفہ نہیں آغاز سفر میں مکہ جا رہے تھے کہ مدینہ میں ان پر بیعت کے لئے دباؤ آ پڑا تھا۔ اور دباؤ بھی بیعت یزید کا۔ اگر یہ بات مجھے یاد ہے تو حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اچھی طرح یاد تھی کہ ان کے ناراض ہوا خواہوں نے آپ کے بھائی کے ساتھ کیا برا سلوک کیا تھا۔ جب ان کے خیمے میں گھس کر ان کا اسباب لوٹا تھا۔ یہاں تک کہ وہ چادر بھی جو آپ رضی اللہ عنہ نیچے بچھائے اور کچھ اوپر لئے تشریف فرما تھے۔ روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ کم بختوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی ران میں نیزہ بھی چبھو دیا تھا۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ صرف مصالحت اور مہلت کا موقعہ دیکھ رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کسی مستقبل کی آسانی کی امید کر رہے تھے کہ ڈھیل اور چھوٹ سے صورتیں نکل ہی آیا کرتی ہیں۔ مکہ میں آپ رضی اللہ عنہ امن سے رہ رہے تھے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے پرانے حب دار آپ کی راہنمائی میں رہنے کیلئے بے تابی دکھا رہے تھے۔ بہت خطوط اور الحاح کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے احتیاط کرتے ہوئے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو حقائق

Marfat.com

معلوم کرنے اور خبر دینے کے لئے بھیجا۔ اب راستے میں جو گزری وہ بہت سی تاریخ کی کتابوں میں میں نے دیکھی ہے اور یہ سب آثار عوام و خواص کے مورد اعتماد ہیں۔ مگر میرے بہت موارد میں تحفظات ہیں۔ من جملہ یہ کہ راہبر جو تعداد میں دو تھے دونوں راستہ بھول گئے۔ مشکل سے راستہ ملا لیکن پانی ختم ہو گیا۔ جی ہاں میں جانتا ہوں پانی ہمیشہ بہت دشوار گھاٹیوں میں پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیرابی کے سارے سوتے کٹھنائیوں سے پھوٹتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں راہبر شدت پیاس سے ہلاک ہو گئے۔ انہی مقامات سے مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل نے مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ سے رابطہ بحال رکھا اور نامہ و پیام ہوتا رہا اور اسی مضمون میں اور بہت لطائف ہیں جو واقعات نہیں لگتے۔ مثلاً جب مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان وجوہ کو دیکھتے ہوئے مجھے بدشگونی معلوم ہوتی ہے۔ تو حسین رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ پر بنیاد کرتا جواب لکھا: ''تو بھی بزدل ہے اور تیرا باپ بھی بزدل تھا'' سفر جاری رکھو۔ ایسا لگتا ہے حسین رضی اللہ عنہ امامت کے لئے بہت پرجوش تھے۔ اس کے علاوہ راستے میں آپ کو کون کون ناصح نہیں ملا جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ جا رہے تھے اور ہر ملاقات کرنے والے نے کیا کیا نقشے نہیں کھینچے۔ ایسا لگنے لگتا ہے کہ یہ سب حضرات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بہت فہمیدہ تھے، تمام ناگواریاں جن کو انہیں یاد دلایا جا رہا تھا وہ سب ان کی ذات پر سے ہو کر گزریں تھیں۔ یہ محبوب رسول خاتمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین رضی اللہ عنہ کہہ کر پکارتے تھے بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ ان رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ نہ مدینہ ان کے لئے محفوظ ہے اور نہ مکہ ان کو امن دے سکتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ مطلوب شخص ہیں جن کا احترام سب سے بڑھ کر ہے۔ ان کو

Marfat.com

ضرور مطیع بنایا جائے گا اور ان سے کسی صورت درگذر نہیں کی جائے گی۔ کوفہ میں شاید ان کے پاس مضبوط جماعت بن جائے یا کہیں بھی جہاں وہ نہایت مکروہ مرحلے سے نکل جائیں۔ انصاف کی بات تو یہی ہے ناں کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کر لیں تو زمین اور آسمان کے درمیان سانس لینے کیلئے ایک سانس کے جتنا خلا بھی کیوں رہ جائے''۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو واقعات گزرے میں ان کی تفصیل لکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن جو لوگ عدی بن حاتم کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں پرشکوہ جواب اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی تسلیم کی دلیل لکھتے ہیں وہ ہانی بن عروہ کے جو ابن زیاد کے روبرو دھمکی پر مبنی دعوے ہیں ان کو سچ ثابت اور واقع ہوتے کیوں نہیں دیکھتے۔ حالانکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور زیاد میں حیثیت کا فاصلہ شام اور کوفے کے فاصلے سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ جب میں نے لکھا تھا کوفہ اور بصرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بسائی ہوئی فوجی چھاؤنیاں تھیں اور یہاں گھاٹ گھاٹ کے لوگ جمع تھے۔ تو یہاں عصبیت پر بنیاد کرتی مضبوط حمایت تلاش نہیں کی جاسکتی تھی تو وہ غلط نہیں تھا ان شہروں کے سارے واقعات بے شرفی اور بے شرمی کے غماز نگاہ پڑے ہیں۔

اب وہی بات کہ حسین رضی اللہ عنہ لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن انہیں لڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ حر آپ کو زیاد کے حکم کے مطابق مجبور کر کے کربلا کے مقام پر لے آیا۔ میرا استنباط یہ ہے کہ اگر مسلم رضی اللہ عنہ اور ابن مسہر اور ایک تیسرے جن کا نام مجھے یاد نہیں آ رہا شہید نہ ہوتے تو حسین رضی اللہ عنہ نہ لڑتے۔ حسین رضی اللہ عنہ نہ لڑتے...... تو کیا بعد میں ان سے کبھی تعرض نہ ہوتا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا تاریخ کا مزاج دان ہاں میں جواب نہیں دے سکتا۔ بے شرفوں اور بے شرموں کی عمل داری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے کوئی گوشۂ امن نہیں تھا۔ آپ ایک غیور عرب کی طرح لڑے۔ قابل فخر بات یہ ہے کہ مردانہ وار لڑے۔ ایک زندہ شخص کسی طرح کے بھی حالات زندگی میں جتنی مشکلات و آلام دیکھ کر لڑتا ہے اس سے بڑھ کر دیکھ اور جھیل کر لڑے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دلیرانہ اور احساس سپاسِ جان نثاران کے ساتھ

Marfat.com

لڑے۔ معزز اور شریف عربوں کی شہرتِ دیرینہ کا بھرم رکھتے ہوئے لڑے۔ لڑے اور اپنے عظیم باپ کی بات کا پاس کرتے ہوئے لڑے ''کمینے شخص کے آگے الحاح نہیں کرنی چاہیے'' اہل حریت وحمیت دوستوں اور جان نثاروں کی وفاؤں کو ایسے ہی قبولیت عطا کرتے زندگیوں اور حرمتوں کا خراج دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو جملہ مردانگی کی جسارتیں، اخلاق کی قدرتیں، عصبیت کی لطافتیں اور نازک تقاضے تھے ان کو ایفا کر کے لڑے۔ اللہ راضی ہو ان سے اور ان کے اصحاب سے اور ان کے جان نثاروں سے اور ان سے بھی جو ان سے حقیقی محبت کرنے والے ہیں۔

رہے واقعات معرکہ کربلا تو وہ انسانی مجبوریوں کی داستان ہے جب اس کا رخ لشکر کوفہ کی طرف موڑ کر دیکھا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی تعداد جان نثاران کے روبرو ایک بڑا لشکر، اتنا بڑا لشکر کہ ہر بار اس بدبخت گروہ میں سے ایک پکار کر کہتا:

''تمہارے مقابلے میں یہ تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ تم اگر ایک ایک کنکری بھی اٹھا کر مارو تو یہ سب ان میں دب کر ہلاک ہو جائیں''۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جھڑپیں تمام دن جاری رہتی ہیں یہاں تک کہ پچاس کے سن سے بڑھے ہوئے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوتے ہیں۔ اتنے چرکے کھا لینے کے بعد ایک بڑھتی عمر کا انبوہ آلام میں دبا پڑا شخص جس کو ابھی بہت دور دور تک اندیشے پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بہت دیر تک نہیں لڑ سکتا۔ لیکن ہماری یہ میراث وفا جاں نثاری کا جذبہ تو رکھتی ہے۔ جس کے آس پاس خیمے کے آگے جوان جگر گوشوں کی لاشیں حرم کے اندر پاک بیبیاں اور ذرا ذرا فاصلوں پر بہتر (۷۲) شہداء کے جسم رکھے ہوں۔ اور بعض کے جسموں پر ان کے سر بھی نہ ہوں وہ ہستی مبتلا کتنے انہماک سے لڑ سکتی ہے؟ جبکہ وہ جنگجو بھی نہ ہو۔ میں کہا کرتا ہوں کہ قوت تو غیرت مند کی رہائش ہے۔ جی ہاں ہمارے بطل جلیل نے لاشوں سے غیرت محسوس کی۔ اور اثنائے جنگ جو پلٹ کر کسی خیال سے ادھر دیکھا تو نیزا دھڑ میں اتر چکا تھا ذرا دیر بعد نہ سر، نہ کرتا نہ نعلین نہ تلوار۔ یہ عزیز مالِ غنیمت بٹ گیا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

Marfat.com

لیکن اس معرکے نے اتنا طول کیوں کھینچا میرا دل بھر آیا ہے۔ میں مختصر لکھوں گا۔ یہ سارے بد بخت مل کر بھی اس امر پر راضی نہیں ہوتے تھے کہ شنیع ترین امر اُن سے انجام پائے۔ ہر کوئی چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ ان اہل عصمت کے خون سے رنگین نہ ہوں۔ اسی مضمر تعامل نے واقعات کو بہت بڑھایا اور پھر جو مقرر ہو چکا تھا وہ ہو گیا۔ رہے نتائج جنگ تو وہ اس قدر ہیں کہ اس جھڑپ میں اہل کوفہ کے اٹھاسی آدمی ہلاک ہوئے۔ اہل بیت کے علاوہ تر پن جان نثارانِ حسین رضی اللہ عنہ۔ یہ اعداد و شمار خود اس دعوے کی گواہی دیتے ہیں یہ لشکرِ اعدا کی طرف سے نیم دلانہ جنگ تھی۔

عمر بن سعید پناہ حاصل کرنے کے بعد بھی مختار ثقفی کے حکم پر سر بریدہ ہوا اور عبیداللہ بن زیاد کو ابراھیم بن اشتر نے دولخت کیا۔ واقعہ کربلا کے بعد دس سالوں میں تقریباً تمام لشکریان کوفہ ذلت کے انجام پر پہنچ گئے اور یہ جو آپ ہمیشہ اہل حق کے معاندوں کی ایک بڑی تعداد کو ان کی قلیل تعداد کے مقابلے میں دیکھتے ہیں تو میرے صاحبو! میرا مشاہدہ ہے کہ سرسبز چراگاہوں میں ریوڑ چرنے بہت آتے ہیں۔ آپ اسی پر اس امر کو قیاس کر لو۔ واقعہ یہ ہے کہ بدعہدیاں اور بے اعتدالیاں ایسی بڑھ گئی تھیں کہ کسی کو کچھ فیصلہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی۔ کوئی اخلاقی قرارداد ایسی نہ تھی جو بحال رہ گئی تھی۔ جیسے مرگ یزید کے بعد حصین بن نمیر نے بڑی رازداری سے ابن زبیر کو اپنے ساتھ شام چلنے کی ترغیب دی تھی لیکن عبداللہ بن زبیر نے شاید ماضی کے انہی اندیشوں کے باوصف قبول نہیں کیا تھا۔ جب حصین بن نمیر لڑتے لڑتے تھک گیا تھا اور کسی نتیجے سے مایوس ہو چکا تھا اس نے ناگواری سے کہا تھا:

"میں تم سے چپکے سے تمہارے فائدے کی بات کہتا ہوں اور تم چیخ چیخ کر جواب دیتے ہو"

اور وہ بات بھی جو آپ کتاب میں پڑھیں گے۔ یہاں مجھے موزے تنگ کی وہ بات بھی یاد آ رہی ہے جب اس نے کہا تھا:

"اگر آپ کو اپنی طاقت کا اندازہ ہے اور اپنے دشمن کا بھی تو آپ

Marfat.com

ہزار سال تک بھی لڑ سکتے ہیں"

یہی حال زبیر اور نمیر کا بھی ہو چکا تھا۔

ایک موضوع خلافت اور شرائط حکمرانی کا بھی ہے جس پر میرے تذکار آپ پڑھیں گے۔ یہ وہ موضوع ہے جس پر جید لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ظاہر ہے میں ان سب باتوں کا احاطہ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن جو بات بہت مشہور ہے وہ اولوالامر کے انتخاب کا طریق کار ہے جس کو بعض لوگ جمہوری انداز حکمرانی سے ہم آہنگ کرتے ہیں اور انتخاب کا اختیار منتخب مجلس کو دے دیتے ہیں۔ اس میں اگر مناسب ترامیم کر لی جائیں تو یہ اسلامی روحِ حکمرانی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس مرحلے میں ہمیں منتخب نمائندوں کی روح اسلام کے مطابق ضروریات کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اگر ہم ایسا کر سکیں تو عوامی بے اطمینانی کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔ دوسرا طریقہ استدلال کہتا ہے کہ ہمارا طرزِ انتخابِ اولوالامر جمہوری کی بجائے شورائی ہے۔ یعنی واجد شرائط اصحاب کی کوئی مجلس جو آج کے دور میں ایک منظم مجلس ہو سکتی ہے اس ضرورت کو پورا کرے۔

اس کے علاوہ ایک تیسرا طریق انتخاب بھی ہو سکتا ہے کہ جس کے مطابق تمام قلمرو کے افراد چند امیدواروں میں سے کسی ایک ایسے اہل امیدوار کا انتخاب کریں جو آئینی نصب العینی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ لیکن جب ہم ایسی اہم ذمہ داری کسی ملت کے افراد کو سونپ دیں گے تو ملت سے مجموعی آگاہی کا سوال حل نہیں ہوگا۔ کم از کم آج کی صورت حال میں۔ ہمارے پاس جو نمونے کی مثالیں ہیں ان میں رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ہم نے ہنگامی طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب دیکھا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایسے شخص کو امورِ امت کا والی مقرر کیا جو ان کے اہلوں میں سے نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ اصحاب کی مجلس قائم کی کہ ان میں سے کوئی ایک اتفاقِ رائے سے خلیفۃ المسلمین منتخب ہو اور کچھ ہدایات دے دیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی اجتہاد نہیں تھا ایک گواہی تھی۔ جس سے زیادہ اعتبار کے تلاش کی کوئی وجہ پوچھی نہیں جا سکتی تھی۔ یہ مجلس اصحاب موجود عشرہ مبشرہ کی تعداد پر مشتمل تھی۔ جیسے تیسے

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلووں اور یورشوں کے نتیجے میں شہید ہو گئے۔ لیکن دباؤ اب بھی بحال تھا۔ اسی دباؤ کے دوران ایک اور انتخاب خلافت ہوا جس کے دوران بیعت مایوس کن واقعات پیش آئے۔

بلوائیانِ کوفہ و بصرہ و مصر نے اہل شہر کو عملاً یرغمال بنا رکھا تھا۔ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے محرک طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سب سے پہلے پھرے جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے سب سے پہلے میری بیعت نہیں چاہی۔ دونوں نے بتایا ہاں مگر ہمارے سروں پر تلوار تھی۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اہل بصرہ کی آرزو طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف، بلوائیانِ کوفہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے اور مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موید تھے۔ جبکہ اب تک کے چاروں انتخاب خاص مدینہ کے اندر خالص اہل مدینہ کی رائے سے عمل میں آئے تھے۔ چنانچہ ہم تاریخوں میں دیکھتے ہیں کہ ان انتخابات پر حجاز سے باہر کی مسلمان دنیا نے اعتراضات اور تحفظات داخل کروائے تھے۔ اگرچہ ان میں صرف ایسی ناراضی پائی جاتی تھی کہ اہم ترین امر میں کبھی ان سے رائے اور مشورہ نہیں لیا گیا اور کچھ مزاج بھی بدل رہے تھے۔ عرب جو کبرسنی میں مہارت اور فراست پہ ایمان رکھتے تھے اب اس کو ٹوکتے تھے۔ یہ دلچسپ تبدیلی تھی۔ یہ کیوں واقع ہوئی؟ ایک تو یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلفاء نے نوجوان والیوں کا کامیاب تجربہ کیا اور بہترین نگرانی بھی۔ چلیں کم از کم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حد تک۔ آپ کو یاد ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کا سوال کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ انہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ واقعہ یہی ہے پھر جواب بہت مزے کا دیا:

> ”لیکن وہ عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا ڈرتا تھا کہ جتنا اس کا غلام یرفا بھی اس سے نہیں ڈرتا تھا۔“

دوسری بات یہ ہے کہ اب فتوحات کی وسعت کی وجہ سے فراخی اور آسانی بہت آ گئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ قبل اسلام کا اجتماعی نظم بہت کچھ ٹوٹ گیا تھا جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ اہل حجاز دور دراز کے ممالک میں آباد ہو گئے اور دوسری قوموں اور خطوں کے تمدنوں اور

Marfat.com

عادات سے بہت اثرات بدوی ذہن میں داخل ہو گئے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت جگہوں پر باپ اور اولاد اور بھائی کے مقابلے میں بھائی متحارب دستوں میں آمنے سامنے تھے۔ اور کچھ اثر اس ذہنی حریت کا بھی تھا جو اسلام نے عطا کی تھی جو جس طرف حق دیکھے ادھر جھکاؤ ظاہر کرے۔ لیکن عملاً سیرابی اور منافع کے مواقع میں ہم نے دیکھا کہ یہ وزن زیادہ دہرایا گیا۔

میرا گمان یہ ہے کہ بعد شہادت عمر رضی اللہ عنہ امر خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سبقت تاریخ کے تمام بیانات کے باوجود بھی سن وسال کے ساتھ تھی، وگرنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان اور خدمات اسلام ضرور بہت زیادہ تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہت جلد ہی بعد میں عربوں کا یہ مزاج نہیں رہا تھا۔ جیسے طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو جب انہوں نے پوچھا تھا کہ عزلِ علی رضی اللہ عنہ کے بعد تم خلیفہ کس کو بناؤ گے بلکہ یہ تجویز دی تھی کہ تم عزل علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ابان بن عثمان کو بنانا جس کے قصاص میں تم آمادہِ جنگ ہو۔ دونوں کا جواب تھا:

"یہ کہاں ممکن ہے کہ اکابر وشیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر ایک نوعمر لڑکے کو خلیفہ بنادیں۔"

لیکن کیا یہ دونوں صاحب خود اختیار خلافت کے لئے مصمم تھے؟ میں ایسا کوئی جذبہ اگر موجود ہو بھی تو مکمل ہوتے ہوئے امکان کو نہیں دیکھتا کہ یہ حضرات خود بھی سمجھتے تھے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درجے کے لوگ نہیں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ میں نے ان اصحاب کے عزائم کو سمجھنے کے لئے تاریخ میں سفر نہیں کیا۔ ایک بات ضرور کہنا چاہونگا کہ یہ اعتراف تو ان حضرات کے دلوں میں بھی جاگزیں تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے درجے کے لوگ نہیں ہیں۔ شاید یہ لوگ اس ظن میں بھی گرفتار رہتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ حفاظتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں وسعت کے مطابق کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ بعد کے واقعات بتاتے ہیں یہ لوگ اس درجے کے ضرور تھے کہ جب ان کو ارشادِ پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتباہ کی جاتی تو یہ تسلیم ہو جاتے۔ جیسے آپ جنگ جمل کے واقعات میں

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا سامنا ہونے پر جو طرفین میں گفتگو ہوئی جب گھوڑوں کی گردنیں مل گئی تھیں تو یہ حضرات میدانِ جنگ سے رخصت ہو گئے تھے۔ پھر کسی طرح بھی نہیں پلٹے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی غیرت کو بھڑکانے کا بہت بندوبست بھی کیا۔ یہاں تک بھی کہا:

''تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چمکتے خود اور پھریروں سے ڈر گئے ہو''

یہ الگ بات ہے کہ وہ اس مہم سے سلامت واپس نہیں جا سکے۔

جنگ جمل جس نے دس ہزار افراد کی جان لے لی ٹل کر بھی نہ ٹلی۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی مہم کے سر کرنے کے سلسلے میں مکے سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ مکہ سے نکلتے ہی نماز کا وقت ہو گیا۔ مروان نے اذان دی پھر طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر پوچھا دونوں میں سے امامت کون کرے گا۔ ایک نے کہا میرا باپ دوسرے نے کہا میرا باپ۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے کانوں میں آواز پہنچی۔ مروان کے پاس پیغام بھیجا کیا تم ہمارے کام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہو۔ امامت میرا ابن اخت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کرے گا۔ یہ بہت دلچسپ بھی ہے۔ میں اس میں کچھ تلاش نہیں کرنا چاہتا۔ اگر کروں گا تو میں اپنی حد سے بڑھوں گا اس پر میں راضی نہیں ہوں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ جب کوئی امر مجہول ہو جاتا ہے یا بگڑ جاتا ہے تو آوازیں بہت سنائی دیتی ہیں۔ ایسا ہی ہم شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور امرِ علی رضی اللہ عنہ کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ واضح طور پر مہلت اور انتظار ایک حکمت عملی تھی۔ جو کامیاب حکمت عملی سمجھی جا سکتی تھی۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا دباؤ اور خلفشار میں سب امور پیش نظر نہیں رہتے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بلوائی آزاد پھرتے ہیں اور فساد برپا کیے ہوئے ہیں۔ ملت کا دارالخلافہ نمائندگی سے خالی ہو جانے کی وجہ سے بے اثر سا ہو گیا ہے۔ اگر اہل مدینہ کے ذکر شدہ سرگروہ عجلت کو اختیار نہ کرتے۔ تعاون اور حمایت کی راہ پر چلتے تو سب کے مقاصد بھی حاصل ہو جاتے اور وہ بھی نہ ہوتا جس نے ہمیں لخت لخت کر کے ناکارہ بنا کر پھینک دیا ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ وہ بلوائیان سہ بلاد جن میں حجاز نژاد بھی داخل ہو گئے تھے اور اضافہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی

Marfat.com

بہت مقبول نہیں رہے تھے۔ کیا ایسا موقعہ مل سکتا تھا کہ کوئی متحدہ مقصد اختیار کر لیا جاتا۔ بلوائی جو ایسے نافذ تھے کہ انہوں نے بہر حال عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیے بغیر واپسی اختیار نہ کی۔ ملت کو متحد ہونے دیتے وہ شہر پر بھاری ہو گئے تھے۔

اور وہ جو گریز کی راہ تھی جیسے حسن رضی اللہ عنہ کی تجویز تھی۔ فتنہ کے وقت مدینہ سے تشریف لے جایئے (کم از کم حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت سے یہ نہیں ہو سکتا تھا) جب تک عرب کے وفود اور والیانِ بلادِ اسلامیہ نہ آ جائیں بیعت نہ لیجیے۔ پھر اس گروہ کے خروج کے وقت میں نے کہا تھا گھر میں بیٹھے رہیے یہاں تک کہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے (حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی نہیں کر سکتے تھے) آپ نے توجہ نہ کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رائے دی تھی کہ مکہ یا ینبوع چلے جایئے۔ اسی دوران یہ بھی کہا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ اتم شجاع ہو مگر امور جنگ کے بارے میں صائب رائے نہیں ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ اور جنگ جمل کے موقع سے پہلے بہت شاندار خطبہ دیا تھا۔ حالات ایسے ہو گئے تھے کہ کسی بھی بات کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں تھا۔ پورا سچ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طویل دور خلافت میں سہولتیں بہت ہو گئی تھیں۔ سلسلہ جنگ رک گیا تھا اور عرب سرزمین یا انقلاب حجاز کے مقبوضات بہت پھیل گئے تھے لیکن اقتدار حجاز سے باہر نہیں پھیلا تھا۔

اب یہ امر تو مقطوع ہے کہ خلافت منصوص امر نہیں تھا۔ جیسا کہ انتخابات خلفاً کی روئداد ظاہر کرتی ہے اگر چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بوجہ قرابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔ ابھی میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد دہانی پر طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ سے بغیر لڑے لوٹتے دکھایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بارہ تیرہ سالوں میں کسی دستیاب سند پر اعتماد کیوں نہیں آیا؟ حالانکہ وہ سالم رضی اللہ عنہ ''غلام'' کو کہ جس کے دل میں اللہ کی محبت بہت ہے اگر دستیاب ہوتے تو خلیفہ بناتے یا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کہ امین الامت کا لقب پا چکے ہیں۔ پھر اپنے بیٹے کو محروم رکھا یا مسلط نہیں کیا۔

حقائق کچھ بھی ہوں ہم میں ایک تباہ کار فصل کاشت ہو گئی جس نے بڑے

Marfat.com

زمانوں سے امت کے بطون کو مسموم کرنے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے اسی عدم ہم آہنگی نے ہمیشہ جارحیت، عدم برداشت اور باہم تنکیر و تکفیر کا رویہ جاری رکھا ہوا ہے۔ جس نے ہماری مجموعی قوت کو کبھی نمایاں ہونے کا موقع نہیں دیا ہے۔ اقوام میں سیاسی اور تشریحی اختلافات ہوتے ہیں۔ مگر اختلاف عقیدہ جیسا کہ اس امر میں واقع ہوا ہے ایک کبھی نہ بھر سکنے والی زمین کے پیندے تک بڑھ چکی دراڑ ہے۔ جسے ملت توفیق الٰہی سے ہی پر کر سکتی ہے۔ اور اس توفیق کی شکل اتحاد امت اور حقیقی اسلامی اخوت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے میں نے اس ضمن میں نسبتاً طولانی گفتگو کی ہے۔ یاد دلاتا چلوں کہ بات شرائط انتخابِ اولوالامر سے چلی تھی۔ امت میں یہ شرائط متفقہ نہیں ہیں اس لئے میں صرف اسلام میں راسخ علم اور شجاع ہونے کی شرط کا ہی تذکرہ کروں گا۔ باقی امر کے لوازم کتابوں میں بہت ہیں۔

خلافت راشدہ کا انجام ہو چکا تھا۔ پھر ایک مختصر مدت کشاکش کا آغاز ہوتا ہے۔ اپنے دَور کے ایک زیرک شخص صورت حال پر مشاورت کے لئے اپنے بیٹوں کو طلب کرتے ہیں۔ یہ بزرگ عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ قصے کو ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔ میں ابن خلدون یا ابن سعد زہری کو ماخذ بنا کر نقل کرتا ہوں۔ شاید یہ ''العبر'' کی جلد دوم ہو یا طبقاتِ ابنِ سعد (مسئلہ یہ ہے کہ میں نے مدتوں پہلے ان دو ماخذوں کا یکے بعد دیگرے مطالعہ کیا تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب میں گفتگو کرتے ہیں۔ واضح کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں اہل ترین کون ہے۔ پھر بتاتے ہیں کہ ایک میں دینی مطالبہ پورا ہوتا ہے اور دوسرے میں دنیا کے منافع ہیں۔

یہ بزرگ بہت ہشیار تھے۔ کہا کرتے تھے یہ مرنے والے اپنی کیفیت مرگ کو بیان کیوں نہیں کر سکتے۔ میں نے ابن سعد کے ہاں ہی پڑھا کہ یہ کہتے تھے کہ مجھ پر جب یہ کیفیت طاری ہوگی اور میں کہہ سکوں گا تو ضرور کہوں گا۔ اور پھر انہوں نے بتایا بھی۔ مجھے آخری جملہ یاد ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اونٹ کو سوئی کے ناکے سے گزارا جا رہا ہے اور اس کے بعد وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ میرا یہ مطالعہ اور اس سے نقل کی ہوئی یادداشتیں چودہ سال

Marfat.com

کے لگ بھگ پرانی ہیں۔ اس لئے ان میں روایت کا نقص ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مفہوم ایسا ہی بنتا ہے۔ میں بتا رہا تھا کہ بیٹوں کے ساتھ مشاورت میں جب ان کی رائے مانگی تو ایک جوان میں بہترین تھے۔ اور اگر مجھ کو ان کا نام ٹھیک یاد ہے تو وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے، نے مشورہ دیا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ کی معاونت کریں۔ لیکن آپ نے اس کے برعکس فیصلہ کیا۔ اور گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ میں شامل ہو گئے۔ تو ثابت ہوا کہ اہمیت ہماری حوائج ہماری قبولیتوں اور رغبتوں کی ہے۔

دین ہم پر اللہ کا بڑا احسان اور انعام ہے مگر ہم نے اپنی کمزوری سے اس میں ترمیم، سہولت اور آسانی لانے کا عہد کر رکھا ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے بدیشی حاکموں کو قبول نہیں۔ اب کوئی کیا کرے جب کسی نااہل مبلغ کے ایذا رسان ہاتھ توڑنے والا کوئی حمزہ رضی اللہ عنہ بھی نہیں۔ اقوام عالم یہود و نصاریٰ کو معراجِ تہذیب و تمدن کی سند دے چکی ہے۔ مگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحمل مصائب سے غداری ہے۔ یہ حرا کی گھاٹی اور شعب ابی طالب کے محصور کی مخالفت اور اس کی تعلیم و تلقین سے فاش بغاوت ہے۔ اور اگر یہ غداری اور بغاوت نہیں ہے تو ملت کے پاس کوئی ثقافت بھی نہیں ہے اور بے فرہنگ اور ثقافت ملت کا مستقبل میں کوئی وجود نہیں۔ اب **الیوم اکملت لکم دینکم** کا مرحلہ بھی گزر چکا ہے۔

ایک اور دلچسپ حوالہ بلا تبصرہ پڑھیے۔ پیغمبر حریت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ نفس انسانی پر یہ مرحلہ حتمی بات ہے۔ شمع رسالت کے متوالوں نے یہ بات سوچی نہ تھی۔ ایک شخص ہونی کو بھانپ گیا تھا، یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ رشتے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہوتے ہیں۔ کہا:

> ''خدا کی قسم میں عبدالمطلب کی اولادوں کو جانتا ہوں۔ جب ان کا وقت سفر ہوتا ہے تو ان کے چہرے کا رنگ کیسا ہوتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ تم جاؤ اور خلافت کے بارے میں گفتگو کرو۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہم کو مل جائے تو خوب وگرنہ ہمیں معلوم ہو جائے'' وغیرہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات نہ سوچی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خیال دِل میں نہ لائے مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بول اُٹھے اور حیرت انگیز انسانی تضادات کا

Marfat.com

حالِ آخری واقعہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مقاومت جواب دے گئی۔ ساتھی یکے بعد دیگرے ختم ہو گئے۔ مکہ مکرمہ پر ایسی یورش تھی کہ کعبہ پر پتھر برستے تھے۔ تین دن تک کوئی نماز منعقد نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں تابعی حضرت سعید بن المُسَیّب رحمۃ اللہ علیہ اکیلے بزرگ تھے جو اس دوران بھی نماز کے لئے جاتے رہے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے اپنی ماں کے پاس آئے۔ یہ حضرت اَسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا تھیں۔ عرض کیا ''اماں! میرے سارے ساتھی ہلاک ہو چکے۔ اب میں کیا کروں؟'' فرمایا: ''وہی جو تمہارے ساتھیوں نے کیا۔''

عرض کیا لیکن وہ لوگ میرا مثلہ کریں گے۔ فرمایا جب جان جاتی رہتی ہے تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ رخصت ہوئے، شہید ہوئے۔ لاش کو نمائش کے لئے نمایاں جگہ پر لٹکا دیا گیا۔ تاکہ لوگ خوفزدہ ہوں اور اموی اقتدار سے انحراف کا خیال دل میں نہ لائیں۔ ایک روز حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ادھر سے گزر ہوا دیکھا، بیٹے کی لاش جھول رہی ہے۔ متبسم حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ شہسوار ابھی سواری سے نہیں اترا۔

سیّد البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کی منفرد حیثیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب میں گھل مل کر رہتے تھے۔ اور اپنے اصحاب پر بہت مہربان تھے۔ بعض اصحاب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق بہت ہی نزدیکی کا تھا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین ساتھی، یارِ غار اور محرم اسرار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ شاید ابن خلدون نے لکھا کہ غالباً جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رحلت ہو چکی تو آپ کی تدفین کی سرگرمی کے دوران ایک کہنے والا کہہ رہا تھا میں صرف مفہوم لکھ سکتا ہوں اور جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات یا واقعے کا ذکر فرماتے تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کو بھی ذکر کرتے تھے۔ تو مجھے گمان ہوتا کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی بنیں گے۔ یہ ایک ہی محل میں تدفین کی طرف اشارہ تھا۔ شاید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں جب اس کہنے والے نے جو ہجوم میں کھڑا تھا اور میرا ہاتھ اس کے کندھے پر تھا پلٹ کر دیکھا تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس واقعے کے ذکر کرنے سے میرا نقطہ محض جزوی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ ان دو صاحبوں میں ایک دوسرے پر صائب ہے اور واضح طور پر ہے۔

Marfat.com

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب رحلت ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ مشتعل تھے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا جو کہا اور اس کے بعد بات روشن ہوگئی اور کوئی نزاع نہیں رہا۔ تدفین کی بات چلی تو سب آراء ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رائے سے منسوخ ہوگئیں۔ خلافت کی بات چلی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تجویز ہو جانے پر کش مکش کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی۔ منکرین زکوٰۃ کا مسئلہ۔ صلوٰۃ سے استثناء کا تقاضا اور مدعیان نبوت کا استحصال آپ رضی اللہ عنہ کی واحد، منفرد اور قاطع رائے سے فیصلے ہوئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مقبول تواریخ میں یہ عظیم فیصلے کامیاب فیصلے تھے۔ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خصوصی انسان کی حیثیت ہے۔ بہت ہی عجیب نفسی تکوین کے انسان کی حیثیت۔ دوسرے صاحب مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اوائل عمر سے قبول اسلام تک کے حالات جو ہمیں ملتے ہیں اس میں ہم آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو اس طرح مرتب کر سکتے ہیں۔ مضبوط بناوٹ کا قد آور شخص جو جری، تند خو اور تشدد کی طرف مائل ہے۔ ہمیشہ ہیجان اور جذبات کی پیروی کرتا ہے۔ اور جلد متنبہ ہو کر اصرار چھوڑ دیتا ہے۔ واقعات جیسے بھی ہیں اتفاقاً یا حادثتاً اسلام لے آتا ہے۔ اور طبیعت یا تاریخی طبیعت کے مطابق ہمیشہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

میں دور کی تاریخ کے نمائش نامے میں خیال کی آنکھ سے ایک منظر دیکھتا ہوں۔ بوڑھا عاص جس کی بینائی جا چکی ہے وہ مسلمان بھی نہیں ہے۔ اس کے چار جوان لڑکے اس کو تھامے ہوئے حرم کعبہ کی طرف لا رہے ہیں تاکہ وہ ایک اہم اعلان کر سکے، وہ اہم اعلان یہ ہے:

''میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنی امان میں لیتا ہوں اور میری دی ہوئی امان کا دفاع میرے ان چار بیٹوں کی ننگی تلواریں کریں گی''۔

یہ صرف خاندانی تعلق کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ ایک تیسرے موقع پر آپ لوگوں کو مختلف کلام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اچانک ایک معتمد ترین اور معقول ترین انسان ایک نامطبوع فیصلہ کر دیتا ہے۔ یہ صاحب میرے بعد میرے خلیفہ ہوں گے۔ جتنی بھی باتیں ہو رہی تھیں ان کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ شخص اپنی سخت طبیعت کے باوصف ایسی بھاری ذمہ داری کیلئے موزوں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ

Marfat.com

ساتھیوں میں سے بعض نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدا سے ڈرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب جیسا بھی رہا تھا۔ بہت متداول ہے۔ میں جس نقطے پر توجہ کیے ہوئے ہوں اس کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواص کے لئے تو خاص چیز تھے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر ہے کہ تاریخ نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو بھی صحیح ترین فیصلہ قرار دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی غیر مقبولیت کی وجہیں کیا تھیں۔ میں نے ان میں بعض ضروری وجہوں کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ کا مجموعہ تھے۔ صاحب مال و دولت اور فیاض تھے۔ اسی شعبے میں آپ رضی اللہ عنہ کی نمایاں خدمات تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن دس اصحاب رضی اللہ عنہم (عشرہ مبشرہ) کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی تھی آپ رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ابن الجراح زندہ ہوتے تو نا معلوم خلفاء کی ترتیب کیا ہوتی۔ آپ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تقویٰ ایسا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ اپنے سر نہ لیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتخب افراد کی ایک مجلس کو مقرر کیا کہ وہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں۔ بڑی مشکل سے بالکل آخری وقت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کی عزت جیتنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طویل دور خلافت کا اختتام بلوے اور فساد کے ساتھ ہوا اور علی رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد، پروردہ اور تربیت یافتہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزیز صاحبزادی (سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا) کے شوہر گرامی تھے۔ منصب خلافت سنبھالنے پر مجبور ہو گئے۔ میں اس سے آگے کچھ کہنا نہیں چاہتا لیکن یہاں چند دن پہلے ایک سفر جو دوستوں سے ملاقات کے لئے تھا میں ایک پوچھے گئے سوال کا جواب ضرور دینا چاہوں گا۔ پوچھا گیا کہ اسلام میں ملوکیت کی ابتداء کب ہوئی۔ میں ملوکیت کی وضاحت میں لغت کا سہارا نہیں لینا چاہتا۔ میں پھر عرف کا اعتبار کروں گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ جب عمل نمائندگی کرتا ہے تو قانون کو ٹٹولنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لیکن یہ ایک صاف مسئلہ ہے۔ جس کو بہت بعد میں آ کر کہیں قیاس کی پیچیدگی عارض ہوئی ہے اور یہ بہت مشتعل کرنے والا سوال بن گیا ہے۔ جیسے دین ملوک، فقہ ملوک، ادب ملوک، تاریخ ملوک وغیرہ کے مردود

Marfat.com

عنوانات ہیں جاننا چاہیے کہ ہماری دیر آباد دنیا اقوام وقبائل کی دنیا ہے۔ انسان کچھ ناگزیر، مجبور رشتوں کا گرفتار ہے۔ یہ مجبوریوں کے ناگزیر رشتے اس کا انتخاب نہیں، اجبار ہیں۔ انسانی تناسل کے سفر میں اقوام، اقوام کی قبیلے کے افراد، افراد قبیلہ کے جانشین ہوتے رہے ہیں۔ آج بھی دنیا میں ہر کہیں ملکیت کے وارث کے قانون کا اعتبار موجود ہے۔ رویے کتنے ہی جمہوری کیوں نہ ہو جائیں۔ انسانی رواداریاں موروثی ملکیتوں میں اہلیت و نا اہلی کی بنیاد پر ورثاء کی تبدیلی کا اعلان نہیں کر سکتیں۔ اگرچہ ہم نے ہزار بار دیکھا جب ناموزوں ورثاء نے ملکیتوں اور بنیادوں کو ویران کر دیا۔ عقدہ یہ ہے کہ ہم نے ایک طرح کے کامیاب عزل کو دوسرے متعدد شعبوں پر بھی قیاس کر لیا جو درست نہیں تھا۔ قومی اور قبائلی امتیازات کا مسئلہ خاندانی اور خانوادگی امتیازات سے مختلف نوعیت کا ہے۔ یوں تو ربع مسکون کی ساری تاریخ خواہ اس کا تعلق شرق سے ہو یا غرب سے ملوکانہ تاریخ ہے۔

قارئین محترم! ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی روایات واحادیث کے اسی ذخیرے سے استفادہ کیا ہے جس سے دیگر مؤرخین نے کیا ہے۔ یہ کتاب واقعات کے ساتھ ان کے تبصروں اور تجزیات پر بھی مشتمل ہے جن سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے تاہم ایک بات واضح ہے کہ یہ کتاب الگ رنگ میں لکھی ہونے کے باوجود مکمل طور پر غیر جانبدارانہ نہیں کہی جاسکتی اور کئی پردوں کے باوجود محبت اہل بیت کا اظہار ہو ہی جاتا ہے۔ اگرچہ لگتا ہے کہ وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئے ہیں مگر کتاب کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہنا تھا اپنی باطنی بصارت کے تحت بڑی مہارت اور خوبی سے کہہ گئے۔

آخر میں اس کتاب کو نہایت دلکش انداز میں آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر کرنے پر میں گگن شاہد اور امر شاہد کا شکر گذار ہوں۔ اللہ ربّ العزت انہیں اسی انداز سے خوبصورت اور معیاری کتابوں کی اشاعت کی توفیق بخشتا رہے۔ آمین!

انجم سلطان شہباز

Marfat.com

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

...... تاریخ اور سیاست کی روشنی میں ......

Marfat.com

شہادتِ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اور بعد کے حالات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو اپنی تاریخ کی دو بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔

۱۔ خلافت کا تحفظ و نظام الٰہی کا استحکام

۲۔ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر شر پسندوں کو قرار واقعی سزا دینا

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے دلدوز واقعہ کا دن شام میں ڈھل رہا تھا اور اسلام کی عظیم سلطنت جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے قائم ہوئی تھی اور جس کی سرحدوں میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مزید وسعت پیدا کی تھی، ایک عظیم مسلم حکمران کی طالب تھی۔ نئے مفتوحہ علاقوں میں نظم و نسق ابھی پوری طرح قائم نہیں ہو سکا تھا اور ان پر پوری توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ اسلامی لشکر اپنی فتوحات کا دائرہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں اسلام کا قانون نافذ کرنے پر بھی زور دے رہے تھے۔ افواج اسلام کی سرحدیں دراصل ان کے بیس کیمپ تھے جن میں عارضی قیام کے بعد وہ آگے بڑھ جاتے تھے لیکن اس سانحۂ عظیم نے مسلمانوں کو انتشار اور فساد کی طرف رخ موڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

نئے فاتحین اسلامی نظام کے نفاذ کے ساتھ ساتھ مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کی ثقافتی ضروریات کو مدنظر رکھتے اور ان کے مزاج کے مطابق بھی کچھ چیزوں کو آئین میں شامل رکھتے تھے۔ ان افواج کو ہر وقت کمک، ہتھیاروں، جنگی سامان اور جنگی حکمت عملی کی

Marfat.com

ضرورت ہوتی تھی۔ اس کیلئے مرکز اسلام میں ایک مضبوط اور مدبر خلیفہ ان کی بنیادی ضرورت تھی۔ مہاجرین اور انصار اس انتشار اور شورش سے الگ تھے اور ان کے ہاتھ صاف تھے البتہ بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں پر ٹھہرے ہوئے اسلامی لشکروں کے کچھ باغی اس شورش میں شریک تھے اور ان کے ساتھ کچھ دیہاتی لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس صورت حال میں تین طرح کے خیالات رکھتے تھے:

۱۔ اکثریت ان کی تھی جو اس صورت حال پر ملول تھے مگر کچھ کر سکنے میں بے بس تھے۔

۲۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صورت حال کو پوری طرح سمجھ نہ پائے اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان معاملات سے کنارہ کش رہے۔ وہ ان احادیث پر عمل پیرا ہوئے جن میں فتنہ وفساد سے دور رہنے اور بچنے کی تلقین کی گئی تھی۔ بہت سے گوشہ نشین ہو گئے اور بہت سے اپنے دین و ایمان کی خاطر دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے۔

۳۔ باقی ماندہ اصحاب رضی اللہ عنہم باغی گروہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بیچ کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے بعض مصالحت کے حامی تھے اور بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نالاں بھی تھے۔ انہوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور فتنہ وفساد کے شعلوں کو بھڑکا دیا۔ کچھ کا طرز عمل مبہم سا تھا انہوں نے باغیوں کو روکنے یا سمجھانے کی کوشش نہ کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں کیلئے ایک شدید دھچکا تھی اور انہیں اب اس بات کے تاسف کے ساتھ کہ وہ اپنے خلیفہ کی مدد نہ کر سکے یہ پشیمانی بھی تھی کہ مسلمانوں کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا۔ جو لوگ ان معاملات سے الگ تھلگ رہے تھے وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ وہ اس خون ناحق کے گرانے میں شامل نہیں ہوئے۔

باقی سب مسلمان اب اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھیں اب تاج خلافت کس کے سر سجتا ہے۔ ابھی تک اسلامی دستور میں انتخاب خلیفہ کا تحریری طریقہ کار موجود نہیں تھا بلکہ

Marfat.com

حالات کے مطابق فیصلے ہوتے آ رہے تھے۔ اسلامی سیاسی دستور کا کوئی تحریری مسودہ نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب سب کے سامنے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیعت خلافت کو ایک اتفاق قرار دیتے تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کو ایک فساد اور فتنے سے محفوظ کر دیا تھا۔ یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار سے کہا اور انہوں نے مان لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پس وپیش سے کام نہ لیا۔ مہاجرین نے ہلکا سا احتجاج کیا مگر وہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مدلل جواب سے قائل ہو گئے۔

آپ سب اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں کیا تھا بلکہ چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مہاجرین) پر مشتمل ایک شوریٰ قائم فرمائی جو آپ رضی اللہ عنہ کے قابل اعتماد ساتھی تھے۔ انہوں نے اتفاق رائے سے اسی شوریٰ کے رکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چن لیا اور کسی نے تنقید یا نکتہ چینی نہیں کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا لیکن اگر ایسا کیا بھی ہوتا تو شاید لوگ قبول نہ کرتے جس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے گورنروں بعض قریبی ساتھیوں سے ناخوش تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کمیٹی کو تجویز کیا تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ چار ہی رہ گئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی وفات پا گئے تھے جو باقی رہے وہ حسب ذیل تھے:

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ

ان میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اس طرح اب شوریٰ کے ارکان تین ہی رہ گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں

Marfat.com

نے پہلے خلفاء کی بیعت کی تھی ان میں سے اکثر ارتداد کی جنگوں میں روم و فارس کی معرکہ آرائیوں میں شہید ہو چکے تھے۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فطری موت سے ہمکنار ہو کر اللہ کے حضور جا پہنچے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے سرحدوں پر تھے اور جو اب جہاد کے لائق نہیں رہے تھے وہ مختلف مفتوحہ شہروں میں بس گئے تھے۔ لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو اس وقت مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کی ویسی جماعت موجود نہیں تھی جیسی پہلے تین خلفاء کے بیعت کے مواقع پر موجود تھی۔ اب کی بار مدینہ کی ہوا اور فضا کافی حد تک مختلف اور تبدیل شدہ تھی۔

اس کے علاوہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سب کا نکتہ نظر جدا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سب کا طرز عمل الگ تھا۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی سب کی آراء اور خیالات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقع پر بغاوت کے شعلوں کو بھڑکنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ باغی گروہ اور خلیفہ المسلمین کے درمیان حائل ہو گئے اور فریقین میں مصالحت کیلئے ہونے والے مذاکرات میں کلیدی کردار ادا فرمایا۔ باغیوں کو مدینہ سے باہر بھیجنے میں کامیاب رہے۔ جب باغی دوبارہ مدینہ میں اچانک گھس آئے تو دوبارہ ان کی راہ میں حائل ہو گئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس دوران زیادہ متحرک نہیں تھے اور ان کا خیال یہ بھی تھا کہ باغی اس سنگین حد تک نہیں جائیں گے۔ اگرچہ باغیوں کی جانب مائل تھے مگر انہوں نے کسی جانبداری سے کام نہیں لیا جبکہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے واضح انداز میں باغیوں کی طرف داری کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اس روش کی کھلے بندوں شکایت کی اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعانت بھی چاہی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو وہاں باغیوں کی ایک جماعت دیکھی جو ان کے اردگرد بیٹھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں متنبہ کیا

Marfat.com

مگر وہ اپنی بات سے نہ ہٹے۔آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے بیت المال تشریف لائے اور یہاں سے مال نکال کر ان لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔اس پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان کے پاس سے اٹھ گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس فراست اور دانشمندی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔

روایت کرنے والوں کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے معذرت چاہی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ معذرت نہیں بلکہ اس خفت کو مٹانے کی کوشش ہے جو انہیں اپنی ناکامی پر اٹھانا پڑی۔پھر فرمایا: اے طلحہ! اللہ تجھ سے حساب لے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ تینوں اصحاب رضی اللہ عنہم لوگوں کے ردعمل کا انتظار کر رہے تھے جبکہ باغیوں نے پورے شہر پر خوف وہراس کے بادل طاری کر دیئے تھے اور لوگ اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو رات کے اندھیرے اور خاموشی میں نہایت خاموشی سے جنت البقیع میں سپرد خاک کیا۔

اس ظالمانہ قتل کے بعد کے واقعات میں راوی مختلف آراء رکھتے ہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ سانحہ شہادت کے فوراً بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تھی مگر یہ بات حقیقت سے دور ہے اور حقائق اس سے مختلف ہیں۔اس سانحہ کے بعد مدینہ کی فضا میں کئی دن تک خوف و دہشت اور حزن و ملال کے بادل چھائے رہے اور لوگ کئی دن بے امام رہے۔باغیوں کے ایک سرکردہ غافقی نامی باغی نے ان کی باگ ڈور تھامے رکھی۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد باغیوں کو بھی کچھ سوجھ نہیں رہا تھا البتہ اتنا ادراک ضرور تھا کہ لوگ زیادہ دیر تک امام بن نہیں رہ سکتے۔انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر فوری طور پر کسی کو امیر منتخب نہ کیا گیا تو جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی آمد کا خطرہ تھا وہیں اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ کہیں امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر کشی کر کے مدینہ پر اپنا اقتدار قائم نہ کر لیں اور یوں باغی اپنے عبرتناک انجام سے جا ملیں۔باغی اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ ان میں سے کوئی نہ تو مسلمانوں کا امیر بن سکتا ہے اور نہ مسلمان اسے قبول

Marfat.com

کریں گے کیوں کہ اس کا ذمہ مہاجرین اور انصار پر تھا اور جو بھی امیر ہونا تھا انہی میں سے ہونا تھا۔ وہی قریش میں سے کسی کا انتخاب کر کے اس کی بیعت پر لوگوں کو مائل کر سکتے تھے۔

خلیفہ کا انتخاب اور بیعت

اس کے علاوہ وہ لوگ مختلف آراء رکھتے تھے۔ اہل مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خواہاں تھے جبکہ اہل کوفہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے منصب پر دیکھنا چاہتے تھے۔ بصرہ والے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔ ہر گروہ اپنے نامزدہ کردہ امیر کے پاس جاتا اور خلافت قبول کرنے کی پیشکش کرتا مگر تینوں اصحاب رضی اللہ عنہم منصب خلافت قبول کرنے پر راضی نہ تھے اس لئے صاف انکار کر دیتے تھے۔ جب باغیوں کو اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگا تو انہوں نے انصار و مہاجرین کی معاونت حاصل کرنے کا سوچا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ان تینوں میں سے کسی کا انتخاب کریں اور پھر انہیں یہ منصب قبول کرنے پر مائل اور قائل بھی کریں۔

اس فیصلے کے بعد باغیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں میں آنا جانا شروع کر دیا اور ان سے استدعا کی کہ وہ امت مسلمہ کیلئے کسی امیر و امام کو نامزد کریں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ٹھنڈے دل سے سوچا کہ آخرالامر یہ فرض ادا تو کرنا ہی ہے اس لئے انہوں نے بھی باہم صلاح و مشورہ اور گفت و شنید شروع کر دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محسوس کیا کہ بیشتر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیگر دونوں اصحاب رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کے خیال میں اس منصب کا اہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا اسلئے ان سے بہتر اور موزوں شخصیت کوئی اور نہیں ہوسکتی۔

انصار و مہاجرین نے متفقہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ خلافت کا منصب سنبھال لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پیشکش کو قبول نہیں کرنا چاہتے تھے مگر انہیں امت مسلمہ کا سفینہ منجدھار میں نظر آ رہا تھا۔ جب یہی پیشکش باغیوں نے کی تھی تو

Marfat.com

آپ رضی اللہ عنہ نے فی الفور انکار فرمادیا تھا مگر انصار ومہاجرین کی درخواست کو آپ رضی اللہ عنہ نے رد نہ فرمایا اور چونکہ اس میں کوئی قباحت بھی نہیں تھی۔ اسلئے آپ انصار ومہاجرین کے جلو میں مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جلوہ افروز ہوئے۔لوگ آگے بڑھ بڑھ کر بیعت کرنے لگے۔ چند افراد نے اس سے انکار کر دیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر کسی قسم کا جبر نہ کیا اور نہ انہیں بیعت کیلئے مجبور کیا۔

بیعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے نظریات

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیعت نہ کرنے والے چند افراد میں سے ایک تھے تاہم انہوں نے کہا: ''آپ میری طرف سے کوئی اندیشہ نہ رکھیے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصرار نہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی بیعت پر مائل نہ ہوئے۔ اور انہوں نے وہی جواب دیا جو ان سے قبل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دے چکے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے عہد چاہا کہ اپنا کوئی ضمانت دینے والا پیش کرو۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کیا کفیل ان کی طرف بڑھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''انہیں جانے دو! ان کی ضمانت میں خود دیتا ہوں میں نے بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی''۔

اس وقت بہت سے لوگ ان معاملات سے دور رہنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جب حالات پلٹا کھائیں تو انہیں کسی طرف سے بھی کسی نقصان کا اندیشہ ہو۔ ماحول کے متلاطم سمندر میں ناؤ اتارنے کا مطلب خطرے سے دوچار ہونا تھا۔ وہ دور کنارے پر محفوظ رہنے کے خواہشمند تھے۔ان میں اتنی قوت فیصلہ بھی نہیں تھی کہ وہ علی الاعلان کسی ایک جانب ہو جاتے۔ان لوگوں نے براہ راست بیعت سے انکار تو نہیں کیا تھا لیکن آگے بڑھ کر بیعت بھی نہیں کی تھی۔

Marfat.com

وہ لوگ جو ان معاملات سے الگ تھلگ گھروں میں موجود تھے انہوں نے بھی بیعت اختیار نہ کی اور آپ نے ان لوگوں کو بھی مجبور نہیں کیا۔

حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اور مسئلہ بیعت

البتہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بہ اصرار بیعت طلب کر لی کیونکہ ان کا بیعت سے آزاد رہنا کسی وقت بھی انتشار کو جنم دے سکتا تھا۔ دونوں خلافت کا دعویٰ بھی کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان دونوں حضرات سے بیعت لے لی گئی۔

طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نہایت اثر ورسوخ کے مالک تھے۔ سیاسی بیانات سے صورت حال کا رخ بدل بھی سکتے تھے۔ خود بھی خلافت چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں بیعت خلافت کا پابند کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ بعد میں انہوں نے اسے زبردستی کی بیعت کہا اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے دل سے نہیں بلکہ مصلحت کے تحت بیعت کر لی تھی اور جو بیعت از خود دل سے نہ کی جائے وہ بیعت درست تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو مؤرخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں حضرات نے بیعت کی تھی اور بعد میں موقع پا کر نکل گئے اور بیعت سے انکاری ہو گئے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے پانچویں دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ہوئی جبکہ بعض راویوں کا کہنا ہے کہ بیعت آٹھ دنوں بعد لی گئی۔ بیعت کے بعد کوفہ، بصرہ، مصر کی سرحدوں کے علاوہ حجاز پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو گئی۔

قاتلانِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا معاملہ

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے اہم اور توجہ طلب معاملہ شام کا تھا۔ شام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔ تاہم خوش آئند بات یہ تھی کہ مدینہ کے انصار و مہاجرین نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ سرحدی

Marfat.com

علاقوں کی نمائندگی کرتے ہوئے باغیوں نے بھی بیعت کرلی اور مسئلہ خلافت کے حل ہونے پراب امن وامان کی صورت حال بہتر اور مستحکم ہونے کے قوی امکانات تھے۔اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے جو دوسرا بڑا اور اہم معاملہ تھا وہ تھا قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی گرفتاری اور ان کو اللہ کے قانون کے مطابق قرار واقعی سزا دینا۔اگر مقتول ظالم ہوتو اس کا قصاص نہیں ہوتا لیکن اگر مقتول مظلوم ہو اور اس کا قتل ناحق کیا گیا ہوتو نئے منتخب امام کا فرض ہوتا ہے کہ وہ قاتلوں سے بدلہ لے اور قصاص کا حکم جاری کرے۔مہاجرین اور انصار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کے گواہ تھے اور اس طرح ان کا بدلہ لینا لازمی تھا۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوئی عام شخص نہیں تھے،خلیفۃ المسلمین تھے۔اگر کوئی عام شخص بھی اس طرح مظلومیت میں قتل کردیا جاتا تو اسلام اس کے قصاص کا بھی مطالبہ کرتا۔اس کے علاوہ اگر قاتلوں کو یونہی بے لگام چھوڑ دیا جاتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کہنا تھا کہ آئندہ جب کسی کا جی چاہے گا وہ مسلمانوں کے امام کی گردن کاٹ دے گا۔اس لئے اس سنگین جرم کے مرتکب افراد کو عبرت ناک سزا دینا ضروری تھا تاکہ آئندہ کوئی اس طرح کے جرم کا تصور بھی نہ کرسکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ آئندہ بغاوت کا دربند کرنے کیلئے یہ ضروری ہے تاہم اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ بیعت سے اقتدار انہیں منتقل کردیا گیا ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ عملی طور پر ابھی بھی شہر پر باغیوں کا قبضہ ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم یا امام فی الفوران کے خلاف اقدام کرنے سے قاصر ہیں لہٰذا حالات کا تقاضا ہے کہ فی الحال اس مسئلے کو نہ چھیڑا جائے اور جونہی حالات معمول پر آجائیں،امن و امان برقرار ہوجائے،حکومت کی رٹ قائم ہوجائے تو اس وقت قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لاکر کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کی باتوں سے متفق ہوگئے اور اطمینان سے چلے گئے مگر باغی اس کے برعکس خیالات رکھتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے جس امام کو قتل کیا ہے وہ ظالم تھا اس لئے قصاص اور بدلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی پاداش میں کسی کو تہ تیغ کرانا چاہیے۔

Marfat.com

حضرت محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ

ان سب حالات کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی تحقیق کا آغاز کیا مگر بات کسی حتمی نتیجے تک نہ پہنچ سکی۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ اس قتل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ بھی ملوث ہیں۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے عقد فرمالیا تھا اس لئے اب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی سوتیلے فرزند کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلا تاخیر انہیں بلا کر پوچھا:

''کیا یہ سچ ہے کہ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا ہے؟''

محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے اپنی برأت کا اعلان کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں شامل نہیں۔

جب باغیوں کو علم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی تحقیقات کر رہے ہیں تو وہ برہم ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نقص امن کے خدشے کے پیش نظر ان حالات میں خاموشی اختیار کرنا اور موقع کا انتظار کرنا بہتر سمجھا۔

یہ معاملہ بالکل اسی طرح پیچیدہ تھا جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے ابتدائی دنوں میں حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش آیا تھا۔ جنہوں نے ہرمزان کو اس الزام میں قتل کر دیا تھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی تحریک دینے میں پیش پیش تھا۔ چونکہ یہ قتل قاضی کے فیصلے اور تحقیق کے بغیر ہوا تھا اس قتل کے جواز کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم عبیداللہ رضی اللہ عنہ پر قتل کی حد جاری کرنے کے خواہاں تھے مگر اکثریت کا خیال تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کی شروعات عبیداللہ

Marfat.com

بن عمر رضی اللہ عنہ کے قتل سے نہیں کرنی چاہئیں۔ ہرمزان کے خون وقصاص کا کوئی مدعی نہیں تھا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو معاف فرمادیا تھا۔

اسلامی ریاست میں جس مقتول کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی خود امام ہوتا ہے اور وہ چاہے تو سزا معاف بھی کرسکتا ہے۔ اس فیصلے سے عام مسلمان خوش نہیں تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے حامی نہیں تھے۔ اس فیصلے کو ظلم قرار دیا گیا اور حدود اللہ کی خلاف ورزی کہا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اگر ہرمزان کا قاتل میرے ہاتھ لگا تو میں خود اس کا کام تمام کردوں گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے سابق خلیفہ کا بیٹا قتل کے الزام میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے معاف کردیا اور اس معافی کے خلاف مسلمانوں نے احتجاج کیا اور اس سے مسلمانوں میں تفرقہ بھی پیدا ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی سابق خلیفہ راشد کا بیٹا اسی نوعیت کے جرم میں پیش ہوتا ہے۔ آپ اسے فی الفور معافی نامہ عطا نہیں کرتے بلکہ تحقیق سے کام لیتے ہیں اور جب ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ قاتل نہیں بے گناہ ہیں تو وہ اپنی تحقیق کا رُخ تبدیل کرتے ہیں۔

خلافت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر لوگوں کا ردِعمل پرجوش نہیں تھا اور خوف و ہراس ابھی تک مدینہ کی فضا میں منڈلا رہا تھا۔ لوگ مضطرب اور گومگو کی کیفیت میں تھے۔ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر خوشی ومسرت کا اظہار کیا گیا تھا وہ کیفیت دور دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سخت خلیفہ تھے۔ ان کا رعب ودبدبہ لرزہ طاری کردیتا تھا۔ وہ عدل و انصاف کے معاملے میں کسی رورعایت کے روادار نہیں تھے۔ قریش کا کڑا احتساب کرتے تھے۔ ان کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اپنے حلم ونرم مزاجی کی وجہ سے سب کیلئے نرم خو ہوگئے۔ لوگوں کو سہولیات اور آسانیاں فراہم کیں۔ وظائف

Marfat.com

میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا۔ آپ نے لوگوں کی خطاؤں کو فراخدلی سے معاف کر دیا۔ بعض لوگ آپ کے ابتدائی دور کو دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ پر بھی ترجیح دینے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ کی روش اختیار کی۔ عدل و انصاف کو ترجیح دی۔ غیر ضروری مراعات دینے سے احتراز کیا۔ مالِ غنیمت کا بے جا اسراف نہ کیا۔ اعتدال کا طریقہ اپنایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمان نہایت پرسکون اور مطمئن تھے مگر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر کے شدید وار سے گھائل کر دیا گیا تو لوگ غمزدہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی حسبِ ذیل آیت پڑھی:

"وَكَانَ هُوَ اللّٰهُ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا"

ترجمہ: "اللہ کی تقدیر مقدر ہوتی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رحلت نوشتۂ تقدیر تھی۔ کسی باغی یا شرپسند گروہ نے آپ پر حملہ نہیں کیا تھا۔ آپ کے قتل کے پیچھے کوئی سیاسی مقصد نہیں تھا۔ ایک مکار اور دھوکے باز ظالم نے ذاتی عناد پر آپ کو شہید کر دیا تھا۔ آپ کی شہادت کو لوگوں نے تقدیر کا لکھا جان کر صبر کیا۔ آپ شدید زخمی ہوئے تھے اور اس کا انجام موت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک شرپسند باغی گروہ کا ایک ایسا فتنہ تھا جس نے لوگوں سے گویا قوتِ فیصلہ ہی چھین لی تھی اور ان کو علم ہی نہیں تھا کہ آخر ہو کیا رہا ہے۔

مدینہ ایک مدت سے خوف و بیم کی کیفیت میں تھا۔ لوگ اس دہشت گرد ماحول میں سہمے ہوئے تھے۔ مسلم صوبوں کے امیروں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے قیامِ امن اور خلیفہ راشد کی حفاظت کیلئے لشکر مدینہ روانہ کر دیئے۔ اگرچہ ان کی ضرورت سرحدوں پر تھی مگر اس سے قبل کہ یہ دستے آ کر محصور و نظر بند خلیفہ کو آزاد کراتے، خلیفہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس خبر پر یہ دستے واپس چلے گئے۔ مدینہ منورہ پر بدستور خوف و دہشت کی حکمرانی قائم رہی۔

حج کے زمانہ میں باغیوں کی ان سرگرمیوں کی خبریں حجاج کرام کے کانوں تک

Marfat.com

بھی پہنچ گئی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعلان کیا کہ وہ اس ظلم سے بری ہیں جبکہ باغی احکام الٰہی سے روگردانی کرتے ہوئے خلیفہ وقت کے خلاف اعلان بغاوت کر چکے ہیں۔ حجاج کرام نے نہایت مخدوش حالات میں خوف کے سائے میں مناسک حج ادا کیا اور اپنے اپنے وطن جا کر مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بگڑتے ہوئے حالات کے بارے میں بتایا۔

حالات کچھ اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مسلمانوں کی اداسی میں کمی نہ آئی اور انہوں نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ کیا پھر ان کو اس بات سے بھی آگاہی تھی کہ باغی ابھی تک مدینہ کی گلیوں میں دندناتے پھر رہے ہیں اور خلیفہ کوشش کے باوجود بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی تحقیقات کا دائرہ وسیع نہیں کر سکے۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض امراء کے بارے میں بھی لوگ ان خدشات کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بغاوت کا علم بلند کریں گے اور شورش وانتشار کا ایک نیا سلسلہ چل نکلے گا۔ خاص طور پر امیر شام معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے لوگوں کو زیادہ خطرہ تھا جو نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے شام میں ان کو اقتدار حاصل تھا اور شامی ان کی ہر بات ماننے کیلئے تیار تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ بنی امیہ کے سردار تھے اور بنی ہاشم وبنی امیہ کی قبل اسلام دشمنی بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کر آئے تو قریش کی زمام ابوسفیان نے سنبھال لی تھی۔

میدان بدر میں جب قریش کے بڑے بڑے سردار مار ڈالے گئے تو اُحد میں قریش کی قیادت ابوسفیان نے ہی کی تھی اور بدر کے مقتولوں کا بدلہ لیا۔ ہندہ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے صلہ میں اپنے غلام وحشی بن حرب (۱) کو آزاد کر دیا تھا۔

---

(۱) وحشی نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اکثر کہا کرتا تھا: ''میں نے حالت کفر میں اُحد کی لڑائی میں ''خیر الناس''، یعنی عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور اسلام کی حالت میں ''شر الناس'' یعنی نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب کو مارا تھا۔ (مترجم)

Marfat.com

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتقام کے شعلوں میں پھنکتی ہوئی ہندہ جس کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے تھے، میدان میں آئی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش کو تلاش کیا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبا ڈالا۔

اس کے بعد ابوسفیان نے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے ارادے سے پوری قوت سے چڑھائی کر دی مگر خندق نے دشمن کے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ ابو سفیان نے اپنی باتوں سے لوگوں کو شیشے میں اتارا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کیا۔ اسی نے یہودیوں کو اپنی چرب زبانی سے متاثر کر کے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑنے پر مجبور کر دیا۔ فتح مکہ تک ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف محاذ آراء رہا اور طرح طرح کی چالیں اور سازشیں تیار کرتا رہا۔ فتح مکہ کے روز اس وقت اسلام قبول کیا جب اس کے سوا کوئی اور راستہ بچا ہی نہیں تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگ کچھ بھی کہتے رہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قبول اسلام کے بعد وہ مقربین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہو چکے تھے اور وحی کی کتابت کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تمام خصوصیات کے باوجود (سابقہ) دشمن اسلام ابوسفیان کے بیٹے تھے جس نے احد اور خندق کی لڑائیوں میں قریش کی قیادت کی تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر مسلمانوں کو پہلے مسلمان ''امان شدگان'' کہتے تھے یعنی جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امان دیدی تھی اور فرمایا تھا:

''جاؤ آج سے تم آزاد ہو تم سے کوئی مواخذہ نہیں''۔(۱)

اس تناظر میں اب لوگ اس بات کی توقع کر رہے تھے کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہاشمی تھے اور امیر شام اموی، اس لئے خلافت و دیگر معاملات آسانی سے طے پانے والے نہیں تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ اس خیال کے حامل تھے کہ خلافت اور نبوت دونوں چیزیں بنی ہاشم کے پاس نہیں ہونی چاہئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی ہاشم کو نبوت

۱۔ سیرۃ ابن ھشام: 424/2، تاریخ اسلام از شاہ معین الدین ندوی: 71/1

Marfat.com

سے سرفراز کر کے خیر کثیر کے چشمے عطا کر دیئے ہیں انہیں اس فضیلت پر قانع رہنا چاہیے۔

✂ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لوگوں کو اب اس بات کا خدشہ تھا کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان عداوت کی چنگاریاں پھر سے بھڑک اٹھیں گی اور مناقشت کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔ ان کی محاذ آرائی سے لوگوں کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوگا۔ امن وامان تباہ ہو جائے گا۔ وہ ایک بے یقینی کی فضا میں تھے۔ نمایاں مہاجرین وانصار اس کشمکش سے دور رہنے کیلئے کوشاں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں غیر جانبدار رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اختیار نہ کی اور دیکھتے رہے کہ آخر وقت کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو پارسائی اور نیکی میں اپنی مثال آپ تھے۔ لوگوں کیلئے قابل احترام بھی تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران تھے۔ اللہ کی خاطر سب سے پہلے تیر چلانے والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے خوش تھے۔ فاروقی شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے دینی طرز عمل کی وجہ سے لوگوں میں مقبول تھے اور اسلام کے سچے خیر خواہ تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جبری بیعت پر بھی لوگوں کے تحفظات تھے اور ان کو افق پر خطرات منڈلاتے نظر آرہے تھے۔ یہ ایک بے یقینی اور بحرانی کیفیت کا دور تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حالات سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا کی عسرت دیکھی تو دوسرے چچاؤں سے ابوطالب کی اعانت کرنے کیلئے فرمایا۔ حضرت ابوطالب کے بیٹوں کی ذمہ داری ان کے بھائیوں نے لے لی اور ان کو اپنے پاس لے گئے۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ ابوطالب کے پاس رہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کی ذمہ داری آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود سنبھال لی۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال

Marfat.com

سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش و پرداخت اسلام کے ساتھ ہی ہوئی اور شجر اسلام آپ کے ساتھ ہی پروان چڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے بہت محبت و شفقت فرماتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر بے حد اعتماد کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب دشمنان اسلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچانے کا ناپاک ارادہ کرلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا۔ آپ نے اس حکم کی نہایت جانفشانی سے تعمیل کی۔ بعد میں لوگوں کی امانتیں لوٹانے کے بعد آپ بھی مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کو آپس میں بھائی بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔ اس کے بعد اپنی پیاری صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ رضی اللہ عنہ سے کردی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن غزوات میں حصہ لیا ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہمراہ رہے۔ خطرناک جنگی مہمات میں علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی دیا جاتا۔ خیبر کے معرکہ کے وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح انداز میں ارشاد فرمایا تھا:

"کل علم اس شخص کو دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتا ہے اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے محبت کرتے ہیں"۔

اگلے روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔(۱) اسی طرح غزوہ تبوک کیلئے تشریف لے جانے لگے تو مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت اور جانشینی کے فرائض سونپتے ہوئے فرمایا:

"تم میرے لئے اسی طرح ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام تھے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔(۲)

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث: 4210، صحیح مسلم رقم الحدیث: 6223، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: 6089

۲. صحیح بخاری رقم الحدیث: 3706، صحیح مسلم رقم الحدیث: 6217، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3724، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 115، مسند احمد بن حنبل: 185/5 رقم الحدیث: 1608، صحیح ابن حبان: 370/15 رقم الحدیث: 6927

Marfat.com

حجۃ الوداع میں غدیر خم کے مقام پر فرمایا:

''جس کا میں دوست ہوں علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دوست ہے۔اے اللہ! جو علی (رضی اللہ عنہ) کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علی (رضی اللہ عنہ) سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر''۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم وحکمت سے بخوبی آگاہ تھے اور برملا فرماتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں فیصلہ کرنے کی اہلیت سب سے زیادہ ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی مشکل معاملہ درپیش آتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رجوع کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس شوریٰ کو بھی یہ بات کہی تھی کہ اگر مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام بنا لیں گے تو آپ انہیں بھٹکنے نہیں دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص وخصائل اور فضائل بے شمار ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف کے باوجود آپ کے اوصاف کے معترف تھے۔ تابعین آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اہل سنت فضائل علی رضی اللہ عنہ کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح اہل تشیع آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ آپ صلاحیتوں، فہم وفراست اور حکمت ودانش میں باکمال تھے اور اگر آپ کو سازگار ماحول ملتا تو یقیناً آپ مسلمانوں کو اس مقام پر پہنچا دیتے جس کی شروعات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کی بھی داد دینا پڑتی ہے جنہوں نے بھانپ لیا تھا کہ اگر امت مسلمہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر وامام بنا لیتی تو کبھی صراط مستقیم سے بھٹک نہیں سکتی تھی۔ کسی گمراہی یا بے راہ روی کا شکار نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔حق کے

---

۱. مسند احمد بن حنبل:281/4 رقم الحدیث:18671،سنن الکبریٰ للبیھقی:145/5رقم الحدیث:8148، مستدرك علی الصحیحین:109/3 رقم الحدیث:4576،معجم الکبیر لطبرانی:166/5 رقم الحدیث :4969، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:6103

Marfat.com

مخالفین کیلئے آپ رضی اللہ عنہ برق خاطف کی حیثیت رکھتے تھے۔لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جب ماحول اور حالات سازگار تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا اور اس کا نتیجہ نہ تو ان کیلئے بہتر نکلا اور نہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے۔اس کے بعد جب حالات بگڑ گئے،انتشار پیدا ہو گیا تو زمام اقتدار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دی گئی۔امت کی کشتی منجدھار میں تھی۔بداعتمادی اور بدگمانی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ایک دوسرے کے خلاف سرگرمیاں جاری تھیں۔ان دگرگوں حالات کو فوراً سنبھال لینا آسان نہیں تھا۔اسی بناء پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔جن لوگوں نے آپ کی بیعت کرنے سے دوری اختیار کی وہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتے تھے تاہم وہ لوگ جنہوں نے بیعت سے صاف انکار کر دیا تھا وہ نہ تو آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پسند کرتے تھے نہ آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنا چاہتے تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اردگرد دیکھا تو انہیں ان گھمبیر قسم کے حالات کا سامنا ہوا۔سب کچھ اندھیرے اور دبیز دھند میں تھا۔ایسی گھور تاریکی جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

ان سنگین حالات کے دوران بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔وہ ثابت قدمی اور خندہ پیشانی سے ان حالات کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے حق کیلئے زندگی وقف کر دی۔حق بات کہنے اور کرنے میں آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی ڈر نہیں تھا۔حق کیلئے آپ رضی اللہ عنہ نے کسی بات کی پرواہ نہ کی۔کسی خطرے کو خاطر میں نہ لائے۔آپ رضی اللہ عنہ کا منشائے حیات صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔

منصب خلافت اور بنی ہاشم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے چچا کا کہنا تھا کہ خلافت پر صرف بنی ہاشم کا حق ہے۔کسی غیر ہاشمی خاندان میں خلافت منتقل نہیں

Marfat.com

کی جاسکتی۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ سابق الایمان نہ تھے اور انہوں نے اسلام تاخیر سے قبول کیا تھا۔اگر وہ بھی پہلے ایمان لائے ہوتے تو یقیناً اپنے بھتیجے سے جانشین بننے کا پروانہ حاصل کر لیتے مگر اب ان کے نزدیک خلافت کیلئے موزوں ترین شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی کیونکہ آپ اولین ایمان لانے والوں میں سے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کی تربیت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔غزوات میں آپ رضی اللہ عنہ ہر آزمائش میں پورے اترے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہتے تھے۔

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام تھے اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا مقام تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جس کا میں دوست ہوں علی (رضی اللہ عنہ) بھی اس کے دوست ہیں۔(۱)

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بیعت کی پیشکش

اسی تناظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! ہاتھ بڑھائیں تا کہ میں آپ کی بیعت کرلوں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات میں فتنے کی بو محسوس کی اور ان کی پیشکش قبول نہ کی۔

دوسرا فرد جس نے آپ کی بیعت کا ارادہ کیا تھا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ خلافت انہیں نہیں مل سکتی۔لیکن جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ خلافت قبیلہ تیم کے ایک فرد یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی جارہی ہے اور اس کے بعد

---

۱. خصائص أمير المؤمنين على بن طالب للنسائى رقم الحديث:80,10،مسند الشاشي: 166,165/1 رقم الحديث:106،كنز العمال للامام الهندى:608/1 رقم الحديث: 32945، تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر:88/45،الاصابة فى تميز الصحابة لابن حجر:328/4

Marfat.com

اگلے خلیفہ یقیناً قبیلہ عدی کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایما پر اسلام قبول کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کا اقرار کیا تھا مگر جب تصدیق رسالت کا کہا گیا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے برملا کہا کہ اس معاملے میں اس کا دل صاف نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر قتل کی دھمکی دی تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ''محمد رسول اللہ'' بھی کہہ دیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا نکتہ نظر یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے والد عبد مناف کی اولاد سے ہیں اور اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ از روئے عصبیت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر نہ صرف یہ کہ بڑی فراخدلی سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا تھا بلکہ اس کے گھر کو جائے امن قرار دے کر اس کی عزت افزائی بھی کی تھی۔ اس لئے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہا:

''اے علی رضی اللہ عنہ! اپنا ہاتھ آگے لائیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں''۔

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ان دونوں کی بات ماننے کا مطلب فتنے کو ہوا دینے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے مترادف ہے جو آپ کو کسی طور منظور نہیں تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد انصار میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ قریش میں بھی انتشار پیدا ہو جاتا تو انجام کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو بہت سے مسلمان مرتد ہونے لگے تھے۔ زکوٰۃ سے انکاری ہو چکے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف طاقت استعمال کرنا پڑی تھی۔

اگر انصار و قریش باہم متصادم ہو جاتے تو اس سے اسلام کا تو کچھ بھلا نہ ہوتا بلکہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا۔

یہی وہ احساس تھا جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت سے منع کر دیا تھا۔ آپ اسلام کا فروغ چاہتے تھے۔

Marfat.com

آپ کا کردار و سیرت نیکی و خیر کا سر چشمہ تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنے کی بجائے ان کی بیعت کر لی تھی۔ اپنے ذاتی حق کی خاطر کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ پھر ان کا خیال تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد مسند خلافت انہی کو ملے گی۔ اپنی بیماری اور علالت کے دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں امام مقرر فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں نے انہیں اپنا امیر منتخب کر لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بخوبی جانتے تھے کہ لوگ اس معاملے میں بے قصور تھے تاہم آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس قدر خفا ضرور تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کرنے میں کافی وقت لیا اور تاخیر سے بیعت کی۔ خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر سے اس بات پر خفا تھیں کہ انہیں ان کے باپ کی میراث سے محروم رکھا گیا تھا اور ان کے مطالبے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث دہرائی تھی:

''ہم نبیوں کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے اور اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا'' (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بیعت کیلئے تشریف لائے تو اس تاخیر کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''میں جمع قرآن میں مصروف تھا اور میں نے عہد کیا تھا کہ اس فریضے کی تکمیل کے بعد ہی گھر سے باہر قدم دھروں گا''۔ (۲)

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بات تسلیم کر لی۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ برس سے زائد تھی جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تیس برس کے مضبوط

---

۱. صحیح بخاری رقم الحدیث:4033،صحیح مسلم رقم الحدیث:1757،سنن ابی داؤد رقم الحدیث: 2963،سنن الترمذی رقم الحدیث: 1610،مسند حمیدی رقم الحدیث:22،مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث:9772،سنن الکبریٰ للبیہقی:297/6،شرح السنۃ للبغوی رقم الحدیث:2738،مسند البزار رقم الحدیث:255

۲. مصنف ابن ابی شیبہ:545/10 رقم الحدیث:10279، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر: 305،304/45،کتاب المصاحف لابن ابی داؤدص: 161,162 رقم الحدیث:31 ،طبقات الکبریٰ لابن سعد:338/2،التمہید لابن عبد البر:300/8

Marfat.com

جوان تھے۔ تابناک مستقبل ان کا منتظر تھا۔ آنے والے دنوں میں آپ کو اپنا حق ملنے ہی والا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے آخری دور میں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دینی فرائض کا امام مقرر فرمایا تھا مگر لوگوں نے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی اپنا امیر منتخب کر لیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا اور کسی نے اس انتخاب پر اعتراض نہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا احساس ہوا کہ انصار تو خلافت کو قریش کا حق تسلیم کر چکے تھے مگر قریش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کیلئے منتخب نہیں کیا تھا اور جن دلائل پر انصار کو قائل کیا تھا خود ان کے قائل نہیں ہو سکے تھے۔ انصار قریش کے منتخب کردہ کسی بھی فرد کی بیعت کرنے کیلئے آمادہ رہتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں فتنے کے دروازے بند رکھنے کیلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو اسی خیال کے پیش نظر ان کی بیعت بھی کر لی۔ اپنے حق کیلئے احتجاج بلکہ اظہار تک بھی نہ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ صبر و استقامت کے کوہِ گراں تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خنجر سے شہادت کے بعد جب چھ رکنی شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا تو اس وقت بھی آپ نے کوئی آواز بلند نہ کی۔ قریش نے بھی آپ کی حمایت کیلئے کوئی اقدام نہ کیا۔ آپ کیلئے کوئی تحریک چلائی نہ کوئی قرارداد پیش کی۔ ہاں کچھ لوگوں نے کسی حد تک آپ رضی اللہ عنہ کی حمایت کا اعلان ضرور کیا مگر ان کی آواز اتنی کمزور تھی جو لوگوں میں کوئی انقلابی سوچ پیدا نہ کر سکی۔ ان لوگوں کے پاس ایمانی جذبہ تھا۔ اسلام کی طاقت تھی مگر خاندانی عصبیت نہیں تھی۔ ان میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ شامل تھے۔

تاریخ کے اس موڑ پر ایک بار پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اسی طرح بیعت کر لی جس طرح شیخین کی کی تھی اور جس خلوص اور معاونت کا مظاہرہ ان کے ساتھ کیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی روا رکھا۔

Marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور ابتلاء میں آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو بھرپور ساتھ دیا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے دورِ ماضی کے پیش نظر اپنی خلافت کا مطالبہ نہ کیا یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بہ اصرار آپ رضی اللہ عنہ کو امت مسلمہ کی امامت کیلئے مائل کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اس فتنہ سے امت مسلمہ کو آپ رضی اللہ عنہ ہی بچا سکتے ہیں۔ باغیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بیعت نہ لینے پر سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دیں مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک حامی نہیں بھری جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو مجبور نہیں کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آخر ان کی بات مان لی لیکن کسی کو اپنی بیعت کیلئے مجبور نہیں کیا۔ جنہوں نے اپنی رضامندی سے بیعت کی ان سے بیعت لے لی اور جنہوں نے بیعت میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا ان سے صرف نظر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ باب العلم تھے اسلئے وہ اپنے عہد کے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ ان میں قیادت کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں موجود تھیں مگر ان کو جو سیاسی ماحول ملا اس میں نہ تو ان کے علم سے کماحقہ استفادہ کیا گیا اور نہ ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو آزمانے کا صحیح موقع فراہم کیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بیعت کیلئے مجبور نہیں کیا تھا اور انہیں ان کے حال پر ہی رہنے دیا تھا تاہم کئی تاریخ نگار کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت سے آزاد نہیں رہنے دیا گیا تھا۔

جہاں تک میرا خیال ہے ان حضرات پر بھی بیعت کیلئے جبر نہیں کیا گیا تھا اور ان دونوں نے اپنی خوشی سے برضا و رغبت بیعت کی تھی۔ یہ دونوں حضرات خود چل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بیعت کرلی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ تقاضائے وقت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی سخت ضرورت تھی۔ اس لئے کہ وہ دونوں کوفہ اور بصرہ میں انتہائی اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ یہی دو شہر تھے جہاں سے بغاوت کی لہر اٹھی تھی۔ لوگوں کا

Marfat.com

یہ بھی ماننا تھا کہ بغاوت میں ان دونوں کی مرضی بھی شامل تھی۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی توقعات کے مطابق پورے نہ اترے تو ان دونوں نے بھی اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی کوفہ وبصرہ میں قوت وطاقت کا ادراک ہوگا تو وہ ان دونوں کو بھی شریک اقتدار کر لیں گے۔ بعد میں یہ اقتدار اس انداز میں تقسیم ہوگا کہ:

۱۔ مصر، حجاز، شمالی افریقہ کے تمام تر مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکمرانی ہوگی۔

۲۔ بصرہ اور اس کے ملحقہ علاقوں پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حاکم ہوں گے۔

۳۔ کوفہ اور اس سے آگے کے تمام علاقوں پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت ہوگی۔

ان دونوں کا خیال تھا کہ جب خلافت تین حصوں میں ہوگی تو اس کی طاقت بھی تین گنا بڑھ جائے گی۔ اس طرح شام کا معاملہ بھی آسانی سے نمٹا لیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو گورنر مقرر کرنے سے انکار فرما دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کوشش کی کہ وہ ان دونوں کو مدینہ میں اپنے پاس روکے رکھیں۔ جس طرح انہوں نے نمایاں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ میں ہی روکے رکھا تھا۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی سخت گیری اختیار نہ کی جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

ان دونوں نے جب اجازت طلب کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں آپ دونوں سے الگ رہ کر بے چینی محسوس کروں گا اس لئے
میری خواہش ہے کہ آپ دونوں میرے ساتھ رہیں''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بڑی شفقت اور محبت سے ادا کی تھی۔ ان دونوں پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ نظام حکومت دوبارہ رائج کرنا چاہتے ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے متروک ہو چکا تھا۔ انہیں اندازہ ہوا کہ انہیں ایک معینہ وظیفہ تو ملے گا مگر عہد عثمانی کی نرمی، رواداری اور چشم پوشی سے جو کچھ مل جایا کرتا تھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دَور میں وہ نہیں ملے گا۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حکم کے بعد ان کی زبان پر کوفہ و بصرہ کی امارت کی بات نہ آئی اور دونوں رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے معاملات کے متعلق غور و فکر کرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صوبوں کے گورنر

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گورنری کی خواہش اپنے دل سے کھرچ نہیں سکے تھے۔ بقول بلاذری مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ نظام حکومت مضبوط کرنے کیلئے امیر شام کو بدستور رکھا جائے جبکہ عراق کے دونوں مذکورہ شہروں پر حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو مقرر کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مشورے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

''بصرہ اور کوفہ مال و دولت کے سرچشمے ہیں اور اگر حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو ان کا گورنر بنا دیا گیا تو یہ مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے دردسر بن جائیں گے نیز شام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بدستور رہنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلافت مسلمہ کیلئے بہتر نہیں ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مغیرہ کی رائے پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے کو ترجیح دی۔

دیگر مؤرخین نے اسی بات کو دوسرے انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے عثمانی گورنروں کو ایک سال تک برقرار رکھنے کا مشورہ اس لئے دیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی معلوم ہو سکے اور اس طرح لوگ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہو جاتے نیز مختلف گورنر بھی اپنی اپنی وفاداری کا اعلان کر دیتے۔ جب سال کا عرصہ تمام ہو جاتا تو آپ رضی اللہ عنہ جو تبدیلی مناسب سمجھتے لے آتے۔

یہ ایک سیاسی چال تھی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نفرت تھی اسی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ فوراً ہی مسترد کر دیا۔

Marfat.com

اگلے روز مغیرہ بن شعبہ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی:

''میں نے اپنا خیال بدل ڈالا ہے اور مجھے آپ رضی اللہ عنہ کی رائے سے کامل اتفاق ہے''۔

مغیرہ واپس جا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مغیرہ کی آمد کی بابت پوچھا اور پھر واقف حال ہو کر عرض کی:

''کل اس کی رائے اخلاص پر مبنی اور آپ رضی اللہ عنہ کے مفاد میں تھی آج کی بات فریب کاری اور دھوکہ ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بڑے اصرار سے عرض کی:

''اگر باقی گورنروں کو تبدیل کرنا ہے تو بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہر صورت برقرار رکھیں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو امارت شام کی پیشکش کی مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے معذرت کر لی۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عثمانی گورنروں کو کسی صورت برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ خود ان کے ناقد اور نکتہ چین رہے تھے اور ان کے طرز عمل سے نالاں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انہیں معزول کرنے کا مشورہ دیتے آ رہے تھے۔ اگر اب انہیں برقرار رکھتے تو یہ بات ان کی صداقت و دیانت کے منافی ہوتی۔ پھر یہ بات سیاست کے بھی برعکس تھی۔ باغی صرف خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ اس پورے سیٹ اپ کو تبدیل کر دینا چاہتے تھے۔ اس طرح گورنروں کی تبدیلی پہلا مرحلہ تھا۔ حضری ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تو شاید لوگ برداشت کر لیتے کیونکہ وہ ان لوگوں کا اپنا انتخاب تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اس خیال سے کہ کہیں کوفہ والے فتنہ برپا نہ کر دیں ان کی پسند کو منظور کر لیا تھا۔

اہل مدینہ کی بیعت کے معاملے سے فراغت پا کر آپ رضی اللہ عنہ نے نئے صوبائی گورنروں کا تقرر فرمایا تاکہ نظام خلافت صحیح طور پر قائم ہو سکے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائی طور

Marfat.com

پر جو گورنر مقرر فرمائے۔

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

گورنر بصرہ

آپ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر ایک معزز انصاری حضرت عثمان بن حنیف کا تقرر فرمایا۔

گورنر شام

شام کا گورنر حضرت سہل بن حنیف کو مقرر کیا جو عثمان بن حنیف کے بھائی تھے۔

گورنر مصر

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا گورنر بنایا گیا۔ اس انتخاب سے انصار کو خوش کرنا بھی مقصود تھا۔

گورنر کوفہ

کوفہ کے گورنر کے طور پر آپ نے عمارہ بن شہاب کا تقرر فرمایا مگر ان کو دھمکا کر واپس کر دیا گیا نیز یہ بھی کہا گیا کہ اہل کوفہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو اپنا گورنر نہیں مانیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے خود اپنی اور اہل کوفہ کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دی۔

گورنر یمن

یمن پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو عثمانی گورنر یعلیٰ بن امیہ مکہ چلے گئے تاہم جاتے جاتے خزانے کا مال بھی ساتھ ہی لیتے گئے۔

گورنر مکہ

مکہ پر بنی مخزوم کے خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بطور گورنر مقرر کیا گیا تاہم اہل مکہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خط کو چھین کر چبایا اور آب زمزم میں پھینک دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر اپنے اپنے صوبہ جات کی جانب عازم سفر ہو

Marfat.com

گئے۔قیس بن سعد مصر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں عوام الناس کی بیعت حاصل کرنے میں کامیاب رہے البتہ ایک گروہ نے خربتیہ کے مقام پر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے پر امن احتجاج کیا۔

عثمان بن حنیف بصرہ پہنچے تو پہلے گورنر عبداللہ بن عامر مال ومتاع لے کر مکہ جا کر مقیم ہو گئے۔عوام نے نئے گورنر کی پذیرائی کی۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ گذشتہ روایت کے برعکس جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ پر کوئی نیا گورنر بنا کر نہیں بھیجا تھا اور لوگوں کی رائے کو مقدم رکھتے ہوئے سابق گورنر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بدستور بحال رکھا تھا۔

سہل بن حنیف کا معاملہ

حضرت سہل بن حنیف جب حدود شام میں داخل ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سرحدی دستے نے ان کو روک لیا۔آپ نے جب بتایا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر بن کر آئے ہیں تو انہوں نے حضرت سہل بن حنیف کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔آپ واپس آئے تو لوگ یہ معاملہ جان کر پریشان ہوئے اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ امیر شام نے مرکز سے محاذ آرائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے آپ کی رائے معلوم کی کہ اس صورت حال کے پیش نظر آپ بھی ہتھیار اٹھائیں گے،صلح کے لئے مذاکرات کریں گے یا پھر مناسب وقت کا انتظار کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اس لئے جھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔دوسری طرف آپ کسی سیاسی مصلحت اور چالبازی کے قائل نہیں تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کا ظاہر و باطن ایک شفاف آئینہ تھا۔تاہم آپ رضی اللہ عنہ نے اتمام حجت کے طور پر مسور بن مخرمہ کو خط دے کر روانہ فرمایا۔اس خط میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا کہ وہ آپ کی بیعت کر لیں اور امرائے شام کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آجائیں۔اس خط میں ان کے بدستور امیر رہنے کا

Marfat.com

ذکر نہیں تھا۔ بروایت دیگر یہ مکتوب آپ نے سیرا جہنی کے ہاتھ بھیجا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خط پر کسی فوری اور خاص ردعمل کا اظہار نہ کیا قاصد کو انتظار کرنے کا کہا اور خود اپنی حکمت عملی شروع کر دی۔ قاصد جب بھی جواب کا تقاضا کرتا اسے ایسے اشعار سناتے جن میں جنگ کے مہیب اور خوفناک مناظر کی منظر کشی کی گئی تھی۔

امیر شام کا اعلانِ جنگ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ شہادت کے تیسرے ماہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی عبس کے ایک شخص کو قاصد بنا کر ایک خط دے کر مدینہ منورہ بھیجا۔ جس پر ''از طرف معاویہ بن ابوسفیان بطرف علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب'' جلی حروف میں لکھا تھا۔ قاصد کو تاکید کی گئی کہ وہ مدینہ پہنچ کر اس خط کا خوب چرچا کرے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کرے قاصد نے جب مدینہ میں لوگوں کو یہ خط دکھایا تو لوگ متجسس ہو کر ایک ہجوم کی شکل میں اس کے ہمراہ بیت علی رضی اللہ عنہ جا پہنچے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکتوب کھولا تو اس میں صرف ایک ہی سطر پائی۔ جب قاصد سے اس کی بابت پوچھا گیا تو اس نے جان کی امان پا کر کہا:

> ''اہل شام قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے پر تل چکے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ لوگوں کے سامنے لٹکا دیا گیا ہے۔ لوگ یہ خون آلود پیرہن دیکھ کر غم سے دھاڑیں مارتے اور خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ شام والے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا ملزم آپ رضی اللہ عنہ کو گردانتے ہیں۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے خون سے ہاتھ رنگنے کے علاوہ اور کسی بات پر راضی نہیں ہوں گے''۔

جب عبسی قاصد باہر نکلا تو ایک مشتعل ہجوم نے اسے گھیر لیا اور وہ بڑی مشکل سے وہاں سے نکل پایا۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکابرین مدینہ کو طلب کیا جن میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کی جنگی دھمکی سے آگاہ فرمایا اور ان لوگوں سے کہا کہ اس سے پہلے کہ فتنے کی آگ پوری طرح بھڑک کر بے قابو ہو جائے اور اس سے پہلے کہ شامی دستے مدینہ کی طرف پیش قدمی کریں انہیں حملہ کر کے وہیں روک دیا جائے۔ حاضرین نے اس خطاب پر کوئی گرم جوشی نہ دکھائی۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی پہلو تہی

اس اجلاس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پرزور انداز میں مکہ جانے کی اجازت مانگی اور کہا کہ اگر انہیں اجازت نہ دی گئی تو وہ اپنی مرضی سے خود ہی مکہ روانہ ہو جائیں گے۔ بیشتر مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی تھی کہ وہ عمرہ ادائیگی کیلئے بیت اللہ شریف جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ وہ ان کی طرف سے کامل اطمینان رکھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شام سے جنگی تیاریوں میں لگ گئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ کی راہ لی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ شامی خطرے سے نمٹنے کی تیاریوں میں مشغول ہی تھے کہ مکہ سے پریشان کن خبریں آنے لگیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان اطلاعات پر نئی حکمت عملی ترتیب دی اور پہلے اس دشمن کی طرف متوجہ ہو گئے جو بغل سے حملہ آور ہونے کیلئے پر تول رہا تھا۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اندوہناک سانحہ پیش آیا تو اس وقت حج کا موقعہ تھا۔ حجاج کرام اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد لوٹ رہے تھے کہ ان کو یہ روح فرسا

Marfat.com

خبر ملی۔ اس خبر کو سن کر بہت سے لوگ واپس مکہ چلے گئے۔ جو حجاج مدینہ آ گئے انہوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی مگر مکہ جانے والے نئے خلیفہ کے خلاف غم و غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ مدینہ سے بھی جو لوگ بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے وہ بھی مکہ آ رہے تھے کیونکہ مکہ امن و امان اور عافیت کی جگہ تھی اور اس طرح وہ لوگ آنے والے دنوں کے انتشار سے گوشہ عافیت میں محفوظ رہ سکتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں گھڑ سواروں کو بھیجنے لگے تو حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے آ کر آپ کو یقین دلایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ کے خلاف کسی سرگرمی یا تحریک کا حصہ نہیں بنیں گے۔

عثمانی گورنروں میں سے بھی اکثر موقع پا کر مکہ جا رہے تھے۔ اس وقت مکہ میں حسب ذیل چیدہ چیدہ لوگ موجود تھے۔

☆ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

☆ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

☆ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ

☆ مروان بن الحکم

☆ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے درج ذیل ازواج اس وقت مکہ المکرّمہ میں موجود تھیں:

☆ ام المومنین حضرت حفصہ بنت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما

☆ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

☆ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ کی جانب

Marfat.com

روانہ ہوئیں۔ راستے میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی افسوسناک خبر ملی اور لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ہو چکی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ تیم سے تھے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مسرت آمیز اطمینان ہوا۔ اسی اثناء میں ایک اور شخص نے انہیں حقائق سے آگاہ کیا کہ بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہوئی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ انہیں واپس مکۃ المکرّمہ لے چلیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی واپسی سے مشہور ہو گیا کہ آپ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خفا ہیں۔ واقعہ افک کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی تھی کہ آپ بے شک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیں۔ آپ سے عقد کرنے کیلئے اور مستورات بھی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں سورہ نور کی پہلی سترہ آیات نازل ہوئیں۔ تاہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو فراموش نہیں کر سکی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں نرمی بھی تھی اور شدت بھی۔ عربی ادب کے بہت سے اشعار آپ رضی اللہ عنہا کی نوک زبان پر رہتے اور آپ رضی اللہ عنہا برمحل انہیں استعمال کرتیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عالم نزع میں تھے آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لعمرك ما يغني والثراء عن الفتىٰ

اذ حشرجت يوما وضاق بهاالصدر

”قسم ہے زندگی کی، میں نے دیکھا ہے کہ حالتِ نزع میں دولت و ثروت مفید نہیں رہتی۔“

اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تم اس موقع پر یہ آیت نہیں پڑھ سکتیں۔“

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ.

Marfat.com

ترجمہ: ''موت کی سختی آن پہنچی یہی وہ لمحہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

﴿سورۃ ق آیت 19﴾

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں پیش پیش رہتی تھیں اور ان کے گورنروں کے طرز عمل پر بھی کھل کر تنقید کرتی تھیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو برسر منبر برا بھلا کہہ رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے سے بلند آواز میں بول پڑی تھیں۔ اس سلسلے میں بعض راویوں کا کہنا ہے کہ بغاوت کے محرکات میں سے آپ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل بھی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت محبت کرتے تھے اور پیار سے حمیرا کہہ کر پکارتے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہا اولاد سے محروم رہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاحبزادے کو جنم دیا، جن کا نام ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا گیا اور وہ اٹھارہ ماہ کی عمر میں کوچۂ ماریہ رضی اللہ عنہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش میں دم توڑ گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی ولادت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسل انہی سے چلا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا تھا جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیوہ اور محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت و پرورش حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ غالباً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے بھی پسند نہیں فرمایا تھا یہی سبب ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم ہوا کہ اہل مدینہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا راستے سے ہی واپس آگئیں۔ لوگ آپ کے خیمہ کے گرد جمع ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رویے سے تنگ آ کر ہم نے ان پر تنگی و سختی کی جس پر وہ شرمندہ ہوئے اور عذر خواہی کی۔ مسلمانوں نے ان کی بات مان لی۔ اس کے بعد شر پسندوں اور دیہات والوں نے نہایت ظالمانہ طریقے سے ان کا قتل جائز قرار دیا۔ یہ قتل حج کے مقدس ماہ اور مدینہ منورہ کے مقدس مقام میں کیا گیا۔''

Marfat.com

اہل مکہ کا بیعت علی رضی اللہ عنہ سے انکار

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باتوں سے لوگوں نے ان کی حمایت کی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا اُم المومنین تھیں، امت میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

مکہ میں بے چینی پیدا ہو رہی تھی اور بغاوت کا دھواں اُٹھنے لگا تھا۔ اسی دوران میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خالد بن عاص بن مغیرہ کو مکہ المکرّمہ کا گورنر مقرر فرمایا تو لوگوں نے بیعت سے واضح انکار کر کے پروانہ چاہ زمزم کی نذر کر دیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اتحاد نے اہل مکہ کے حوصلے اور بھی بلند کر دیئے۔ گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف کیمپ ایک کی بجائے دو ہو چکے تھے۔ ایک تو شام تھا اور دوسرا مکہ۔

لوگوں نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ اسلام کی شیرازہ بندی کیلئے اس صورت حال کا تدارک ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور اس کے بعد خلافت کا معاملہ دیکھا جائے۔ مسلمان اپنی آزاد مرضی اور رائے سے جس کا انتخاب بھی کریں گے قبول کر لیا جائے گا اور اس سلسلہ میں کسی جبر یا ترغیب سے کام نہیں لیا جائے گا۔ جب اس کیلئے لائحہ عمل تیار کرنے کا مرحلہ آیا تو کچھ حضرات نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کیا جائے مگر بعض نے اسے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ غزوۂ خندق کو دہرانے والی بات ہوگی اور ویسے بھی مدینہ کی عسکری قوت کا مقابلہ کوئی آسان بات نہیں۔

کچھ حضرات نے کوفہ جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی تجویز دی۔ یہ تجویز بھی ناقابل عمل قرار پائی کیونکہ کوفہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کسی طور بھی اس امر کی اجازت نہ دیتے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والی بغاوت میں بھی اہل کوفہ کا کردار نمایاں رہا تھا اس لئے اس سے موافقت کی بجائے مخالفت کا زیادہ

Marfat.com

اندیشہ تھا۔

اس کے بعد بصرہ کا مقام منتخب کیا گیا جس کا ایک سبب یہ تھا کہ عبداللہ بن عامر کو اہل بصرہ پر اپنے گذشتہ احسانات کے باعث حمایت کا پورا یقین تھا۔ اگرچہ یہ تحریک مکہ سے بھی شروع کی جا سکتی تھی مگر اس سے حرم کا تقدس پامال ہونے کا اندیشہ تھا۔ دوسری جانب انہیں شام کی طرف سے کامل اطمینان تھا۔ یہ لوگ اگر عراق اور سرحدی علاقوں پر قابض ہو جاتے تو حضرت امیر معاویہ مصر پر قبضہ کر کے انہیں اس جانب سے بھی کسی حملے کے خطرے سے بے فکر کر دیتے۔

مکہ سے روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ عبداللہ بن عامر اور یعلیٰ بن امیہ نے سامان حرب وضرب میں فراخدلانہ مدد دی۔

3000 افراد کا لشکر کوچ کرنے کیلئے تیار تھا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا:

''بصرہ تک آپ بھی ہمارے ہمراہ چلیں''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''تم دونوں مجھے جنگ پر آمادہ کر رہے ہو؟''

''ہرگز نہیں! ہم تو آپ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کیلئے اور صرف اس لئے لے جانا چاہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بات مان کر بصرہ والے بھی قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینے کیلئے تیار ہو جائیں گے''۔

دونوں نے بیک زبان اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا تو آپ رضی اللہ عنہا ان کی بات مان گئیں۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ آپ رضی اللہ عنہا لوگوں کے بہکاوے میں آئیں اور اسی طرح اہل شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے ساتھ جانے کیلئے راضی کر لیا مگر ان کے بھائی نے یہ آیت سنا کر انہیں روک لیا:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی

Marfat.com

وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۔

ترجمہ: ''اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے بناؤ سنگھار کا اظہار کرتی نہ پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اس کے سوا نہیں کہ اللہ چاہتا ہے اے اہل بیت! کہ تم سے آلودگی دور فرما دے اور تمہیں خوب (ہر طرح سے) پاک وصاف رکھے۔''

﴿سورۃ الاحزاب آیت 33﴾

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سنتے ہی اپنے قدم روک لیے۔

لشکر پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ تشویشناک خبریں ملیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے شام سے نبرد آزمائی کا خیال چھوڑ کر پہلے داخلی بغاوت کو کچلنے کا ارادہ فرما لیا۔

جس طرح اور جن حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی تھی اس کی مثال پہلے خلفاء کی خلافت میں نہیں ملتی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کسی بھی صحابی نے ان کی مخالفت نہ کی۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو کچھ رنجش تھی مگر وہ بھی کوئی زیادہ بڑی بات نہ تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کسی نے اختلاف نہ کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی خندہ پیشانی سے قبول کیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو بعض صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے بھی اختلاف کیا جن میں عشرہ مبشرہ میں سے بھی صحابی شامل تھے۔ کچھ کا خیال تھا کہ وہ شورش سے بچنے کیلئے غیر جانبدار رہیں گے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تلواریں بے نیام کرنے کیلئے بے چین تھے۔

Marfat.com

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لے جارہے تھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ جب تک شورش کے منڈلاتے ہوئے بادل مدینہ منورہ کی فضا پر سے چھٹ نہیں جاتے اور مطلع صاف نہیں ہو جاتا آپ رضی اللہ عنہ ان معاملات سے لاتعلق ہو کر مکہ (بروایت دیگر اپنی زمینوں پر منبع) چلے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حالات سے لاتعلق رہنا پسند نہ فرمایا اور مدینہ میں موجود رہنے کو ترجیح دی۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر اپنے والد گرامی کو مشورہ دیا:

"آپ رضی اللہ عنہ ان معاملات سے کنارہ کش ہو کر کہیں تشریف لیجائیں اور جب عرب والوں کی گمشدہ عقل واپس آجائے، حالات سازگار ہو جائیں تو واپس تشریف لے آئیں۔ انہوں نے ایک مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کسی بل میں بھی ہوں گے تو لوگ وہاں سے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو واپس لاکر آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں گے اور آپ رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے از خود کچھ نہیں کہنا پڑے گا"۔

اسی دوران آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی عرض کی کہ عراق کا قصد نہ فرمائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ وہاں تنہا جان سے چلے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان دگرگوں حالات میں بھی اپنا یہ فرض نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان مشوروں میں سے کسی ایک پر بھی عمل کرنا پسند نہ فرمایا۔ اس ضمن میں انہوں نے حالات کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سختی اور نرمی دونوں طریقوں سے کام لیا تھا اور ان کی صحیح رہنمائی کرنے کی پوری کوشش فرمائی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بھی سمجھایا اور انہیں بغاوت سے روکتے رہے۔ خلیفہ کی

Marfat.com

ہر طرح سے مدد جاری رکھی۔ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے ہرگز ہرگز اپنی بیعت کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور لوگوں نے خود آپ رضی اللہ عنہ کو بیعت پر مجبور کر دیا۔ باغی اس طرح اپنی بغاوت کے انجام سے بچنا جانتے تھے۔ مہاجرین وانصار نے بہ اصرار آپ رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کیا تا کہ اللہ کی شریعت کا نفاذ عمل میں آسکے۔

اس وقت مدینہ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا گویا لشکر شام اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو کھلی چھوٹ دینا تھا کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ جب دشمن سر پہ آن پہنچتا تو اس وقت ان کے مقابلے میں نکلنے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیعت سے انکار پر آپ رضی اللہ عنہ نے شام پر حملہ کا جو ارادہ کیا تھا بالکل درست تھا کیونکہ اس وقت تک اکثریت آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکی تھی۔ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مخلصانہ اور منصفانہ روش اختیار کرتے تو انہیں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینی چاہیے تھی۔ اطاعت کے بعد وارثانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لاتے اور قصاص کا مطالبہ کرتے۔ مگر ان کو قصاص سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بدظن ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد ان کیلئے اقتدار کی راہ ہموار ہوگئی تو انہیں نہ تو قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی جستجو رہی اور نہ ان کے لبوں پر قصاص کا لفظ آیا۔ اس وقت انہیں اتفاق واتحاد اور امن کی فضا بہت بھلی لگ رہی تھی۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نے جب بیعت کر لی تھی تو ان کا بھی فرض تھا کہ وہ اسے نبھاتے۔ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مطیع رہنا پسند نہیں کرتے تھے تب بھی انہیں چاہیے تھا کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح علیحدگی اختیار کر لیتے لیکن مسلمانوں کو خانہ جنگی کی ہولناک جنگ میں نہ دھکیلتے اور نہ مسلمانوں میں اختلاف ڈالتے جس کے نتائج کا ذکر آئندہ اوراق میں آرہا ہے۔

یوم جمل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک سے بھی پتا چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی

Marfat.com

توقیر کا کتنا خیال رکھتے تھے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد انہی جیسا خلیفہ نہیں چاہتے تھے تو اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے باہمی مشورہ سے خلیفہ کا انتخاب ہوتا تو بھی ہم دیکھتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت باہمی مشورے سے طے نہیں پائی تھی بلکہ اتفاقی امر تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو شر سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت بھی باہمی مشورے کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے یہ نامزدگی محبت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں قبول کر لی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خلافت کیلئے انتخاب بھی کامل رضامندی سے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ اصحاب قریش کی ایک شوریٰ مقرر کر کے حکم دیا تھا کہ اتفاق رائے سے اپنے میں سے ایک خلیفہ منتخب کر لیں۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کی بہتری کیلئے جو مناسب سمجھا کر دیا۔

ان واقعات کے تناظر میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان تمام اصحاب کا جو اِن معاملات سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو چکے تھے فرض تھا کہ وہ سب بخوشی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے اور ان کے ہاتھ مضبوط کرتے۔ اس کے بعد باغیوں نے جن معاملات میں بگاڑ پیدا کر دیا تھا ان کی اصلاح کرتے۔ نظام خلافت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرتے تاکہ آئندہ خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ جیسے حالات پیدا ہونے کے امکانات تک معدوم ہو کر رہ جاتے۔ مسلمان آنے والے فتنوں اور مصیبتوں سے بچ جاتے۔ لیکن وہ لوگ اس وقت ہمارے دل و دماغ سے نہیں بلکہ اپنے عقل و شعور سے کام لے رہے تھے اور انہوں نے جس چیز کو بہتر اور مناسب خیال کیا اسے اپنا لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آغاز میں جس قسم کی صورت حال پیدا

Marfat.com

ہو گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابتدائے خلافت میں اسی قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُس وقت عربوں نے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکمل حمایت وتعاون حاصل تھا اس لئے وہ فتنہ وفساد کے ان شعلوں کو بجھانے میں کامیاب رہے۔ انہوں نے عربوں کو مختلف شہروں کی فتوحات کیلئے روانہ فرما دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے یہ پالیسی جاری رکھی اور فتوحات کے دائرے کو مزید بڑھا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تسخیر کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ لوگوں میں بدلاؤ آ چکا تھا۔ مسلمان آپس میں ہی دست وگریبان ہو گئے تھے۔ سرحدوں پر متعین لشکروں میں سے بھی اکثر واپس آ کر اس خانہ جنگی میں کود پڑے تھے۔ رومی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں تھے اور اپنے مقبوضات واپس لینا چاہتے تھے۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں کچھ مال دے کر صلح نہ کر لیتے تو شاید وہ شام پر تو حملہ کر ہی دیتے۔ جب حالات دوبارہ سازگار ہوئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ رومیوں سے نمٹنے کیلئے تیار ہو چکے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ کی جانب چل پڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توجہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہٹ کر ان کی نقل و حرکت کی جانب مبذول ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو سمجھانے اور واپس لانے کا فیصلہ کیا۔ دوسری جانب اس نئی شورش کے باعث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکسوئی سے طاقت اکٹھی کرنے اور فوجی تیاریوں کا بھرپور موقع مل گیا تھا۔ اس کے ساتھ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خفیہ چالیں چلنا بھی شروع کر دی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے تو لوگوں نے اسے نیک شگون نہ سمجھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تینوں کو سمجھانے جا رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اندازہ نہیں تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو رہے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کو جلد

Marfat.com

ہی منا کر اپنے ساتھ مدینہ لے آئیں گے اور پھر مدینہ آ کر امور خلافت سر انجام دیں گے۔
ابھی آپ رضی اللہ عنہ کچھ ہی دور پہنچے تھے کہ اطلاع ملی کہ وہ لوگ کافی آگے نکل گئے ہیں اور اس وقت تک غالباً اہل بصرہ کو جا کر بیعت سے روک رہے ہوں گے۔ اس کے باوجود آپ نے احتیاط سے کام لیا اور کوشش کی کہ فوراً ہی محاذ آرائی شروع نہ ہو جائے بلکہ مذاکرات کے ذریعے مصالحت کا ڈول ڈالا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکمت عملی کے طور پر کوفہ میں اپنے قاصد روانہ کر دیئے تا کہ ان کو اپنی حمایت پر مائل کر سکیں اور اگر ان کا تعاون حاصل ہو جائے تو خلافت کو مزید استحکام حاصل ہو گا۔

کوفہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کوفہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ حاکم کوفہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس دلیل کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت سے روکنے میں مشغول تھے کہ جن لوگوں کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ معرکہ آراء ہونے والے تھے وہ کافر نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار اور کلمہ گو مسلمان تھے انہوں نے مسلمانوں کے باہم لڑنے کو اچھا متصور نہیں کیا تھا۔

تاہم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں لے چکے تھے اور خود بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے۔ اس صورت حال میں وہ لوگوں کو خلیفہ کی حمایت کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔ اگر وہ اس صورت حال کو پسند نہیں کرتے تھے تو وہ مستعفی ہو سکتے تھے مگر خود بیعت کرنے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم شہر کا منصب قبول کر لینے کے بعد اب خلیفہ کے حکم سے پہلو تہی کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں تھا۔ ان کے اس طرز عمل پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے انہیں معزول کر دیا۔ ان کی جگہ قرظہ بن کعب انصاری کو کوفہ کا نیا گورنر مقرر کر دیا

Marfat.com

گیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کی حمایت و معاونت کیلئے بھیجا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق اشتر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوفہ جانے کی اجازت مانگی اور اس کے بعد کوفہ جا کر اپنے قبیلہ کے طاقتور لوگوں کو ساتھ لے کر گورنر کی رہائش پر حملہ کر کے ان کا مال اور بیت المال میں جو کچھ تھا، سمیٹ لیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو برطرف کر دیا گیا جس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اشتر نے اہل کوفہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت پر تیار کر لیا اور انہیں ساتھ لے کر ذی قار کے اس مقام پر آن پہنچے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ خیمہ زن تھے۔

اہل بصرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

اہل بصرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کر چکے تھے اور آپ کے مقرر کردہ عامل عثمان بن حنیف کے مطیع تھے مگر جلد ہی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے زیر اثر آ گئے۔

اس پر عثمان بن حنیف نے عمران بن حصین خزاعی (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابو الاسود کو ان سے گفت و شنید کے لئے بھیجا۔

انہوں نے جا کر پوچھا:

''آپ لوگوں کے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟''

انہوں نے جواب میں کہا:

۱۔ ہم خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے حل کرنا چاہتے ہیں۔

۲۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کا بدلہ چاہتے ہیں۔

سفیروں کی مزید کوئی بھی بات انہوں نے سننے سے انکار کر دیا۔ دونوں نے واپس آ کر گورنر کو بتایا کہ وہ لڑائی کے علاوہ اور کوئی بات نہیں مانتے۔

Marfat.com

اہل بصرہ اور لشکر عائشہ رضی اللہ عنہا

اس پر عثمان بن حنیف اپنے دستوں کے ساتھ باہر آ گئے۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نے سامنے آ کر اپنے اپنے خطاب میں وہی باتیں دہرائیں جو قاصدوں کو بتائی تھیں۔ اہل بصرہ کے مقررین نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ان مکتوبات کا حوالہ دیا جن میں قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر ابھارا گیا تھا۔ اس کے بعد لوگ مختلف آراء ہو گئے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم حق پر ہیں اور کچھ انہیں غلطی پر سمجھتے تھے۔ اہل بصرہ آپس میں ہی الجھنا شروع ہو گئے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خطاب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ناقہ پر سوار سامنے آئیں اور آپ رضی اللہ عنہا نے بڑے فصیح وبلیغ انداز میں فرمایا:

''تم لوگوں کی خاطر ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے کوڑے اور مصائب کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ کیا ان کی خاطر ہم غیض میں نہیں آ سکتے؟ سنو خلیفہ کو ظلم سے قتل کیا گیا۔ وہ مظلوم تھے۔ یہ درست ہے کہ ان سے غلطیاں ہوئیں۔ ہم نے انہیں ٹوکا اور سختی کی جس پر وہ نادم ہو کر تائب ہوئے۔ انہوں نے توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیا، لوگوں کی شکایات دور کیں اس کے بعد ان کے خلاف بغاوت اور ان کے بہیمانہ قتل کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ یاد رکھو! ان کے قاتلوں نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین حرمتیں بھی پامال کر دی ہیں۔

۱۔ حرمت خون

۲۔ حرمت ماہ

۳۔ حرمت شہر

Marfat.com

شورش

یہ خطاب نہایت توجہ سے سنا گیا مگر سکوت ہوتے ہی لوگوں میں بھنبھناہٹ اور پھر بلند شور دوبارہ شروع ہو گیا۔ تائیدی اور تردیدی فقرے اچھلنے لگے۔ لوگ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر ایک دوسرے کو نازیبا الفاظ کہنے لگے۔ گورنر کے ساتھ ابھی بھی چاک و چوبند دستے مستعد کھڑے تھے۔ اس معرکہ آرائی میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ تاہم جلد ہی بیچ بچاؤ کرا دیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف نہیں لاتے، مصالحت کی جائے۔ ایک عہد نامہ مرتب ہوا جسکے مطابق عثمان بن حنیف کو بدستور گورنر رکھا گیا اور اسلحہ خانہ و بیت المال انہی کے قبضے میں رکھا گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بصرہ میں کامل آزادی سے رہنے کی اجازت دی گئی۔

شب خون

امن و امان بحال ہو گیا تھا۔ عثمان بن حنیف معمول کے مطابق امامت کے فرائض اور دیگر امور سرانجام دینے لگے۔ بصرہ میں آنے والے نئے لوگوں نے سوچا کہ اگر وہ یہیں ٹھہرے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے تو ان سب کے سر قلم کر دیئے جائیں گے۔ ان لوگوں نے گورنر پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنا لیا۔

ایک اندھیری اور طوفانی رات میں انہوں نے عثمان بن حنیف پر اس وقت شب خون مارا جب وہ نماز عشاء میں مشغول تھے۔ ان کو بری طرح زدوکوب کرنے کے علاوہ ان کی داڑھی اور مونچھیں بھی نوچ گئیں۔ انہوں نے اس کے بعد بیت المال کے چالیس عجمی پہریداروں کو تہ تیغ کر دیا۔ گورنر کو قید کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جس پر اہل بصرہ کی اکثریت کو اس عہد شکنی اور فریب کاری پر دکھ ہوا۔ قبیلہ ربیعہ کا دستہ حکیم بن جبلہ عدی کی قیادت میں ان لوگوں سے نبرد آزمائی کی خاطر شہر کے ایک جانب جمع ہو گیا۔

Marfat.com

حکیم ربیعی کا قتل

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس دستے پر دھاوا بول کر ستر کے قریب افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حکیم ابن جبلہ نہایت دلیری سے لڑتا ہوا کام آیا۔ ازاں بعد اس کے قصاص کا معاملہ بہت شدت اختیار کر گیا۔ واقعات کے مطابق حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک آدمی نے اس پر تلوار سے ایسی ضرب لگائی کہ اس کی ٹانگ کٹ کر علیحدہ ہوگئی۔ حکیم نے اپنی قطع شدہ ٹانگ اٹھا کر اسی کی ضرب سے حملہ آور کو چاروں خانے چت کر دیا۔ اس نے اس وقت رجزیہ انداز میں کہا:

یا نفس لا تراعی
ان قطعوا کراعی
ان معی ذراعی

''اے دل!
کچھ خدشہ نہیں میرا پیر کاٹ دیا گیا تو کیا ہوا
میرے ہاتھ تو سلامت ہیں''

شدید زخموں کی حالت میں وہ بدستور لڑتا رہا اور جوش سے یہ رجز پڑھتا رہا:

لیس علیّ فی الممات عار
والعار فی الحرب ھوالفرار
ولمجد الّایفضح الذّمار

''مرنا کوئی شرم ناک بات نہیں!
بلکہ شرم تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے میں ہے
بڑائی تو تب ہے جب جان دے کر
عزت وغیرت بچالی جائے''

اور اسی طرح بہادری سے لڑتا ہوا وہ دم توڑ گیا۔

Marfat.com

گورنر بصرہ کا معاملہ

اہل بصرہ نے بیعت علی رضی اللہ عنہ توڑنے کے علاوہ عثمان بن حنیف کے ساتھ عہد شکنی کا جرم بھی اپنے کھاتے میں لکھوالیا تھا۔ جن لوگوں نے اس ردعمل پر تنقید کی ان کو قتل کر دیا گیا۔ یہ لوگ گورنر کو بھی قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب انہیں سرزنش کی گئی کہ شہر کے پولیس افسران کے بھائی سہل بن حنیف ہیں جو اس جرم کی پاداش میں انہیں جانوں سے محروم کر دیں گے تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔ وہ بصرہ سے نکل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور بعد میں باتوں کے دوران مزاحیہ انداز میں کہا:

''آپ نے تو ایک بوڑھے کو گورنر بنا کر بھیجا تھا مگر وہ جوان بن کر لوٹا ہے''۔

اس واقعہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ عبدالقیس کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کا اعلان کر دیا جو حکیم ابن جبلہ کے قتل پر سخت مشتعل تھے۔

حرقوص بن زہیر کے لوگ اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد احنف بن قیس کی قیادت میں یہ لوگ چھ ہزار کی تعداد میں کنارہ کش ہو گئے۔ حرقوص بن زہیر نے ہی عثمان بن حنیف پر سخت حملہ کیا تھا۔

اب انتشار کا عالم تھا۔ کچھ لوگ اس انتظار میں تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچیں تو ان کی حمایت کا اعلان کریں۔ کچھ لوگ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم میں بھی اس بات پر مناقشت تھی کہ نماز میں امامت کون کرائے گا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ دونوں باری باری امامت کرائیں گے۔

چشمہ حواب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب دوران سفر ایک چشمہ پر پہنچیں تو وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ جب پتہ چلا کہ یہ حواب کا چشمہ ہے تو یاد آ گیا کہ نبی

Marfat.com

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز فرمایا تھا کہ تم میں سے کون ہے جس پر چشمہ حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہا نہایت ملول خاطر اور پریشان ہوئیں تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں اطمینان دلانے کیلئے بنو عامر کے پچاس لوگوں سے گواہی دلا دی کہ یہ چشمہ حواب نہیں ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ پہنچے تو اس وقت وہاں بدگمانی اور انتشار کا ماحول تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے سب سے زیادہ اہل تھے اور یہ انہی کا حق تھا۔ اس بات پر انہیں کامل یقین تھا۔ آخر جب حقدار کو اس کا حق مل گیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت سنبھال لی تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو غزوات میں شریک رہے تھے، ہر امتحان سے سرخرو نکلے تھے، جنہیں طاقت سے دھمکایا نہیں جا سکتا تھا، لالچ سے جھکایا نہیں جا سکتا تھا، اپنی آزاد مرضی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو دین کی خاطر گردن کٹا سکتے تھے ان کے گلوں میں زبردستی خلافت کا طوق ڈالنا کسی طور ممکن نہیں تھا۔

جن لوگوں نے بیعت میں تامل کیا انہیں مجبور نہ کیا گیا۔ ان کے عذر قبول کیے گئے۔ ان پر کسی جبر یا دباؤ کی اجازت نہ دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ضمانت اپنے ذمے لی۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو بھی مجبور نہیں کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے حمایت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دونوں خود ذاتی طور پر خلافت کے مدعی تھے اس لئے اگر وہ بیعت سے آزاد رہتے تو کسی بھی وقت باعث شورش ثابت ہو سکتے تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل شام کے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے اور اس کے بعد طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی عہد شکنی کے باعث ان کی جانب متوجہ ہو چکے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ کے دل

Marfat.com

میں کوئی وسوسہ یا تشکیک نہیں تھی۔ البتہ کئی مواقع پر فرماتے:

''اگر مجھے علم ہو جاتا کہ نوبت یہاں تک جا پہنچے گی تو میں اس میں شریک نہ ہوتا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باعث اُمت مسلمہ شدید فتنے اور انتشار میں گھر جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اُمت مسلمہ کا اتحاد اور مستقبل عزیز تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت بھی اسی صبر واستقلال کا مظاہرہ کر سکتے تھے جس کا پہلے تین خلفاء کی بیعت کے مواقع پر کیا تھا۔ اب جبکہ خلافت کی بیعت ہو چکی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ قدم آگے بڑھا چکے تھے تو پیچھے ہٹنا کسی طور بھی مستحسن نہیں تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

''واللہ میں اپنے رب کی طرف سے روشن راستے پر ہوں۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا اور نہ کبھی مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔ نہ تو میں راستے سے بھٹکا ہوں اور نہ میری وجہ سے کوئی گمراہ ہوا ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی بھی پورے یقین اور اعتماد سے ان کے ساتھ بصرہ کی جانب گامزن تھے۔ چند ساتھیوں نے اپنے اطمینان کی خاطر ان سے سوال کیا:

''بصرہ کا قصد کرنے اور ہم لوگوں کو ساتھ لانے سے آپ رضی اللہ عنہ کیا مقصد رکھتے ہیں؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بصرہ جانے کا میرا مقصد یہ ہے کہ میں اہل بصرہ سے آپ لوگوں کی موجودگی میں ملوں۔ ان پر سچ واضح کروں اور دعوت امن پیش کروں۔ اپنے دلائل سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کروں اور اتحاد و یگانگت کی راہ نکالوں''۔

''اگر سچ قبول نہ کیا گیا دعوت امن ٹھکرادی گئی؟''

انہوں نے خدشات کا اظہار کیا۔

Marfat.com

''میں جنگ میں ہرگز پہل نہیں کروں گا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوٹوک جواب دیا۔

''لیکن اگر انہوں نے پہل کر دی تو؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''تو پھر میں حق کی خاطر اس وقت تک لڑوں گا جب تک وہ حق کو تسلیم نہ کرلیں''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

اس کے بعد چند اور لوگوں نے ایک اور سوال پوچھا:

''جو لوگ اس لڑائی میں مارے جائیں گے ان کا انجام آخرت میں کیا ہوگا؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''جو خلوص نیت سے حق کی خاطر لڑے گا۔ شہید کا مقام پائے گا۔''

ایک اور نے ایک نیا سوال داغ دیا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باطل پر متحد و متفق ہو جائیں؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''تم حقیقت کو سمجھ نہیں پائے۔ حق و باطل انسانی اقدار سے پہچانا جاتا ہے اگر حق کو پہچان لو گے تو اہل حق کو پہچان لو گے۔ باطل کو سمجھ لو گے تو اہل باطل کی سمجھ آجائے گی۔''

میرا خیال ہے کہ اس سے زیادہ جامع و مفصل جواب اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ سلسلہ وحی کے اختتام کے بعد کوئی بھی خطا سے نہیں بچ سکتا خواہ وہ کتنا ہی عالی مقام کیوں نہ ہو۔ کوئی کسی بھی حیثیت میں حق کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نور بصیرت میں آگے بڑھ رہے تھے۔ مسلمانوں پر تلوار نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ مگر بوقت ضرورت ایسا ممکن بھی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق اور صلح کیلئے بحث کرنا چاہتے تھے اور جنگ میں کسی طور پہل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر متحد تھا جبکہ اہل بصرہ کشمکش میں

Marfat.com

تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا مقصد روشن اور واضح تھا۔ اب بصرہ کے لوگ فتنہ کے ڈر سے ادھر اُدھر ہو رہے تھے۔ بہت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آن ملے جس سے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی تعداد مزید بڑھ گئی۔ اہل دیہہ بھی آ رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں تشریف لاتے ہی اپنے سفیروں کا وفد حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔

مذاکرات

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ وہ جائزہ لیں کہ آخر ان لوگوں کے مقاصد کیا ہیں۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور عرض کی:

''اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! بصرہ آنے میں آپ رضی اللہ عنہا کی کیا غرض ہے؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''لوگوں میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کی اصلاح''

اس پر قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو بھی شریک گفتگو کر لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

جب دونوں آ گئے تو قعقاع نے اپنے سوال اور اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے جواب سے انہیں آگاہ کیا اور پوچھا:

''کیا آپ اس جواب سے اتفاق کرتے ہیں؟''

انہوں نے اقرار کیا تو پوچھا:

''اصلاح سے آپ لوگوں کی مراد کیا ہے؟ اگر یہ معقول بات ہوئی تو ہم بھی مان لیں گے''۔

Marfat.com

''جب تک مسلمانوں کے مظلوم خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل سزا نہیں پائیں گے حالات معمول پر نہیں آسکیں گے''۔انہوں نے جواب دیا۔

قعقاع رضی اللہ عنہ بولے:''قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے 600 لوگوں کو تو آپ نے قتل کر کے سزا دے ڈالی۔حرقوص بن زہیر ہی بچ سکا جس کے بعد اس کا قبیلہ غضبناک ہو کر آپ کے خلاف ہوا اور اسی قتل کی وجہ سے مضر اور ربیعہ کے لوگ بھی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ یہی سلوک اگر دوسرے شہروں کے ساتھ بھی ہوا تو ایسی تباہکاری کا سامنا ہوگا جس کے بعد آبادی کی اُمید تک نہیں رہے گی''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:''تم کیا کہتے ہو؟''

قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ معاملہ طے کرنے کیلئے پرسکون حالات کی ضرورت ہے۔جب غیض وغضب کی آگ کے شعلے کم ہو جائیں گے۔لوگوں کا اعتماد پھر سے بحال ہو جائے گا تو اس وقت فتنہ پرور لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا۔ جو بات عرض کر رہا ہوں مجھے اس کا پورا ہونا دکھائی نہیں دیتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملات نہایت پیچیدہ رُخ اختیار کر چکے ہیں۔اُمت مسلمہ مصیبتوں کے طوفان میں گھر چکی ہے۔یہ ایک ایسی آزمائش ہے جس سے بغیر نصرت الٰہی کے نکلنا ممکن نہیں''۔

انہوں نے قعقاع رضی اللہ عنہ کی باتوں میں معقولیت اور وزن پایا اور کہا:

''ہمیں آپ کی بات سے اتفاق ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکتہ نظر بھی یہی ہے تو ہم صلح کیلئے تیار ہیں''۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ خوش اور مطمئن ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی ساری بات سن کر خوش ہوئے۔مضری اور ربعی لوگ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آتے جاتے تھے وہ بھی صلح کی بات پر مطمئن دکھائی دیتے تھے۔

غالباً یہ کسی غالی کی گھڑی ہوئی روایت ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے بغاوت جیسا

Marfat.com

سنگین جرم کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا صلح کی گفت وشنید سے ڈر گئے تھے اور انہیں اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔

دوسری طرف دشمنان اسلام منافقین سبائیوں نے جو کہ اصل اس فتنے کے بانی تھے انہوں نے رات کو خفیہ میٹنگ طلب کی۔ بالکل ویسے ہی جیسے دارالندوہ میں قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کی تھی اور شیطان وہاں ایک نجدی بوڑھے کے روپ میں شامل ہوا تھا۔

اِس میٹنگ میں شیطان کا کردار ادا کرنے والا عبداللہ بن سبا (ابن السودا) یہودی تھا جو آخر میں ایمان لایا تھا اور مسلمانوں کو باہم لڑانے اور ان کا دین خراب کرنے کیلئے مختلف شہروں میں گھومتا رہتا تھا۔ اس قصے کے مطابق اسی نے مسلمانوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اُبھارا تھا۔

جب بات شروع ہوئی تو وہ ہر مشورے کو احمقانہ قرار دے کر رد کر دیتا۔ آخر ایک رائے ابن السودا کو بھا گئی۔ جس طرح شیطان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ابوجہل کی رائے کو سراہا تھا۔

منصوبہ یہ طے پایا کہ فی الوقت تو خاموشی اختیار کرلو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں جنگ کی ابتداء کر کے صلح کی ان کوششوں کو سبوتاژ کر دو۔

اس قصے کے مطابق ان لوگوں نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے صلح کے معاملے میں پیش رفت شروع کی تو ان کی بے خبری میں اچانک جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے گئے۔ (حملہ رات کی تاریکی میں کیا گیا دونوں لشکروں پر تیر برسائے گئے اور ہر فریق نے اس کا ذمہ دار دوسرے فریق کو ٹھہرایا)۔

یہ قصہ قابل قبول نہیں اور اس کے رد کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اتنے بے خبر بھی نہیں تھے کہ ان کے کیمپ کے اندر انہی کے افسر یہ خوفناک سازش تیار کر رہے ہوں اور وہ اس سے غافل رہیں۔

اس حوالے سے جن مؤرخین نے حد اعتدال میں رہتے ہوئے ذمہ داری کے

Marfat.com

ساتھ یہ واقعات قلمبند کیے ہیں وہ فطری ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بصرہ کے نواح میں مذاکرات ہوئے جو بے نتیجہ ثابت ہوئے اور ان کا نتیجہ پھر وہی نکلا جس کی توقع ان حالات میں کی جا سکتی تھی۔(۱)

جنگِ جمل

بصرہ کے قاضی حضرت کعب بن ثور قبول اسلام سے قبل نصرانی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام قبول کر کے نیکی اور صدق کی بدولت ممتاز مقام پایا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا اور عہد عثمانی میں بھی وہ بدستور اپنے منصب پر رہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گورنر نے بھی انہیں برقرار رکھا۔ جب دور فتنہ آ گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بصرہ آئیں تو انہوں نے صلح کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ پھر اپنے قبیلہ ازدو کو بصرہ سے لے جانا چاہا مگر سردار قبیلہ صیرہ بن شیمان نے کہا:

"کیا آپ حرمِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کو یونہی چھوڑ کر چلے جائیں گے؟"

اس کے بعد انہوں نے ان حالات سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہی تو بھی کامیابی نہ ہوئی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں قسم دے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے اس پر سر تسلیم خم کر دیا مگر پھر بھی صلح کیلئے کردار ادا کرتے رہے تا کہ کہیں فریقین میں لڑائی کا سلسلہ نہ شروع ہو جائے۔

اس طرح کے حالات میں سنجیدہ ترین لوگ بھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور نادان فوراً ہی غضبناک ہو جاتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر صاحب اس مقام پر روایات کی تحقیق میں سہو کا شکار ہوئے ہیں، حالانکہ جنگِ جمل کے آغاز کا سبب سبائیوں ہی کا فتنہ تھا اور یہی روایت سند مضبوط ہے جس کو صاحب کتاب کمزور کہہ رہے ہیں اس شبہ کا ازالہ ہم تفصیل سے کتاب کے آغاز میں "حرفِ چند" میں کر چکے ہیں۔

Marfat.com

آخر فریقین مد مقابل ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کو بات چیت کے لئے بلایا۔

جب وہ آ گئے تو پوچھا:

"کیا تم دونوں نے میری بیعت نہیں کی؟"

"وہ بیعت ہم نے مجبوراً کی تھی خلافت پر آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہمارا حق ہے۔"

انہوں نے جواب دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"تم اپنی عصمت حفاظت سے چھوڑ آئے ہو اور اپنے مقصد کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کو ساتھ لائے ہو؟"

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا:

"ہم تجھے عبدالمطلب کی اولاد سمجھتے تھے اور تیرے ناخلف بیٹے نے تجھے ہم سے جدا کر ڈالا ہے۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہے وہ اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکل کر اپنے پھوپھاؤں کا حامی بن گیا جو قبیلہ تیم سے تھے اور یہ نہ سوچا کہ اس کا باپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔

اس کے بعد زبیر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ مخاطب ہو کر فرمایا:

"کیا تمہیں یاد ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم ظالم ہو کر میرے خلاف لڑو گے؟"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو وہ حدیث اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قرابت یاد آ گئی اور کہا:

Marfat.com

"مجھے یاد ہوتا تو میں آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف نکلتا ہی کیوں؟ لیکن اب مجھے یاد آ گیا ہے اور اب کبھی آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں لڑوں گا"۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واپس آئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"مجھے اس معاملے میں معقولیت کی کوئی بات نظر نہیں آ رہی اس لئے میں اب اس سے لاتعلقی اختیار کر رہا ہوں۔"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

یہ وہ مقام ہے جہاں تاریخ نگار مختلف الرائے ہو جاتے ہیں۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وہاں سے رخصت ہو گئے اور وادی الباع میں ابن جرموز نے ان کو دھوکے سے وار کر کے شہید کر دیا۔ اس کا حکم احنف بن قیس نے دیا تھا اور کچھ کا کہنا ہے کہ اس نے ازخود ان کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔

دیگر مؤرخین کا کہنا ہے کہ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وہاں سے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (آپ کے بیٹے) نے اسے بزدلی پر محمول کیا اور کہا:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم تلے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی موت دکھائی دے رہی ہے"۔

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ لڑنے کا عہد کر لیا ہے"۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اس کا حل بھی ہے آپ رضی اللہ عنہ اپنی اس قسم کے کفارہ کے طور پر اپنے غلام سرجیس کو آزاد کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اٹھا لیں"۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ مان لیا اور پھر شکست اٹھا کر اپنی جان سے گئے۔

تاہم مجھے پہلی روایت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نرم دل اور خدا خوف انسان تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے انس فرماتے تھے۔ بصرہ میں

Marfat.com

حالات کا مشاہدہ کر کے آپ رضی اللہ عنہ بہت پریشان تھے اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یاد آ گیا:

و یحك یا ابن سمیة! تقتلك الفئة الباغیة

''اے ابن سمیہ! افسوس کہ تو ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہوگا''۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کہیں وہ بھی اسی باغی گروہ کے ساتھ تو نہیں اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بات چیت کے بعد ان پر حقیقت واضح ہوگئی تو انہوں نے لڑنے سے پہلوتہی کی۔

آپ رضی اللہ عنہ وادی الباع چلے گئے جہاں انہیں فریب سے قتل کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کا گہرا دکھ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے قاتل کو نار جہنم کی وعید سنائی۔ ان کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا:

''یہ وہ تلوار ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو بارہا کاٹتی رہی ہے''۔

لہٰذا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا اور واپس لوٹ گئے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

باقی لوگوں نے اس کے بعد لڑائی شروع کر دی جو دوپہر تک جاری رہی۔ مروان بن الحکم نے موقع پا کر طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنے تیر کا نشانہ بنا ڈالا جو انہی کی جماعت میں تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی حالت میں بھی ساتھیوں کو جوش دلاتے رہے۔ مروان نے اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو کہا کہ میں نے تمہارے والد کا انتقام حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے لے لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے کبھی قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی بات نہیں کی۔

Marfat.com

یہ لوگ شکست سے دوچار ہوئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ ان کا غلام انہیں بصرہ کے ایک خالی مکان میں لے گیا جہاں طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بہتے ہوئے لہو کو دیکھ کر اپنی موت کا یقین کر لیا اور فرمایا:

''اے اللہ! قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ مجھ سے لے لے تا کہ ان کی رُوح سکون پائے''۔

اس کے ساتھ ہی بظاہر لڑائی اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے۔ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ کوئی کسی کے گھر میں گھسنے کی کوشش نہ کرے۔ کسی عورت پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو''۔

اس کے بعد پھر سے شور بلند ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ پر لعن کر رہی ہیں اور لوگ ان کی حمایت میں آواز بلند کر رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو لوگ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیج رہے ہیں انہوں نے ہی تو قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا جرم کیا۔ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ پر اللہ کی لعنت ہو۔''

لڑائی کا منظر

اس روز حضرت علی رضی اللہ عنہ مذاکرات کے بعد جان گئے تھے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ لڑائی سے باز نہیں رہیں گے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''خبردار لڑائی کی ابتداء نہ کرنا اور میرے حکم کے بغیر آگے مت بڑھنا''۔

دوسری جانب بصرہ کے نوجوان لشکر علی رضی اللہ عنہ پر تیر اندازی کرتے اور کئی لوگ زخمی

Marfat.com

ہو گئے۔ اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی کی اجازت نہ دی۔

اس کے بعد ایک کوفی جوان کو قرآن حکیم دے کر دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ وہ لوگوں کو قرآن کی طرف آنے کی دعوت دے۔

یہ نوجوان جب فریقین کے درمیان پہنچا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ راویوں کے مطابق اس نے قرآن دائیں ہاتھ میں اٹھا لیا تھا جب وہ زخمی ہوا تو بائیں میں پکڑ لیا اور جب کسی نے اس پر وار کر کے وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا تو دانتوں میں پکڑ لیا۔ آخر وہ جوان دعوت قرآن دیتا ہوا جان قربان کر گیا۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دستوں کو حرکت کا حکم دیا۔ اس معرکہ کا آغاز دوپہر سے پہلے ہوا اور وقت زوال تک پہلے معرکے میں فریق مخالف کو شکست سے دوچار کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حجرہ مسجد سے لا کر اونٹ پر بٹھایا گیا۔ جس کے ہودج کو زرہوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر لوگ عصمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پروانہ واران کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ نئے جوش کے ساتھ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔

جب یہ نیا ولولہ دیکھا تو ایک بار پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ کعب بن ثور قرآن مجید گلے میں ڈال کر درمیان میں کھڑے ہو کر دہائی دینے لگے مگر لشکر علی رضی اللہ عنہ سے سپاہیوں نے تیر چلا کر انہیں اسی انداز میں مار ڈالا جس طرح صبح کوفی جوان کو مارا گیا تھا۔ یہ غالباً اسی نوجوان کا بدلہ تھا۔

سخت خون ریز لڑائی کے بعد فریقین کے ہاتھ شل ہو گئے مگر لڑائی کا فیصلہ نہ ہو پایا۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے ہاتھوں اور ٹانگوں پر حملے کیے جانے لگے۔ ہاتھ پیر کٹ کٹ کر گرنے لگے مگر ابھی تک ناقہ جس پر ام المومنین رضی اللہ عنہا سوار تھیں میدان میں موجود تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں/ ان کے ساتھی یہ رجز یہ کلام پڑھ رہے تھے۔

Marfat.com

یا اُمنا عائش لا تراعی
کل بینك بطل المصاع

"اے مادر محترم!
ذرا سا بھی فکر نہ کریں
تمہارا ہر بیٹا ایک خطرناک جنگجو ہے"
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی بھی آگے بڑھتے اور حملہ کرتے ہوئے پکار پکار کر کہتے:

یاامنا اعقّ اُمّ نعلم
والأم تغذو ولدها و ترحم
أَما ترین کم شجاع یکلم
و تختلی منه ید ومعصم

"اے ماں! اگر چہ ماں اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے
مگر آپ نامہربان ہو رہی ہیں
دیکھیں کتنے بہادر زخمی ہو رہے ہیں
کتنوں کے ہاتھ پیر کٹتے جا رہے ہیں۔
اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھی گرج کر کہتے:

نحن بنوضبة اصحاب الجمل
ننازل القِرن اذا القِرن نزل
والقتل أَشهی عندنا من العسل
ننعی ابن عفّان بأَ طراف الاسل
ردوا علینا شیخنا ثم بجل

"ہم بنی ضبہ کے جوان
اونٹ والے لوگ کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

ہم اپنے ان ہم پلہ لوگوں سے لڑتے ہیں جو سامنے آئیں
ہم قتل و غارت کو شہد سے زیادہ پسند کرتے ہیں
ہمیں ہمارا سردار ابن عفان رضی اللہ عنہ چاہیے
نیزوں کی نوک پر
ہمیں ہمارا سردار واپس دو۔ اور بس!''

شدید لڑائی کے دوران بہت سے جوان اونٹ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ جو بھی ناقہ کی جانب بڑھتا گویا موت کی جانب بڑھتا اور جان سے جاتا۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکار کر فرمایا:

''اونٹ کی کونچیں کاٹ دو، ذبح کر دو اسے، اگر یہ اونٹ باقی رہا تو عرب باقی نہیں رہیں گے''۔

ایک جوان آگے بڑھا اور اپنی کاٹ دار تلوار سے اونٹ پر کاری ضرب لگائی جس کے ساتھ ہی اونٹ بلبلاتا ہوا پہلو کے بل زمین پر آ رہا۔ فوراً محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ہودج اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ ہودج پر کمبل ڈال دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامی منتشر ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرو کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی''۔

محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر اندر کیا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

عرض کیا: ''آپ کا وہ رشتہ دار جس پر آپ بہت ناراض ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خثعمیہ کا بیٹا؟''

جواب دیا: ''ہاں! وہی اور آپ کا بھائی محمد۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ تیر کا ایک ٹکڑا ان کے بازو میں ہے اور تکلیف دے رہا ہے۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ٹکڑا نکال دیا۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ غصے میں تشریف لائے مگر کمال ضبط سے دریافت کیا:

''اے ارم کی ہمشیرہ! اللہ کی کارسازی کیسی ہے؟''

فرمایا: اے ابن ابی طالب ! تمہیں فتح حاصل ہوئی۔ اب اپنے غضب پر فتح حاصل کر کے نرمی اختیار کرو''۔

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے''۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ کو بھی اللہ معاف فرمائے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو بصرہ میں لے جائیں۔ چنانچہ وہ آپ رضی اللہ عنہا کو عبداللہ بن خلف خزاعی کے ہاں لے گئے جہاں کچھ دن آپ نے قیام فرمایا۔

جمل کے بعد

یوم جمل تاریخ اسلام کا وہ سیاہ ترین دن تھا۔ جب مسلمانوں نے مسلمانوں کے لہو سے ہاتھ رنگے۔ بہترین لوگوں نے بہترین لوگوں کو قتل کیا۔ عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم کام آئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا گہرا دکھ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ مقتولین کو دیکھتے اور فرماتے:

أشکو ألیك عجری و بجری

شفیت نفسی و قتلت معشری

''اے اللہ! میں اپنے غم اور دکھوں کی تجھی سے فریاد کرتا ہوں میں نے اپنے دل کی پیاس تو بجھالی مگر اپنی قوم کو قتل کر دیا''۔

یہ روز گویا ایام جاہلیت کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ شاید اس روز فتنے نے مسلمانوں کو اس قدر پریشان کن حالات نے اب آنکھوں کے سامنے تاریکی کر دی تھی جس سے انہیں کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

Marfat.com

دونوں جانب سے لڑنے والے مسلمان تھے اور ہر ایک خود کو حق پر سمجھ کر اللہ کیلئے لڑ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس معرکہ آرائی سے قبل ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمادیا:

"جس نے حصول رضائے الٰہی کے مقصد کے پیش نظر لڑائی کی اور قتل ہوا وہ شہید ہے"۔

لڑائی ختم ہوتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام امان کا اعلان فرمادیا۔ اہل بصرہ کے گھوڑے اور ہتھیار بطور مال غنیمت تقسیم کردیئے گئے۔ میدان سے اہل بصرہ کا سامان اٹھا کر مسجد میں رکھ دیا گیا اور اعلان کرادیا کہ جن لوگوں کا وہ مال ہو آ کر لے جائیں۔

فاتح اور مفتوح نہایت دل گرفتہ اور غمگین تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ لوگوں کو تدفین کی اجازت دی۔ قطع شدہ اعضاء جمع کرا کے ایک الگ گڑھے میں دفن کرادیئے۔ تین دن بصرہ سے باہر ہی قیام فرمایا اور پھر بصرہ میں تشریف لائے۔

فطری طور پر یہ حادثہ مسلمانوں کیلئے نہایت افسوسناک تھا۔ شعراء اور داستان گوؤں نے مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہوئے بہت سے رجز گھڑ لیے۔ تاہم ادب اپنی پوری قوت اور لوازمات کے ساتھ اس دردناک سانحہ کو بیان کرنے سے قاصر رہا جس میں بھائیوں نے بھائیوں کے گلوں پر تلوار چلادی تھی۔

قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

"آج تک تم لوگ اس اونٹنی کا دودھ دوہتے رہے مگر اب دودھ کی بجائے خون برآمد ہوگا"۔

غور فرمایئے اس تبصرے میں کس قدر صداقت تھی۔

فریقین میں سے جو لوگ قتل ہوئے راویوں نے ان کی تعداد دس سے بیس ہزار تک بیان کی ہے۔ مبالغہ کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ بصرہ کا ایک بڑا حصہ ماتم کدہ بن چکا تھا۔ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے پہلے چند ماہ کے اندر ہی یہ خونریز واقعہ پیش آ گیا۔ مسلمانوں کو خوش بختی اور برکت کی بڑی توقع تھی مگر سب کچھ ان کی توقعات کے برعکس ہوا۔

Marfat.com

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں

تین یوم بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے مسجد میں نماز ادا کی شام تک لوگوں سے ملتے رہے اور پھر چند ساتھیوں کے ساتھ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ملنے گئے۔ جب عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر پہنچے تو گھر کی مالکہ صفیہ بنت حارث عبدربہ نہایت درشتی سے پیش آئی اور کہنے لگی:

"آپ دوستوں کے قاتل ہیں، انتشار برپا کرنے والے، جس طرح آپ نے عبداللہ کے بیٹوں کو یتیم کیا ہے اسی طرح آپ کے بیٹے بھی یتیم ہو جائیں"۔

اس کا شوہر عبداللہ بن خلف اور بھائی عثمان اسی معرکہ میں قتل ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے اور بیٹھنے کے بعد فرمایا:

"صفیہ نہایت درشتی سے پیش آئی ہے میں نے اسے تب دیکھا تھا جب یہ چھوٹی سی تھی اور اس کے بعد آج دیکھا ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھوڑی دیر بات چیت کے بعد جب آپ رضی اللہ عنہ واپس جانے کیلئے اٹھے تو صفیہ نے پھر راہ روک لی اور وہی جلی کٹی دہرانے لگی۔ جب وہ کسی طور چپ نہ ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں چاہتا ہوں ان بند دروازوں کو کھول دوں اور ان کے پیچھے جو لوگ موجود ہیں سب کو قتل کر دوں"۔

یہ سنتے ہی صفیہ کی زبان کو تالا لگ گیا۔ دراصل ان کمروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامی زخمیوں کو رکھا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو قتل نہیں کرنا چاہتے تھے مگر اس بات سے صفیہ ضرور چپ ہوگئی اور آپ رضی اللہ عنہ کے راستے سے ایک جانب ہوگئی۔

Marfat.com

چند افراد نے جب صفیہ کو پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سختی سے انہیں منع کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ تو مشرک عورتوں سے بھی تعرض نہیں کرتے تو مسلمان مستورات کی توہین کیسے کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں حکم دے دیا کہ اگر مجھے علم ہوا کہ کسی خاتون کے ساتھ غلط اور ناروا سلوک ہوا ہے تو اسے سخت سزا دوں گا۔ اس لئے اگر کسی عورت سے تمہیں تکلیف پہنچے یا وہ تمہیں برا بھلا کہے تو بھی اسے کچھ نہ کہا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور بتایا کہ دو کوفیوں نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سناتے ہوئے بلند آواز سے کہا:

''ہماری ماں کو اپنے نامہربان ہونے کا سبق ملا''۔

''اے مادر محترم! اپنے قصور پر اللہ سے توبہ کریں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو طلب کر کے باز پرس کی اور یہ بات ثابت ہونے پر پہلے تو فرمایا:

''ان دو کی گردنیں تن سے الگ کر دو''۔

اس کے بعد سزا میں کمی کرتے ہوئے فرمایا:

''دونوں کو سو سو کوڑے مارے جائیں''

اہل بصرہ کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کا سلوک مثالی اور نہایت کریمانہ تھا۔

قوت رکھنے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے عفو و درگزر سے کام لیا۔ کامل اختیار کے باوجود ان لوگوں سے کوئی انتقام لینے کی بجائے نرمی سے کام لیا۔ اس کے بعد جب آپ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوئے تو ہر چھوٹے بڑے، تندرست اور بیمار سے بیعت لی۔ جنگ میں زخمی ہونے والوں نے بھی بیعت کی۔ فراغت کے بعد بیت المال میں آئے اور جو مال جمع تھا سب لوگوں میں بانٹ دیا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ اس مال میں سے اہل بصرہ کو کچھ نہیں دیا گیا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

''اگر اہل شام پر فتح ہوئی تو اسی قدر مال ان کو بھی دیا جائے گا''۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ طبری اور راویان طبری کے بقول سبائی بصرہ سے کوفہ چلے گئے تھے۔ غالباً یہ ان کا اظہار ناراضی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کسی ممکنہ فساد کے پیش نظر فوراً کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے مگر وہاں حالات معمول پر ہی تھے۔

ممکن ہے ان نو واردوں نے امن کے پرسکون ماحول میں ہلچل مچانے کی کوشش کی ہو مگر اہل کوفہ کے عدم تعاون سے ناکامی سے دوچار ہوئے۔ ان لوگوں کا احتجاج بھی اُشتر کے احتجاج جیسا ہی تھا۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تو اُشتر نے احتجاج کرتے ہوئے کہا:

''اگر صورت حال بدستور ہی رہنا تھی اور پرانی روش میں بدلاؤ نہیں آنا تھا تو ہم نے خواہ مخواہ اس پیر ضعیف کے خون سے ہاتھ کیوں رنگے؟ کیوں اس بوڑھے خلیفہ کا قتل کیا؟ اس وقت بصرہ کے گورنر عبداللہ، یمن پر عبیداللہ اور مکہ کے گورنر قثم ہیں۔ یہ سب لوگ بنو عباس رضی اللہ عنہ سے ہیں''۔

بقول راویان طبری اُشتر ان الفاظ میں دل کا غبار نکالنے کے بعد بڑی سرعت سے کوفہ روانہ ہو گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اسے کسی منصوبے پر عمل پیرا ہونے سے قبل ہی روک دینا چاہتے تھے۔

لوگ خلفاء سے بہت سی شکایات رکھتے ہیں جو زبانی ہوتی ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ ساری باتیں راویوں کی داستان طرازی کا نتیجہ ہیں۔ لوگوں نے تو خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے خلاف آواز بلند کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اُنگلیاں اٹھائیں۔ تاہم اعتراض کو اعتراض کی حد تک ہی رہنے دیا گیا۔

اگرچہ بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قیام کے حوالے سے لوگ مختلف آراء رکھتے ہیں۔ بعض مدت قیام ایک اور بعض دو مہینے بتاتے ہیں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ بصرہ میں

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے تھے۔ نظم ونسق کا ضروری انتظام کرنے کے بعد کوفہ میں ممکنہ انتشار کو روکنے اور اہل شام سے جنگ کی تیاری کرنے چلے گئے تھے۔

جو لوگ امن پسند ہوتے آپ رضی اللہ عنہ ان سے کسی قسم کا تعرض نہ فرماتے بلکہ اظہار مسرت کرتے۔ پریشان اور خوف زدہ لوگوں کی دلجوئی فرماتے۔ دشمنوں کی ان سرگرمیوں سے صرف نظر فرماتے جن سے کسی خطرے کا امکان نہیں ہوتا تھا۔ بنی امیہ کے جو لوگ معرکے میں شدید زخمی ہوئے تھے ان کا خیال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ انہیں تو بالکل نہیں چھوڑیں گے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ وہ مختلف عرب گھرانوں میں پناہ گزیں رہنے اور صحت یاب ہونے کے بعد محفوظ ٹھکانوں پر چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس صورتِ حال اور ان ٹھکانوں سے پوری طرح باخبر تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ یہ بھی جانتے تھے کہ جنگ جمل کے بہت سے زخمیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سائے میں پناہ لے رکھی ہے۔ جب صفیہ حد سے بڑھنے لگی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا منہ بند کرنے کیلئے اس کا اشارہ دے بھی دیا تھا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہونے کے بعد روپوش تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو پتا نہ چلے اور انہیں وہاں سے اپنے پاس بلا لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو ہی ان کے پاس جانے اور انہیں لانے کا حکم دیا۔ جب وہ انہیں لے کر آئے تو راستہ بھر دونوں آپس میں الجھتے رہے۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اور عبداللہ اپنے ماموں کے خلاف غبار نکالتے رہے۔

جلد ہی امن وامان کی صورت حال بحال ہونے لگی۔ بہت سے لوگ ان واقعات پر اپنے تاسف کا برملا اظہار کر رہے تھے۔

بروایات مؤرخین ومحدثین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات پر بہت دکھ اور ندامت کا اظہار کرتیں اور بارہا ''قرن فی بیوتکن'' والی آیت دہراتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور فرماتیں:

Marfat.com

''کاش میں ۲۰ سال پہلے ہی انتقال کر گئی ہوتی''۔

جب سرزمین حجاز میں لوٹیں تو دوران گفتگو فرماتیں:

''یوم جمل کی بجائے اگر میں اپنے گھر ہی رہتی تو اللہ کی قسم اگر میرے بطن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس صاحبزادے ہوتے تو بھی اس سے زیادہ خوش ہوتی''۔

اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فاتح یوم الجمل تھے مگر اب آپ رضی اللہ عنہ کو بھی مسلمانوں کے قتل عام کا سخت دُکھ اور غم تھا۔ بعض اوقات فرماتے:

''اگر اس انجام کا علم ہوتا تو میں ہرگز اس میں شرکت نہ کرتا''۔

اکثر ایک عربی بیت بھی پڑھتے:

أشكو اليك عجری و بجری

شفيت نفسی و قتلت معشری

ترجمہ: ''اے اللہ! میں اپنے غم اور دکھوں کی تجھی سے فریاد کرتا ہوں میں نے اپنے دل کی پیاس تو بجھالی مگر اپنی قوم کو قتل کر دیا''۔

جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں، اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ بھی متاسف ہو کر فرماتے:

''کاش! میں ۲۰ برس پہلے ہی گزر گیا ہوتا''۔

بصرہ سے جانے سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی توجہ کچھ ضروری کاموں پر مبذول فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی واپس بھیج دینا چاہتے تھے تاکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے گھر میں قیام فرمائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سلسلے میں کچھ وقت مانگ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ جنگ جمل کے گھائل پوری طرح تندرست ہو جائیں تو آپ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقررہ وقت پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے سواری کا بندوبست فرمایا۔ مستورات اور حضرات کی ایک جماعت ساتھ بھیجی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا بصرہ سے جانے لگیں تو لوگوں نے بڑی محبت اور عقیدت سے آپ رضی اللہ عنہا کو الوداع کیا۔

Marfat.com

آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم لوگ ہمیشہ بھلائی کی راہ اختیار کرنا۔ جہاں تک میرا اور علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو یہ بس اسی قدر ہے جو ایک خاتون کا اپنے شوہر کے بھائی سے ہوتا ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس بیان کی تائید وتصدیق فرمائی اور کافی فاصلے تک اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ چلتے رہے۔ اس کے بعد حسنین رضی اللہ عنہم کو حکم دیا اور وہ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گئے اور دوسرے روز واپس آئے۔

بصرہ میں مضری قبیلہ کی واضح اکثریت کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو گورنر بصرہ مقرر فرمایا۔ ان سے زیادہ موزوں انتخاب نہیں ہوسکتا تھا۔ وصولی خراج کیلئے زیاد کا تقرر عمل میں لانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

کوفہ کی فضا میں غم اور خوف کا گہرا تاثر تھا۔ جن لوگوں کے عزیز جنگ جمل میں کام آئے تھے وہ سخت دلگیر تھے اور جنہوں نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا وہ عتاب کے ڈر سے لرز رہے تھے۔

جنگِ شام

اہل بصرہ نے بیعت توڑ کر گویا غداری کی تھی۔ اہل بصرہ سے فراغت پاتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گمراہوں کے خلاف پورے زور وشور سے جنگی تیاریاں شروع کردیں۔ ہر قسم کا آرام ترک کردیا گیا۔ بصرہ سے آپ رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور چار ماہ تک جنگی تیاریوں میں مصروف رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا جوش وخروش دیدنی تھا اور وہ فتح بصرہ کے بعد فتح شام کیلئے بے چین تھے۔ جن لوگوں نے بصرہ کی لڑائی میں شرکت نہیں کی تھی اس کے ازالہ کیلئے اب وہ بھی اپنی جان نثاری اور بہادری سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو راضی کرنا چاہتے

Marfat.com

تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ اسی ابوسفیان کا بیٹا ہے جس نے غزوۂ اُحد میں لشکر کفار کی قیادت کی تھی اور مسلمانوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی حامی فتح مکہ کے موقع پر اس وقت بھری تھی جب اسلام یا موت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ زمانہ سازی، چالبازی، سفاکی اور لچک معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملی تھی اور ماں (ہندہ) بھی اسلام دشمنی میں اپنے شوہر سے کسی طور پیچھے نہیں تھی۔ بدر میں لگے ہوئے زخموں کا بدلہ اُحد میں لینے پر اسی نے ابھارا تھا۔ اگرچہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا مگر اس کے باوجود کفار مکہ کے دلوں میں اسلام دشمنی کے شعلے بھڑکتے رہے۔

فتح مکہ کے موقع پر ہندہ کو بھی اپنے شوہر کی طرح مجبوراً قبول اسلام کا اقرار کرنا پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر کیا اور دوسرے گورنروں کے برعکس انہیں بدستور کام کرنے دیا۔ شامی فوج کے ساتھ جو روّیہ انہوں نے اپنایا تھا اور رومی لشکر کے مقابلے میں جس طرح استقامت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ پوری طرح مطمئن تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت سنبھالی تو کم وبیش تمام گورنروں کو تبدیل کر دیا مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے منصب پر بحال ہی رہنے دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوری طرح مطمئن تھے اور انہیں ہر طرح سے قابل بھروسہ سمجھتے تھے۔

اس کی مختلف وجوہات تھیں ایک تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ مصائب میں ثابت قدم رہتے۔ گورنر کوفہ و بصرہ بھی سرکش اور خودسر لوگوں کو شام بھیج دیتے تھے جہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں اپنے انداز سے رام کر کے سدھار لیتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بصرف ایک صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو بس میں نہیں کر پائے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سابق الایمان جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ منورہ بلوالیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بعد میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

Marfat.com

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کی شدت میں اضافہ ہونے لگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ آن پہنچے اور حسب ذیل تجاویز و مشورے دیئے:

۱۔ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیں۔

جواب عثمان رضی اللہ عنہ: ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہمسائیگی چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔''

۲۔ میں مدینہ میں شامی فوجیوں کا دستہ بھیج دیتا ہوں جو آپ رضی اللہ عنہ کے محافظ دستے کی حیثیت سے کام کرے گا''۔

جواب عثمان رضی اللہ عنہ: ''میں نہیں چاہتا کہ اہل مدینہ اس دستے کے ہاتھوں کسی قسم کی تکلیف اُٹھائیں''۔

اس پر امیر شام نے اکابر مہاجرین سے کہا:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پوری طرح خیال رکھا جائے اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچی تو اچھا نہیں ہوگا۔''

شام واپس جا کر جب انہیں معلوم ہوا کہ مخالفت عثمان رضی اللہ عنہ پوری طرح شدت اختیار کر چکی ہے۔ باغیوں نے بیت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ کر رکھا ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو فوری طور پر ان کی مدد کو پہنچے اور نہ کوئی دستہ ہی روانہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف گورنروں سے مدد مانگی۔ امیر شام کو بھی خط لکھا مگر انہوں نے دوسروں کی طرح تجاہل سے کام لیا اور اس قدر تاخیر کر دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

امیر شام نے مکتوب عثمان رضی اللہ عنہ پر بروقت اقدام تو نہ کیا مگر جونہی شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر پہنچی فوراً قصاص کے دعویدار بن گئے۔ بروقت کسی کارروائی سے دریغ کیا۔ خلیفہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر شام میں منتظر رہے کہ ان حالات کا انجام کیا ہوتا ہے مگر جونہی شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مناسب موقع ملا بڑی احتیاط اور سوچ بچار سے اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔

مظلوم خلیفہ کی شہادت کو کچھ اس مشاقانہ انداز سے پیش کیا کہ اہل شام کے دِل

Marfat.com

پسپا ہو گئے۔ اہل شام قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلے کی آگ میں جلنے لگے مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دھیرج رکھنے کی تلقین کی اور مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔

اپنی ذات اور تحفظات و مفادات کو پس منظر میں رکھا اور لوگوں کے ساتھ روابط قائم کرنے لگے۔ انہوں نے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات پر نظریں جما دیں۔ شوریٰ کے ردعمل کا انتظار کیا۔ لوگوں کو لالچ، دھمکی اور ترغیب سے اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ جب دیکھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مکہ میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ آرائی کیلئے تیار ہیں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ تو ان کی مدد کیلئے شامی فوج بھیجی اور نہ انہیں شام آنے کی دعوت دی۔ تاہم انہیں اس بات کا یقین دِلایا کہ وہ شام و مصر سے بالکل بے خطر اور بے فکر ہو کر عراق پہ قبضہ کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرزمین حجاز میں محصور کر کے چکی کے دو پاٹوں میں پھنسا دیں اور مشرق و مغرب کسی بھی جانب کے حملہ سے بچنے کے قابل نہ رہنے دیں۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کیلئے حضرات طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بصرہ کا رخ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اس پر عمل ہو گیا اور کامیابی ہوئی تو پھر خلافت تین حصوں میں تقسیم ہو گی۔ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی متحدہ طاقت کا مقابلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں کر پائیں گے اس طرح جو کچھ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حاصل نہیں کر پائے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت سے مل جاتا۔

اس چپقلش اور نئی صورت حال سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک گونہ اطمینان ہوا اور انہوں نے سوچا کہ اس تصادم اور ٹکراؤ کے نتیجے میں دونوں کمزور ہو جائیں گے اور انہیں خود ڈریگن جیسی قوت حاصل ہو جائے گی۔ جس طرح آگ اگلتے اژدھا کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان کی قوت و جبروت کو ختم کرنا مشکل ہو جائے گا۔

غالباً اسی سوچ کے ساتھ انہوں نے فریقین کو باہم نمٹنے دیا اور اپنی توجہ دیگر امور پر مرکوز کر دی اس خونریز لڑائی نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کے چراغ گل کر دیئے۔ بصرہ و کوفہ کو ماتم کدوں میں بدل دیا۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس تشریف لے گئیں۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لیا تو اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر شام کے دروازے پر دستک دیتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ جنگ کے بادل تیزی سے منڈلا رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی تشویش کا مظاہرہ نہ کیا اور نہ جنگ کا تذکرہ کیا۔ اس وقت ان کے گرد اہل شام پروانوں کی طرح جمع تھے اور ان کے چچازاد بھائی کا انتقام لینے کیلئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے گھوم رہے تھے۔

دوسری جانب جنگ جمل کے بعد جہاں اپنے ساتھی خفا تھے وہیں اہل شام کی عداوت میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر سکون سے بیٹھے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیاست کے تقاضوں کے پیش نظر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ دوسری جانب آپ رضی اللہ عنہ بیت المال کی دولت کو انعام واکرام میں صرف نہیں کر سکتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ انصاف کے مطابق وظائف جاری فرماتے، اسراف سے دریغ فرماتے۔ اپنے اہل خانہ کیلئے بھی بقدر ضرورت ہی لیتے۔

آپ رضی اللہ عنہ یہ بھی پسند نہیں فرماتے تھے کہ بیت المال میں روپیہ پیسہ جمع پڑا رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسے عوام الناس کے فلاحی اور رفاعی کاموں پر خرچ فرماتے اور جو کچھ باقی رہ جاتا مسلمانوں میں تقسیم فرما کر بیت المال میں جھاڑو پھیرنے کا حکم دیتے اور بیت المال کو دھلوا کر وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے اور کہتے:

> ''بیت المال کو اسی طرح ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عدل و انصاف کے ساتھ اشیائے بیت المال تقسیم فرماتے تھے۔ کبھی اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لئے دولت استعمال نہیں کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی کی حمایت مال ودولت سے نہیں خریدی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے برعکس تھے وہ جن لوگوں کی وفاداریاں حاصل کرنا چاہتے۔ ان کیلئے روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے تھے''۔

ان کی فیاضی بلا جواز اور بلا مقصد نہیں ہوتی تھی۔ اور دوسری طرف حضرت امیر

Marfat.com

معاویہ لوگوں زین ءطرف رغبت دلانے کے لئے جواز و بلا جواز وسیع عطیات سے نواز تے
تھے دونوں کی سیرت و کردار کا جائزہ لینے کے لئے اس واقعہ پر نظر ڈالنا مفید رہے گا۔

ایک روز حضرت عقیل بن ابی طالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مالی امداد کا تقاضا کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جب بیت المال سے میرے وظیفے کی رقم آئے تو چچا جان کو بازار سے نئے کپڑے اور جوتے لے دینا''۔

بعد میں جب عقیل بن ابی طالب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں بیت المال سے ایک لاکھ درہم دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مال خرچ کرنے کا مقصد بندوں کو اللہ کا بندہ بنانا تھا جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد بندوں کو خرید کر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا تھا۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس سیاسی فیاضی کا دائرہ کار شام سے حجاز تک پھیلا رکھا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان حربوں اور وطیروں سے کوسوں دُور تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بیت المال کو مسلمانوں کا حق اور امانت سمجھتے تھے۔ بیت المال سے ناجائز طور پر ایک درہم لینے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ عیاری، فریب اور جہل کے دشمن تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک روشن راہ پر پورے عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ باطل کو ہر رنگ میں پہچان لیتے تھے۔ خود اس سے دور رہتے اور دوسروں کو دُور رہنے کی نصیحت کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دینی جذبات کی وجہ سے دین سے محبت کرنے والے آپ رضی اللہ عنہ کے جان نثار ساتھی بن گئے تھے۔ جب اہل کوفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو شام پر حملے کا کہا تو آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''ہرگز نہیں! جب تک کہ میں قاصد بھیج کر انہیں اطاعت کی دعوت نہ دے لوں اور پوری طرح اتمام حجت نہ کرلوں۔ جب میرا مؤقف واضح ہو جائے گا اور وہ بھی اڑے رہیں گے تو میں اللہ کے احکام کے مطابق آگے بڑھوں گا۔''

Marfat.com

حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین سفارتی گفتگو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں بیعت پر قائل کریں۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے انہیں بیعت کیلئے آمادہ کرنے کیلئے بہت سے دلائل دیئے۔ پندونصائح سے کام لیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ خاموشی سے سنتے رہے اور پھر اکابرین شام کو بلا کر یہ سارا معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے انہیں قائل کیا کہ انہیں مقتول خلیفہ کے ساتھ اظہار وفاداری کیلئے بہر صورت قصاص لینا ہوگا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو سیاست اور ہوشیاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کسی طرح بھی کم نہیں تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس لئے خفا تھے کہ انہوں نے ان کو امارت مصر سے معزول کر دیا تھا۔ وہ مخالفتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں نہ صرف یہ کہ خود پیش پیش رہے بلکہ دوسروں کو بھی ان کے خلاف اکساتے اور ابھارتے رہتے تھے۔ جب فتنے کا تنور گرم ہو گیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اب اس صورت حال سے بچنا ممکن نہیں تو وہ اپنی فلسطین والی زمینوں پر جا کر حالات کے بدلتے ہوئے رخ کو دیکھنے لگے۔

اس سفر میں ان کے بیٹے محمد رحمۃ اللہ علیہ اور عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ دنیا سے رغبت رکھتے تھے مگر عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا رہتے تھے اور دنیا میں ان کیلئے کوئی خاص دلکشی نہ تھی۔ وہ نہایت متقیانہ اور پرہیز گاری کی زندگی پر کاربند تھے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر فلسطین میں ہی سنی اور اس پر تبصرہ

Marfat.com

کرتے ہوئے کہا:

''جب میں کسی زخم کو چھیڑتا ہوں تو اسے پھوڑ دیتا ہوں۔''

اب صورت حال یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت ہو چکی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے انکار کر چکے تھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ انہیں کس جانب ہونا چاہیے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین کریمین آپ سے خوش تھے۔ آپ اپنے اس مقام کا تحفظ کریں اور جب تک مسلمانوں کے باہمی جھگڑے طے نہیں پا جاتے الگ رہیں اور جب مسلمان دوبارہ متحد و متفق ہو جائیں تو آپ بھی شامل ہو جائیں''۔

دوسرے بیٹے محمد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ کا شمار سرداران عرب میں ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں غیر جانبدار رہنا کسی طور بھی آپ کے مفاد میں نہیں۔ حالات کا تقاضا ہے کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہو جائیں''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ دین و آخرت کے حوالے سے عمدہ تھا اور محمد رضی اللہ عنہ کا دنیاوی لحاظ سے''۔

رات بھر سوچتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انہیں کوئی بڑا عہدہ ملنے کی توقع نہیں تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب جاتے تو ممکن تھا وہ زمانۂ جاہلیت کی یاد تازہ کرتے ہوئے ویسا ہی سلسلہ پھر سے نہ شروع کر دیں۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ الگ رہنے میں عافیت بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ لیکن صبح تک ان کی سوچ میں تبدیلی آ گئی۔ انہیں اپنا وہ وقت یاد آ گیا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا جس کی رنجش ان کے دل سے نہ جا سکی۔ صبح تک آپ

Marfat.com

نے فیصلہ کرلیا کہ اس وقت دمشق سے زیادہ موزوں جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

اپنے بیٹوں کے ہمراہ دمشق پہنچے تو وہاں قصاص لینے کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کیلئے ہتھیار تیار ہو رہے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی اپنی شمولیت کا اعلان کر دیا اور جب بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملتے انہیں فوری طور پر کارروائی کیلئے اکساتے مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابھی مناسب موقع کے منتظر تھے۔ اہل شام جنگ کیلئے بے صبر ہو رہے تھے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی چاہتے تھے کہ جلد سے جلد جنگ کا آغاز ہو تا کہ وہ اپنا کردار ادا کر سکیں اور ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں:

> ''میں جانتا ہوں کہ حق تمہارے مخالف حریف کے ساتھ ہے اور وہ دین اور تم دنیا کی خاطر لڑنے والے ہو۔ اس کے باوجود میں ہر طرح سے تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں جو یقیناً ایک بہت بڑی قربانی ہے۔''(۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا شکوہ سنا تو انہیں خدشہ محسوس ہوا کہ اگر فوری طور پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کیا گیا اور ان کے مطالبات

۱۔ یہ روایت انتہائی کمزور ہے جس پر بنیاد رکھ کر کسی صورت میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابی کے متعلق برے گمان رکھنا احادیث کے منافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق یوں فرمایا: کہ ''عاص کے دونوں بیٹے عمرو بن عاص اور ہشام بن عاص (رضی اللہ عنہما) مؤمن ہیں۔'' بحوالہ: (مسند احمد بن حنبل: 2/304,327,353، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 3/240،معجم الكبير للطبراني:22/461،طبقات ابن سعد:4/191،سير اعلام النبلاء للذهبی:4/217قال المحقق اسنادهٔ حسن)

بحکم خداوندی کلام کرنے والی مستند زبانِ نبوت سے نکلے الفاظ میں جس عظیم انسان کے ایمان کی گواہی دی گئی ہو اس طرح کے ثقہ اور عدول مومن کی زبان سے ایسے منافئی عدالت الفاظ کو ہم کسی صورت میں مستند نہیں کہہ سکتے اور مزید اس طرح کی تاریخی روایات کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہیے اس کے لئے شروع کتاب میں لکھے جانے والے ''حرفِ چند'' کی طرف رجوع کریں۔

Marfat.com

پورے نہ کیے گئے تو ممکن ہے وہ واپس چلے جائیں اور ایک جہاندیدہ جنگ جُو اور جرنیل کا انہیں چھوڑ کر جانا ایک نا قابل تلافی ثابت ہوسکتا تھا۔ اگر انہیں اپنی صفوں میں شامل نہ کیا گیا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف چلے جائیں گے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو فاتح فلسطین و مصر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معتمد سالار اور عرب کے چنیدہ افراد میں سے تھے۔ وہ کسی وقت بھی حالات کا رُخ تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لگی لپٹی کے بغیر ان سے پوچھا:

''میرا ساتھ دینے کے عوض آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''حکومت مصر، تاحیات'' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے یہ بہت زیادہ تھا انہوں نے انہیں اس سے کم پر راضی کرنے کی کوشش کی جس پر دونوں میں گرما گرمی ہوگئی اور اس سے قبل کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اُٹھ کر چلے جاتے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عقبہ بن ابوسفیان نے صورت حال کو سنبھال لیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مطالبہ منظور کر لینے پر منا لیا۔ اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اس کا تحریری معاہدہ عمل میں آ گیا۔ جب ان کے بیٹوں کو اس معاہدے کا علم ہوا تو انہوں نے اسے بہت کم سمجھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نے اپنے دین کی بہت کم قیمت لی''۔

محمد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نے اپنی اعلیٰ حربی صلاحیتوں کو سستے داموں فروخت کر دیا''۔

اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ بنی امیہ کے علاوہ دیگر بہت سے نمایاں افراد ان کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شمولیت مہمیز کا کام کر گئی۔ جنگ میں تاخیر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بزدلی اور کم حوصلگی کے طعنے دیئے جانے لگے۔

اس صورت حال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیر علی جریر بن عبداللہ

Marfat.com

بجلی رضی اللہ عنہ کو ٹکا سا جواب دے کر واپس روانہ کر دیا۔ جب انہوں نے شام کی جنگی تیاریوں اور بیعت سے انکار کی اطلاع دی تو اس ناکام سفارت پر اشتر اور دیگر ساتھیوں نے انہیں سخت سست کہا جس پر وہ ناراض ہو کر قرقیسیا اور بروایت دیگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ دوسری جانب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب اپنا سفیر روانہ کر دیا۔

مراسلت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسے ذی شعور افراد موجود تھے جو اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے مگر وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان آپس میں جنگ کر کے اپنا ہی خون بہانا شروع کر دیں۔ روایت کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مشیروں سے جنگ کی بابت مشاورت کر رہے تھے تو ابومسلم عبدالرحمٰن (بروایت دیگر عبداللہ بن مسلم خولانی) سامنے آ گیا اور پوچھا:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کا آپ کے پاس کیا جواز ہے؟
وہ سب سے پہلے اسلام لانے کی فضیلت رکھتے ہیں''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں کسی فضیلت کے دعوے پر ان سے جنگ نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ وہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ان سے بدلہ لیا جائے''۔

ابومسلم عبدالرحمٰن نے کہا:

''تو آپ انہیں ایک خط لکھیں اگر وہ اس کا قابل قبول جواب دیں تو بہتر ورنہ اسی کے تناظر میں جنگ کا فیصلہ کیا جائے گا''۔

ابومسلم عبدالرحمٰن اور ان جیسی سوچ رکھنے والے دیگر اصحاب کی تسلی اور اطمینان کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور ابومسلم کے ہاتھ روانہ

Marfat.com

کردیا۔ بلاذری کے مطابق اس خط کی عبارت حسب ذیل تھی:

از طرف معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہم)

بنام

علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

اس کے بعد احوال یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم سے بزرگی عطا کی۔ امین وحی اور اپنے بندوں کیلئے اپنا رسول بنایا۔ اللہ نے ان کے معاون اور ساتھی چنے اور انہیں درجات دیئے۔ ان میں پہلے خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جانثاری کی حد تک محبت کرتے تھے اور نمونۂ اخلاص تھے۔ پھر ان کے بعد خلیفۂ دوم سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ سوم سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔

حرم مقدس میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گھیرنے کیلئے ہر جانب سے شتر سواروں اور گھڑ سواروں کے دستے آ گئے۔ حرم کے تقدس کا خیال کیے بغیر ان پر حملہ کیا گیا اور آپ کی موجودگی میں انہیں شہید کیا گیا۔ آپ نے دُشمن کا شور وغوغا سنا مگر انہیں روکنے کیلئے نہ تو عملی اقدام کیا اور نہ زبان سے ہی روکا اور آپ پر وارثانِ عثمان رضی اللہ عنہ کا الزام ہے کہ آپ نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے جو اب آپ کے گرد جمع ہیں اور آپ کے دست و بازو بنے بیٹھے ہیں۔ مجھے علم ہوا ہے کہ آپ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ سے خود کو بری قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو آپ قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں ہم ان سے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے بعد آپ کی بیعت کیلئے دوڑے آئیں گے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر ہمارے درمیان فیصلہ تلوار سے ہوگا اور اللہ کی قسم! ہم صحراؤں، پہاڑوں، خشکی اور سمندر میں قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو تلاش

Marfat.com

کریں گے اور انہیں قتل کر کے بدلہ لیں گے، اس کے لئے ہم اپنی
جانیں دینے سے بھی گریز نہ کریں گے۔

جب یہ خط ابو مسلم کے ہاتھ کوفہ پہنچا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر با آواز بلند پڑھا گیا۔ خط کا مضمون سنتے ہی لوگ چلاّ نے لگے:

''ہم نے کیا ہے قتل! ہم سب نے عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا ہے۔ ہم ان
کے طرز حکومت سے نالاں تھے''۔

ابو مسلم نے اندازہ لگایا کہ لوگ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کو نیکی اور بھلائی تصور کر رہے تھے۔ وہ قاتلوں کی حوالگی کیلئے تیار نہیں ہوں گے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی ایسا چاہیں تو یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اسے انکار کر دیا تو اس نے کہا:

''ٹھیک ہے اب معاملہ آسان ہو گیا ہے''

مکتوب حضرت علی رضی اللہ عنہ

بلاذری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خط کا جو متن درج کیا وہ حسب ذیل ہے:

امیر لمومنین اور اللہ کے بندے علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے
معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے نام

اس کے بعد احوال صورت اس طرح ہے تمہارا خط بذریعہ برادر
خولان مجھ تک پہنچا جس میں تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرتے
ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور وحی کے
اعزاز سے سرفراز فرمایا، بیشک تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے
اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا فرمایا۔ ہر جگہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثابت قدم رکھا۔ دین اسلام کو تمام دینوں پر غالب کیا

Marfat.com

بغض اور کینہ والے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ختم کیا۔ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام تراشیاں کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھیوں سمیت شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا یہاں تک کہ اللہ کی مدد آن پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالب ہوئے۔

میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے شہادت کے معاملات سے الگ رہا اس لئے میرا قاتلینِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کے باوجود تم اگر ایک بے قصور کو گنہگار کہتے ہو تو کہتے رہو۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا۔ البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا۔ تم نے قاتلانِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حوالگی کا مطالبہ کیا ہے مگر میں کسی نامزد قاتل کو نہیں جانتا۔ میں نے قاتلان کی تلاش کی ہے مگر کوئی ایسا نہیں ملا جس پر فرد جرم عائد کی جا سکے۔ جن لوگوں کو تم موردِ الزام ٹھہراتے ہو، جن پر تم شک کرتے ہو اور مطالبہ کرتے ہو کہ میں انہیں تمہارے حوالے کر دوں، اگر تم اس طرح فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

فقط

لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دونوں جانب کے سفیروں کی ناکام سفارت کے بعد جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ اہل شام قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے اور اہل عراق پہلے اقرار بیعت چاہتے تھے۔ اہل شام بیعت علی رضی اللہ عنہ کو ضروری نہیں سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک ان کا انتخاب درست طریقے سے عمل میں نہیں آیا تھا اور چونکہ انہوں نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہ کر کے اللہ کے حکم کو نافذ نہیں کیا تھا۔ ان کا قصاص نہیں لیا تھا اس لئے ان کی بیعت کسی طور واجب نہیں تھی۔ جبکہ عراق والوں، مہاجرین وانصار کا خیال تھا کہ چونکہ اکثریت بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مان چکی ہے اس

Marfat.com

لئے اہل شام کا یہ رویہ بغاوت کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ باغیوں کو راہ راست پر لانے کیلئے جنگ ضروری ہے تا کہ وہ اللہ کی طرف لوٹ آئیں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔

جنگی تیاریوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے 36ھ میں ماہ ذی الحجہ سے قبل ہی اپنے ہراول دستے شام کی سرحدوں کی جانب بھیج دیئے اور انہیں حکم دیا کہ ان کے آنے تک پہل اور جنگ چھیڑنے سے احتراز کیا جائے۔

ہراول بھیجنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ کوچ فرمایا اور مختلف دشواریوں سے گزر کر صفین کے مقام پر جا کر اپنے ہراول سے جا ملے۔

معرکہ آرائی

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی کی اطلاعات موصول ہوئیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دستے سرحد کی طرف بھیج دیئے اور خود بھی ایک لشکر لے کر صفین کی جانب بڑھے اور ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں نہیں پہنچے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جا پہنچے۔ انہوں نے فرات کنارے ایک وسیع قطعے میں خیمے گاڑ لیے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچے تو فرات پر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر کیلئے پانی دستیاب نہیں تھا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے چند قاصدوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ فرات کے پانی کو بند نہ کیا جائے اور دونوں لشکروں کو وہاں سے پانی حاصل کرنے میں کوئی روک نہ ہو مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا مثبت جواب دینے کی بجائے فرات پر اپنے فوجیوں کی تعداد کو مزید بڑھا دیا تا کہ لشکر علی رضی اللہ عنہ پیاسا رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی تو پانی بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اگرچہ بھرپور کوشش کی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پانی پر پابندی نہ لگائیں۔ اس طرح مذاکرات کا راستہ بند ہونے اور فی الفور تصادم کے آغاز کا امکان تھا۔ اگر ایک فریق پانی لیتا رہے اور دوسرے کی سپلائی روک دے تو پھر جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور فیصلہ کیا کہ

Marfat.com

حریف کو پانی سے محروم رکھا جائے گا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے جانثاروں کو پانی واگزار کرنے کا اشارہ کیا۔ ایک مختصر مگر خونریز جھڑپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوجی دستوں نے نہر پر قبضہ کرلیا اور شامی دستوں کو پیچھے دھکیل دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے بھی کہا کہ وہ شامیوں کو پانی نہیں لینے دیں گے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نہر کو اپنے بندوں کی پیاس بجھانے کیلئے جاری کیا ہے اور کسی کو اس پر اپنا اجارہ قائم نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا نہر سے دونوں افواج کو سیراب ہونے دیا جائے اور کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

اس طرح مسلمان پانی پر اکٹھے ہوتے ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہوتے۔ امن کی کوشش بھی کامیاب ہوسکتی تھی کیوں کہ اس وقت تک شدید دشمنی کے باوجود عام جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ دونوں جانب سے سفیر آئے مگر مذاکرات کامیاب نہ ہوسکے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کہ اب جنگ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مختلف سالاروں کو علم عطا کیے اور ایک ایک دستے کو لڑنے کا حکم دیا۔

اس انفرادی طرز کی جنگ میں ایک دستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکلتا اور ایک دستہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے سامنے آتا۔ گھنٹوں لڑائی جاری رہتی اور اس کے بعد یہ دستے اپنے اپنے لشکر کی طرف لوٹ جاتے۔ اس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ شاید فریق مخالف کو احساس ہوجائے اور وہ امن و امان کی جانب لوٹ آئے اور معاملات گفت وشنید سے طے کرلیے جائیں۔ یہ سلسلہ ذی الحجہ کے آخر تک جاری رہا۔ یونہی کئی دن بیت گئے۔ محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ان معرکہ آرائیوں کا سلسلہ بھی احتراماً روک دیا گیا اور دوبارہ سفارتی پیامات کے تبادلے ہونے لگے۔ تیس دن گزر گئے مگر صلح کی کوئی صورت نہ بن پائی۔ محرم کے اختتام پر جنگ کے بادل پھر گرجنے لگے۔

دستوں سے دستے ٹکراتے رہے۔ انفرادی مقابلے بھی ہوتے رہے۔ تلواریں بھی چلتیں اور زبانیں بھی۔ اسی دوران خط وکتابت بھی جاری تھی۔ حضرت عمرو بن

Marfat.com

العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور صلح کیلئے راستہ ہموار کرنے کو کہا۔ مگر انہوں نے اس کا ٹکا سا جواب دیا۔ روایت کے مطابق انہوں نے یہ خط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایماء پر لکھا تھا۔ لیکن یہ بیان اپنی تردید خود ہی کر دیتا ہے کیوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سفیروں کو تو صلح کے پیامات نہیں دے رہے تھے مگر دوسروں کو کہہ رہے تھے کہ وہ صلح کا نامہ و پیام شروع کریں۔ شام کو جب متحارب دستے اپنے اپنے خیموں میں جاتے تو بہادری کی داستانیں بیان ہوتیں۔ ماضی کی لڑائیاں یاد کی جاتیں۔ جوشیلے اشعار پڑھے جاتے۔ جنگی گیت گائے جاتے۔

جلد ہی فریقین اس طرز جنگ سے اکتانے لگے پھر ان جھڑپوں کا خاطر خواہ فائدہ بھی تو نہیں ہو رہا تھا۔ دونوں طرف سے لوگ کام آ رہے تھے مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں بلکہ اس سے شورش طول پکڑتی جا رہی تھی اور فتنے کے نئے دروازے کھلنے کے امکانات تھے۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یکبارگی تمام لشکر کو حملے کا حکم دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی فوراً ہی لشکر کو آراستہ کر لیا۔ شام تک شدید ترین لڑائی کے باوجود بھی کوئی فیصلہ نہ ہو پایا اور سورج ڈھلتے ہی فریقین اپنے ساتھیوں کی نعشیں اور زخمیوں کو لے کر اپنی اپنی خیمہ گاہ میں چلے گئے۔

اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میمنہ پر دباؤ بڑھ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ پسپا ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میسرہ کو ابھارا جو ربیعہ قبیلے کے جوانوں پر مشتمل تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پکار پر وہ پروانوں کی طرح لپکے اور جوش سے جلد ہی صورت حال کو سنبھال لیا اور میمنہ کے قدم جم گئے۔ اس دوران ایک بہادر نے اپنے ساتھیوں کو جوش دلانے کیلئے کہا:

> ''اے ربیعہ کے بہادرو! اگر تمہارے ہوتے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو کوئی تکلیف پہنچی تو عربوں میں تمہارا وقار نہیں رہے گا تم انہیں اپنی کوتاہی کا کوئی سبب پیش نہیں کر سکو گے''۔

اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے ربعی جوانوں نے موت کا عہد کر لیا۔ اس روز رات گئے تک جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے مگر فریقین کے دم خم میں کمی نہ آئی۔ تیسرے روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہی پسپا ہونے لگے اور اس صورت حال میں معاویہ رضی اللہ عنہ بھی پسپا ہی

Marfat.com

اختیار کرنے والے تھے کہ ان کے دماغ میں ایک شاعر ابن اطنابہ کے وہ اشعار گونجنے لگے:

ابت لی همتی و أَبَی بلائی
واخذی الحمد بالثَّمن الرَّبیح
واجشامی علی المکروہ نفسی
و ضربی هامة البطل المشیع
وقولی کلما جشأت و جاشت
مکانك تحمدی او تستریح
لأدفع عن مآثر صالحاتٍ
وأحمی بعد عن عرض صحیح

جس میں شاعر نے ایسی صورت حال میں عزم و ہمت اور صبر و استقلال کی نصیحت کی تھی۔ اس لئے انہوں نے پھر سے کمر ہمت باندھ لی۔ زمانۂ امن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی جب امیر کے قلب میں گھسنے لگے تو اہل شام نے نیزوں پر قرآن بلند کر کے پکارنا شروع کر دیا۔

"کتاب اللہ ہمارے درمیان ہے۔ اس وقت اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا معاملہ اہم ہے۔ اگر شامی نہ رہے تو اس سرزمین کا دفاع کون کرے گا؟ عراقی مٹ گئے تو ان کی سرحدیں نگرانی سے محروم ہو جائیں گی"۔

قرآن کو نیزوں پر بلند دیکھ کر اور ان کی پکار سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے اپنی تلواریں اور نیزے روک لیے۔ سالاروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب جنگ روک دینی چاہیے اور انہیں امان دینی چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کو ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ یہ ایک چال ہے اور فریب ہے ورنہ یہ لوگ قرآن کے اتنے عامل نہیں ہیں۔ ان کو یہ

Marfat.com

بھی معلوم ہے کہ بصرہ کی لڑائی میں بھی قرآن بلند کیا گیا تھا یہ اسی کو دہرا رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بار بار دہرانے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی مصر رہے کہ ان لوگوں کو امان دی جائے اور جنگ بند کر دی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اہل شام ایک یقینی شکست سے بچنے کی خاطر یہ ترکیب اختیار کر رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تو اس بات میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر جنگ بند نہ کی گئی تو وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ وہ خود ہی انہیں پکڑ کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی بڑی تعداد کو یقین تھا کہ حق انہی کے ساتھ ہے اور ان کی لڑائی اللہ کیلئے ہے۔ وہ کسی طور بھی اس لڑائی سے رکنے پر آمادہ نہیں تھے۔ لیکن چونکہ لشکر واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔ سالار مختلف رائے رکھتے تھے۔ جب لشکر میں داخلی انتشار ہو تو دشمن سے ثابت قدمی سے لڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ حملہ کی صورت میں یہ خدشہ بھی ہوتا ہے کہ کہیں اپنے ہی پیچھے سے وار نہ کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناچار جنگ بندی کا حکم دینا پڑا اور اشتر بڑی مشکل سے ہاتھ روک پائے، عین اس وقت جبکہ فتح چند لمحوں میں حاصل ہونے والی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ بندی کے بعد اہل شام کی صفوں کے سامنے گئے اور پوچھا:

''قرآن بلند کرنے سے تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میری خواہش ہے کہ ہم دونوں اپنی اپنی طرف سے ایک ایک نمائندہ یا وکیل مقرر کریں جو ہمارے اختلاف کا اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کریں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منظور فرما لیا جس سے زیادہ تر لوگ خوش ہوئے لیکن کچھ وہ بھی تھے جنہوں نے اس فیصلے پر کچھ خوشی محسوس نہ کی اور اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔

Marfat.com

جنگ کا انجام

جنگ صفین میں دونوں جانب کا بے حد نقصان ہوا۔ فریقین کی تعداد کے بارے میں بھی مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر ایک لاکھ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ستر ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ بعض کے نزدیک تعداد اس سے کم تھی۔ اسی طرح جنگ صفین میں مقتولین کی تعدار کے بارے میں بھی مختلف اعداد و شمار بتائے جاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اہل شام کے 45000 اور اہل عراق کے 25000 سپاہی کام آئے۔ فریقین نے جنگی تیاریاں پوری طرح کر رکھی تھیں۔ یہاں تک کہ سرحدوں سے بھی دستوں کو بلوالیا گیا تھا۔ سرحد خالی دیکھ کر رومی لشکر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں مال و دولت دے کر معاہدہ کرلیا۔ عراقی سرحدوں کی طرف کوئی بڑی طاقت نہیں تھی۔ البتہ مفتوحہ شہروں میں بغاوت کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلد ہی سرحدوں کے دفاع پر توجہ دے کر ان خطرات کی روک تھام کر دی۔ افواج اور مقتولین کی تعداد میں مبالغہ آرائی کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بڑے پیمانے کی اس جنگ نے اسلام کو بے تحاشا نقصان پہنچایا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے وقار کو بھی شدید دھچکا لگا۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کی عظیم شخصیات کام آئیں۔ اہل شام اور اہل عراق کو اکابر اور بزرگ شخصیات سے محروم ہونا پڑا۔

عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہرمزان کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا اس جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑتے ہوئے کام آئے۔ اہل شام کے نامور لوگ اس معرکے میں کھیت رہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جن کے والدین کو اسلام کے پہلے شہید ہونے کی فضیلت حاصل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کا قتل باغی گروہ کے ہاتھوں ہوگا

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفوں میں دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔(۱)

خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور لڑائی سے اس وقت تک گریزپا رہے جب تک انہیں علم نہ ہو گیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے۔ جونہی یہ خبر ملی، یقین ہو گیا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اہل شام ہی باغی ہیں۔ انہوں نے فی الفور جنگ شروع کر دی اور بہادری سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔

اہل شام بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت پر متاسف تھے۔ انہیں بھی حدیث مذکورہ یاد آ رہی تھی۔ پہلے تو اس حدیث کا انکار کرنے کی کوشش کی گئی اور جب اس میں ناکامی ہوئی تو مختلف بہانوں سے کام لینے لگے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

> ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ہم نے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے ذمہ داران کو اس جنگ میں لانے والے ہیں''۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نوے برس کے بزرگ تھے۔ بصیرت اور بصارت قائم تھی۔ قویٰ بوڑھے اور قلب جوان تھا۔ جنگ صفین میں برضا و رغبت شریک ہوئے تھے۔ لڑنے کیلئے بھی از خود نکلے تھے۔ انہیں کسی نے مجبور نہیں کیا تھا۔ اس لئے یہ کہنا بجا نہیں تھا کہ قتل عمار رضی اللہ عنہ کے ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے بلکہ اس کے ذمہ دار وہی تھے جنہوں نے ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔

جنگ جمل میں بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ شریک تھے اور جب جنگ ختم ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پہنچے اور بعد سلام کہا:

كيف رايت ضربنا يا امی

''اے مادر محترم! ہماری جنگ کیسی تھی؟''

۱۔ جنگِ صفین میں شریک ہونے والے دونوں گروہوں کے شرکاء کے متعلق محدثین کا کیا منہج و نظریہ ہے اس تحقیق کیلئے شروع کتاب میں تحریر کردہ ''پیش لفظ'' کی طرف رجوع کریں۔

Marfat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”نہ میں تمہاری ماں اور نہ تم میرے بیٹے ہو۔“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے خوشدلی سے کہا:

”آپ رضی اللہ عنہا نہ بھی مانیں تب بھی ماں بیٹے کا رشتہ تو رہے گا۔“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان معرکہ آرائیوں میں جوانوں کا لہو گرمانے کیلئے بڑے جوشیلے خطاب کرتے اور رجز پڑھتے تھے۔ لڑائی میں ایک بار جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آ گئے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ رجز پڑھا۔

نحن ضربنا کم علی تنزیله

والیوم نضربکم علی تأویله

ضرباً یزیل الهام عن مقیله

ویذهل الخلیل عن خلیله

او یرجع الحق الی سبیله

”تمہیں اس کے نزول پر بھی ہم نے ہی مارا تھا۔

اب اسی کے مقاصد کی تکمیل کیلئے ماریں گے۔

اس طرح کہ سرتن سے اور یاد دوست دل سے جدا ہو جائے گی۔

حق کی راہ صاف ہو جائے گی“۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کو دیکھ کر اشارہ کرتے اور اپنے لوگوں سے فرماتے:

”واللہ! میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اس سے تین بار لڑ چکا ہوں۔ اب چوتھا موقع ہے اور یہ بھی خوشگوار نہیں۔ اگر یہ لوگ ہمیں سرزمین ہجر تک بھی پیچھے دھکیل دیں تو بھی ہمارا ایمان یہی ہوگا کہ حق پر ہم ہی ہیں“۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہتھیار باندھ کر مقابلے کیلئے نکلنے لگے تو انہوں نے پانی طلب فرمایا جس پر انہیں دودھ پیش کیا گیا جسے دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے جوش

Marfat.com

سے فرمایا۔

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے عمار تیرا آخری کھانا دودھ ہوگا۔''

دودھ نوش فرما کر جوش سے نکلے اور پکار کر فرمانے لگے:

''موت تلواروں کی دار کے نیچے اور جنت انکی چمک کے نیچے ہے''۔

آج سخت دن ہے اور کل دوستوں (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ساتھیوں) سے ملاقات ہوگی۔''

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے دستے کا علم ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ انہیں جوش دلاتے اور برق رفتاری سے آگے بڑھنے کا حکم دیتے وہ جواباً کہتے:

''اے ابو یقظان! آپ قلانچیں بھرتے ہیں اور میں قدم آہستہ اٹھاتا ہوں۔ لیکن ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب رہیں گے''۔

ہاشم بن عتبہ ایک آنکھ سے محروم تھے وہ عربی انداز میں رجز پڑھتے:

اعور يبغی نفسه محلّا
قد أكثر القول وما أقلّا
وعالج الحياة حتى ملّا
لا بد أن يفل أو يفلّا
أشلّهم بذى الكعوب شلّا

''ایک آنکھ سے محروم! زندگی کے سفر میں تھک کر اب شہادت چاہتا ہے۔
اگرچہ دشمن کو نیزے کی نوک سے پیچھے دھکیل رہا ہے۔''

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ہاشم بن عتبہ لڑتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ دونوں نے جانیں قربان کر دیں۔ ان کی قربانی نے ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک تازہ ولولہ پیدا کر دیا۔

Marfat.com

جو لوگ شام والوں میں سے جنگ کی بھینٹ چڑھے وہ بھی وہاں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ سب سے خاص بات یہ ہے کہ دونوں اطراف کے لوگ اس جنگ کو دین کا فرض سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ عراق والے اس موقف پر کار بند تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بلند مقام کے حامل تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج ادا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے میں ایک جگہ قیام فرمایا اور نماز باجماعت کا حکم فرمایا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں مومنوں کی جانوں کے قریب تر نہیں ہوں تو صحابہ کرام نے جواب دیا کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: کیا میں ہر مومن کی جان کے قریب تر نہیں ہوں؟ صحابہ کرام نے پھر جواب دیا: کیوں نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! پس یہ (علی رضی اللہ عنہ) ہر اس شخص کا دوست ہے جس کا میں دوست ہوں اے اللہ! جو اسے دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ

اہل عراق کے پیش نظر قرآن مجید کی یہ آیہ کریمہ بھی تھی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ.

ترجمہ: ''نبی مومنوں کے (امور کے تصرف میں) ان کی جانوں سے زیادہ حق دار ہیں۔''

﴿سورۃ الاحزاب آیت 6﴾

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ.

ترجمہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا، تمہارے بیٹے اور

Marfat.com

تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

﴿سورۃ التوبہ آیت 24﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا عقیدہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ حق کا ساتھ ہے اور حق کیلئے جہاد کرتے ہوئے جان دینا فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان جنگوں میں خوشی اور جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ وہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کے پابند ہونے کی وجہ سے قصاص کے مطالبہ میں حق بجانب تھے۔ خلیفہ کا قتل ایک سنگین جرم تھا۔ اس سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو وہ قبضہ خیال کرتے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے رستے کی سب سے بڑی رکاوٹ اور دیوار ہیں۔ اہل شام اس لڑائی کو دینی فریضہ سمجھ چکے تھے۔ وہ اس بات پر بھی بھنائے ہوئے تھے کہ اسلامی حدود کا نفاذ نہ ہونے سے دین میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔

لوگ جس طرز حیات کو اپنا رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے سدھار پر کوئی توجہ نہیں دے رہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس دوران عربی عصبیت کی وہ آگ بھی دوبارہ بھڑک اٹھی تھی جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بزور دبا دیا تھا۔ اب پھر امور دنیا دین پر غالب آ رہے تھے۔ سوئی ہوئی جبلتیں انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہی تھیں۔ حکومت میں عہدے پانے کی تمنا اور شان و شوکت کا حصول انہیں کشاں کشاں ایک مہیب جنگ کی طرف لے جا

Marfat.com

رہا تھا۔ اگر آپ ان نکات کو بھی ذہن میں رکھیں تو شاید اس جنگ کا جواز سمجھ میں آ جائے۔
کچھ لوگ ''دین'' اور کچھ ''دنیا'' کیلئے لڑے۔ جوش اور حرص کی جنگ میں ملت اسلامیہ کے استحکام کو ضعف پہنچا اور غیر مسلم طاقتیں اسلام سے نبرد آزمائی کیلئے مچلنے لگیں۔

رفیقان سیدنا علی رضی اللہ عنہ

جنگ صفین میں نیزوں پر قرآن بلند کرنے کی حکمت عملی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خود ساختہ نہیں تھی بلکہ یہ معرکہ بصرہ کی نقالی تھی مگر فرق یہ تھا کہ وہاں جنگ سے قبل قرآن بلند کر کے لوگوں کو قرآن کے زیر سایہ آنے اور جنگ سے باز رہنے کی دعوت دی گئی تھی مگر یہاں قرآن کو بطور ڈھال استعمال کیا گیا تھا اور یقینی شکست سے بچنے کا حیلہ کیا گیا تھا۔
وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فراست اور حکمت کی تدبیر تھی، یہ مکّارانہ چال تھی۔ اگر صلح کے اتنے ہی طلبگار تھے تو مصالحت کی تمام کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سفیروں کو مایوس کیوں لوٹایا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں بھی کچھ ایسے تھے جو دنیاوی جاہ و حشمت کے طلبگار اور دنیادار تھے۔ انہیں ویسے ہی انعام و اکرام کی طلب تھی جیسے عہد عثمانی میں پاتے رہے تھے۔ ایسے لوگوں میں سے میں صرف اشعث بن قیس کندی کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ اس نے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسلام قبول کیا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گیا۔ اس کا پورا قبیلہ ارتداد کی لپیٹ میں آ گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مرتدین کی سرکوبی کیلئے بھیجا اور قیس نے جب کوئی راستہ نہ پایا تو قبیلے کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلا آیا۔

اس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے توبہ کر کے نہ صرف جان کی امان پائی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اُم فروہ رضی اللہ عنہا سے شادی بھی کر لی۔ عہد فاروقی میں وہ گوشۂ گمنامی میں رہا۔ عہد عثمانی میں فارس کے کچھ شہروں کا والی بنایا گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام سے جنگ کی تیاری کی تو قیس کو معزول کر کے اپنے ساتھ رکھا۔

Marfat.com

جنگ صفین میں قرآن بلند کرنے کے موقع پر اسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل شام کا مطالبہ ماننے اور وکیلوں کے تقرر پر مجبور کیا۔ اس جنگ میں کوفہ وحجاز کے علاوہ بصرہ کے بے شمار لوگ اور جنگ جمل کے شکست خوردہ بھی شامل ہو چکے تھے۔

ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جو دِل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تھے اور دِلوں میں بغض وکینہ چھپائے ہوئے تھے۔ جنگ جمل کے مقتولین کے ورثاء واقربا اگرچہ لشکر میں شامل تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناخوش تھے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلص ساتھیوں کے علاوہ ایسے لوگ بھی تھے جن کے اپنے ذاتی مقاصد تھے۔

محرم الحرام کے احترام میں جنگ بند رکھی گئی تھی اور اس دوران دونوں اطراف لوگوں کی آمد ورفت جاری تھی۔ اس کے علاوہ ایک روز جب جنگ میں قتل ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی آخری رسومات کیلئے عارضی جنگ بندی اور صلح کا مطالبہ کیا جو مان لیا گیا تھا۔

ان واقعات کے تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ شام وعراق والے باہم ملتے اور تبادلہ خیالات کرتے رہے ہیں۔ یہ بات خارج از امکان نہیں کہ عیار اشعث بن قیس نے زیرک جرنیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور گفتگو کر لی ہو جس میں دونوں نے اپنے شاطرانہ دماغ لڑا کر فیصلہ کیا ہو کہ اہل شام غالب آئے تو بہتر ورنہ شکست کے آثار کی صورت میں اپنے تحفظ اور بچاؤ کیلئے قرآن پاک نیزوں پر بلند کیے جائیں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی انہیں جنگ بندی پر مجبور کر دیں گے۔

جہاں تک میرا خیال ہے یہ سازش اسی قدر نہیں تھی بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر وکیلوں کے انتخاب تک تھی۔ اشعث اور یمنی لوگ مُصر تھے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم منتخب کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی معتمد شخص کو حکم بنانا چاہتے تھے مگر انہیں ایسا نہ کرنے دیا گیا۔ حالانکہ یہ کل کی بات تھی کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیں اور اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے تو مجبور کیا گیا کہ وہ ثالثی کا فیصلہ قبول کریں اور پھر اصرار کیا

Marfat.com

کہ ثالث ایک ہی ہو اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی مرضی سے ثالث مقرر کرنے کی بجائے اپنے تجویز کردہ ثالث کو منتخب کرنے پر مجبور کیا۔ یہ محض اتفاقی امر نہیں تھا اتفاقات سے آگے گہری عیارانہ و مکارانہ چالیں تھیں۔ ان سازشوں کے خالق دونوں اطراف کے وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں میں ہوس دنیا ناچ رہی تھی اور جن کے دِلوں میں مادی دنیاوی مفادات کی خواہشات تھیں۔

ثالثوں کا انتخاب

فریقین کی رضامندی کے بعد ثالثوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکَم مقرر ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر نہ ہونے دیا اور جواز یہ تراشا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ہیں۔ اُشتر ایک جہاندیدہ اور آزمودہ کار جرنیل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں حکَم بنانا چاہتے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے اس کی بھی مخالفت کی۔

احنف بن قیس نے کہا:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجھے وکیل مقرر کیا جائے یا پھر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بطور معاون رکھا جائے"۔

مگر ساتھیوں نے کہا:

"ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جنگ سے دور رہے۔ وہ امن پسند اور صلح جُو ہیں اس لئے وہی حکَم ہوں گے۔

مگر انہوں نے شاید یہ دلیل دیتے ہوئے یہ نہیں سوچا تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جنگ میں نہ صرف عملی طور پر حصہ لیا تھا بلکہ اپنی دماغی صلاحیتیں بھی وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے دونوں تلواریں استعمال کی تھیں۔ ہاتھ سے بھی اور زبان سے بھی۔

Marfat.com

یہ بات طے پا جانے کے بعد دونوں جانب سے لوگ جمع ہوئے اور ایک دستاویز تحریر کی گئی جس کے مطابق کہا گیا تھا:

۱۔ فریقین جنگ بندی اور ثالثوں کے ذریعے مسئلے کے حل پر متفق و رضامند ہیں۔

۲۔ دونوں وکیل ایک مقام مقرر کر کے وہاں فیصلہ سنائیں گے۔

۳۔ وکیل فیصلہ اپنی آزاد رائے سے کریں گے اور انہیں جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔

۴۔ جو فریق معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا پوری قوم اس کے خلاف کھڑی ہو جائے گی۔

یہ نکات تو بڑی احتیاط سے ضبط تحریر میں لائے گئے مگر جو اصل مسئلہ تھا اور جس کی وجہ سے جنگ ہوئی تھی اسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور کسی جگہ بھی یہ نہ کہا گیا کہ حکم اس حوالے سے کیا فیصلہ کریں گے بلاذری کے مطابق یہ تحریر حسب ذیل تھی:

اقرار نامہ

اس اقرار نامہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نے اپنے اپنے معاونین کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ اللہ کا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کے اختلافات ازروئے قرآن طے پائیں گے۔ پہلے دن سے آخری تک کتاب اللہ ان کے درمیان ہے۔ جسے قرآن حیات دے گا وہ بھی اسے زندہ رکھیں گے اور جسے مارنے کا کہا اسے ماریں گے۔ اسی طرح دونوں حکم جو فیصلہ بھی کریں گے وہ کتاب اللہ کے مطابق ہوگا۔ اللہ کے احکام پر عمل پیرا رہیں گے اور اگر انہیں قرآن سے فیصلہ نہ مل سکا تو وہ اس انتشار سے بچنے کی خاطر خود انصاف سے کام لیں گے اور انصاف سے فیصلہ

Marfat.com

کریں گے۔ عبداللہ بن قیس اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکم مقرر کیے گئے ہیں جن سے یہ اقرار لیا گیا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے اور اگر انہیں اس میں کوئی دشواری پیش آئی تو وہ ایسا فیصلہ کریں گے جس سے فساد اور فتنہ رک جائے گا۔ نیز یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، دونوں لشکروں اور سالاروں سے عہد کرتے ہیں کہ جو بھی فیصلہ حکم سنائیں گے اسے ماننا ہوگا۔ ان کے اقرار نامہ کو پوری قوم کی حمایت وتائید حاصل ہوگی اور دونوں حکموں کے اہل خانہ اور مال ومتاع کی حفاظت کا وعدہ کیا جائے گا۔ دونوں حکم اس امر کے پابند ہیں کہ قوم میں جنگ وجدل کا سلسلہ رک جائے اور تمام فسادات تھم جائیں اور دوبارہ اتفاق واتحاد پیدا ہو جائے اور فریقین میں پختہ صلح ہو جائے۔ دونوں کو فیصلے کیلئے رمضان تک کا وقت دیا جاتا ہے اور اگر وہ اس سے پہلے فیصلہ کر دیں یا بعد میں کریں تو اس کے مجاز ہیں۔ اس فیصلے سے پہلے ہی اگر ایک حکم وفات پا جاتا ہے تو اس کی جگہ نیا حکم جو عادل ومنصف ہو مقرر کیا جاسکتا ہے۔ فیصلہ شام، کوفہ اور حجاز کے کسی وسطی شہر یا مقام پر سنایا جاسکتا ہے۔ لیکن وہاں ان حکموں کی اجازت کے بغیر کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر حکم چاہیں تو باہمی اتفاق رائے سے فیصلہ سنانے کا کوئی اور مقام بھی منتخب کر سکتے ہیں اور شہادت کیلئے جسے چاہیں لے جاسکتے ہیں تاکہ ان کی گواہی کے بعد اگر کوئی فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس کا محاسبہ کیا جاسکے، نیز جو اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا اس کے خلاف اللہ کی مدد چاہی جائے گی''۔

گواہوں میں عراق سے حسب ذیل دس افراد تھے:

Marfat.com

۱۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ
۲۔ اشعث بن قیس
۳۔ سعد بن قیس ہمدانی
۴۔ ورقہ بن سمی
۵۔ عبداللہ بن طفیل
۶۔ حجر بن عدی الکندی رضی اللہ عنہ
۷۔ عبداللہ بن حجل ارجبی بکری
۸۔ عقبہ بن زیاد
۹۔ یزید بن حجیہ تمیمی
۱۰۔ مالک بن ارجبی

شامی گواہوں میں حسب ذیل دس افراد تھے:

۱۔ ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمیٰ
۲۔ حبیب بن مسلمہ فہری
۳۔ مخارق بن حارث زبیدی
۴۔ زمل بن عمرو عذری
۵۔ حمزہ بن مالک ہمدانی
۶۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید مخزومی
۷۔ سبیع بن یزید حضری
۸۔ علقمہ بن یزید الحفیر ی
۹۔ عتبہ بن ابی سفیان
۱۰۔ یزید بن حر العیسیٰ

اس معاہدے کی جو خاص بات ہے وہ یہ کہ اصل اختلافی بات کو نظر انداز کر کے دیگر باتوں پر پابندی کا زور دیا گیا ہے۔

Marfat.com

فریقین کے مابین اصل مسئلہ تھا:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص اور قاتلوں کی حوالگی چاہتے تھے۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی مقرر قاتل کو نہیں جانتے تھے اور تمام باغیوں کو حوالے کر دینا ان کیلئے ممکن نہیں تھا۔

یہ بات تھی جس کا وکیلوں کو ثالث بن کر فیصلہ کرنا تھا اور جس کا ذکر تک مذکورہ معاہدے میں نظر نہیں آتا۔ نہ قصاص اور قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت کوئی بات لکھی گئی اور نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد اس نکتہ نظر کے حامل ہو چکے تھے کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے طے کیا جائے گا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مطابق مکہ و مدینہ اور دیگر شہروں کے بیعت کے بعد خلافت کا مسئلہ حل ہو چکا تھا اور اب مسئلہ یہ تھا کہ اہل شام بیعت کریں گے یا اس کا انکار کریں گے۔

اس طرح اہل شام ہی رہ جاتے تھے جنہوں نے بیعت سے گریز کیا تھا اور اب بھی وہ اس پہ بضد رہتے تو باغی قرار پاتے جن سے لڑنے کا حکم اللہ نے خود دیا ہے۔ حیرت اس امر پر ہوتی ہے کہ اس معاہدہ میں ان بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا اور خلافت و شوریٰ کا ذکر تک بھی نہیں کیا گیا۔ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس معاہدہ پر فریقین نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اس معاہدہ کا تجزیہ ضروری ہے تاکہ اصل حقائق سامنے آسکیں۔

اگر معاہدہ بغور پڑھا جائے تو خاص خاص باتیں جو سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ یہ معاہدہ زیادہ سوچ بچار کئے بغیر بڑی جلدی میں لکھا گیا تھا۔

۲۔ یہ لوگ جنگ سے گھبرا چکے تھے اور فی الفور صلح چاہتے تھے۔

۳۔ اہل شام جنگ کا خاتمہ اور اہل عراق جلد امن کو بحال دیکھنا چاہتے تھے۔

۴۔ اصل اختلافی باتوں کو گول مول کر دیا گیا جس کا فائدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

اور نقصان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچا۔

اس معاہدے کی تکمیل کے بعد شامی متحد اور عراقی منتشر ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی جب دیکھ لیا کہ ان کے اپنے ساتھی ہی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو انہوں نے بھی ان سے بیزار ہو کر اس معاہدہ میں زیادہ دلچسپی نہ لی اور ان لوگوں کو اپنی مرضی سے جو چاہتے تھے کرنے دیا۔

اشعث بن قیس اس معاہدے کی کاپی فوج کے سامنے لے گیا اور بڑے جوش سے انہیں نہ صرف خود سنایا بلکہ دیگر کو بھی کہا کہ وہ انہیں یہ معاہدہ پڑھ کر سنائیں۔ بہت سے لوگ خوش اور بہت سے ناخوش ہوئے۔ خوش ہونے والے جنگ سے اکتا چکے تھے اور ناراض ہونے والے جان گئے تھے کہ یہ باتیں دین کے منافی ہیں۔ ان کے نزدیک لوگوں کو حکم بنانا احکام قرآنی کی صریح خلاف ورزی تھی۔

اشعث کے تحریر پڑھنے کے دوران بہت سے لوگ غصے میں چلانے لگے:

''اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں۔''

یہی بعد میں خوارج کا نعرہ بن گیا۔ ایک نے تو اسی وقت جذبات میں آکر شامیوں پر حملہ کر دیا اور اس کے نتیجے میں جان دیدی۔ عروہ بن ادیہ (مرداس کا بھائی) نے تو تلوار سونت کر اشعث پر بھرپور وار کر دیا مگر اس کا گھوڑا بدکنے سے تلوار اشعث کی بجائے اس کے گھوڑے کو جا لگی۔ اس سے قبل کہ یمنی اور تمیمی آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے۔ تمیم کے بڑوں نے آگے بڑھ کر عروہ کی جانب سے معافی مانگ لی اور اشعث کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

ہم اس بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افواج اس معاہدے کے بعد صفین سے واپس آ گئیں۔ جن لوگوں نے اس معاہدے کو نامناسب سمجھا تھا بعد میں انہوں نے تاریخ اسلام میں بڑا نام کمایا۔ جہاں تک ان کے نکتہ نظر اور دلائل کا تعلق ہے تو وہ اپنے اندر وزن رکھتا ہے۔ ان کے اس نکتہ نظر کو قرآن سے بھی مدد ملتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج

Marfat.com

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ.

ترجمہ: ''اوراگر مومنوں کے دوگروہ باہم لڑپڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرادو، پھراگر زیادتی کرے ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر، تو تم اس سے لڑو، جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرلے، پھر جب وہ رجوع کرلے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دواور تم انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

﴿سورۃ الحجرات 49، آیت 9﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی کثرت میں تھے اوران کا خیال تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں نے بغاوت کرکے زیادتی کی تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کو سفارتی سطح پر حل کرنا چاہا اوران کی جانب سفیر بھیجے تو انہوں نے ان کو ناکام لوٹا دیا اور کہا کہ فیصلہ صرف اور صرف تلوار سے ہوگا اور جب تلوار سے فیصلہ ہونے لگا تو قرآن بلند کرکے چلاّنا شروع کردیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی پانی پر پہلے پہنچ کرقابض ہوگئے اوراس بات کی بھرپور کوشش کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو پانی سے محروم رکھا جائے۔ پانی پر بھی لڑائی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کرلیا مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے برعکس انہیں عام اجازت دی کہ وہ بھی اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہوں اور پانی ان پر بند نہ کیا۔ یہ ہیں مسلمانوں کی دو جماعتیں جن میں جھگڑا تھا۔

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر گفت وشنید کی۔ سفیروں کو پیام امن اور صلح کے لئے ان کی جانب بھیجا مگر انہوں نے لڑائی پر ہی اصرار کیا اور سفیروں کو یونہی واپس کردیا۔ محرم الحرام کے احترام میں تلواریں جھک گئیں۔ ایک ماہ کامل اطمینان سے گزرا۔ حضرت

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ نے پھر سفارتی کوششیں کیں مگر ناکامی کے بعد صفر میں جنگ پھر سے شروع ہو گئی۔

آیت بالا کے تناظر میں یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھنا ضروری تھا جب تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اللہ کے حکم کی جانب لوٹ نہ آتے۔ جب وہ ایسا کر لیتے تو مسلمان آپس میں بھائی ہوتے اور ان میں احسن طریقے سے صلح کرائی جاتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج باغی جماعت پر غالب ہو رہی تھی اور عنقریب اس بات کا امکان واضح ہو چلا تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کر لیتے۔ مگر اس سے قبل ہی قرآن بلند کر دیئے گئے۔ مسلمان ایک ایسے فیصلے پر مجبور ہو گئے جو نہ صرف عجیب تھا بلکہ اصل معاملے کے حل کا ذکر ہی اس میں سے گول کر دیا گیا تھا۔ جن لوگوں نے اس موقع پر لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگایا ان کا مؤقف بالکل درست تھا اور وہ چاہتے تھے کہ جب تک مقابل پوری طرح گھٹنے نہیں ٹیک دیتا تلوار روکنے کا کوئی جواز نہیں۔ پھر جب ایک مفتوح ہو جاتا تو شرائط فاتح کی مرضی کے مطابق ہوا کرتی ہیں نہ کہ شکست خوردہ اپنی بات منواتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تو واشگاف الفاظ میں فرما دیا تھا کہ قرآن بلند کرنا ان کی ایک چال تھی اور وہ شکست و موت سے بچنا چاہتے تھے۔ قرآن کو انہوں نے بطور ڈھال استعمال کیا تھا ورنہ وہ اس کے اتنے عامل نہیں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس چال کو جان لیا اور اپنے ساتھیوں کو بڑھتے رہنے کا حکم دیا مگر آپ رضی اللہ عنہ کے بیشتر ساتھیوں نے خلیفہ کے اس حکم سے سرتابی کی جس کے نتیجے میں تلواریں اور نیزے تھم گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک نئی چال یعنی ثالثی کے معاملے میں پھنسنے پر مجبور کر دیا گیا۔

جن لوگوں نے ثالثی کو منظور نہیں کیا تھا اور قرآن کے حکم اور امام کے حکم کو سامنے رکھا تھا انہیں ہم غلطی پر نہیں کہہ سکتے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ یہ جنگ اللہ کے حکم کے نفاذ تک جاری رہنی چاہیے۔ یہ جانثار لڑتے رہنے پر بضد تھے۔ مگر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے یہ مٹھی بھر جانثار اہل عراق وشام کے درمیان پس کر رہ جائیں گے اور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو صبر و تحمل کی تلقین کی اور اس وقت وہی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جس سے ان کے ساتھیوں کی

Marfat.com

زندگیاں محفوظ رہتیں۔

اس مقام پر وہ لوگ جو اس ثالثی کے حق میں نہیں تھے ایک غلطی کرتے ہیں۔ اپنے امام سے مشورہ کرنے کے دوران وہ ٹھیک تھے۔ مگر جب امام نے انہیں صبر و تحمل کا حکم دیا تو انہیں رک جانا چاہیے تھا۔ قرآن کو ان سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ قرآن کو اہلِ قرآن بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ نفاذ اسلام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے کہیں زیادہ آگاہ تھے۔ انہیں امام کو مجبور کرنے بجائے امام کے احکام پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک جانب تو اپنے ہی ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد صلح و ثالثی کے حق میں تھی اور دوسری جانب ایک چھوٹی جماعت جنگ سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں۔ دونوں جماعتیں اپنے اپنے سالاروں سے اصرار کر رہی تھیں۔ بڑی جماعت ثالثی کیلئے تلی ہوئی تھی۔ چھوٹی جماعت جنگ کرنا چاہتی تھی۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ یا تو ثالثی کا مطالبہ مان کر اپنے ساتھیوں کو جنگ میں جھونکنے سے بچا لیتے یا پھر چھوٹی جماعت کے ساتھ آگے بڑھتے اور جنگ کر کے انہیں خطرے میں ڈال دیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال میں ثالثی کو منظور کر لیا۔ جو لوگ ثالثی کے مخالف تھے انہیں بہر حال امام کے حکم پر لبیک کہنا چاہیے تھا اور اگر جنگ ہی کرنا ہوتی تو امام کے حکم پر سب مل کر جنگ کرتے۔

دونوں جماعتیں اپنی اپنی بات پر بضد تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی جماعت کا ساتھ دیا۔ معاہدہ تحریر ہونے میں دو دن لگے جس کے دوران دونوں اطراف سے مقتولین کی تدفین عمل میں آئی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوج کو کوفہ کی جانب کوچ کا حکم دیا تو اس وقت فوج میں بے چینی اور انتشار تھا۔ جو اتفاق و اتحاد کوفہ سے جاتے وقت تھا اب اس کا نام تک نہیں تھا۔ دونوں جماعتیں ایک دوسرے پر طنز کر رہی تھیں۔ برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے پر کوڑے بھی برسائے گئے اور سخت سست کہا گیا۔

ثالثی کے مخالف انہیں کہتے کہ تم لوگوں نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ قرآن کے خلاف عمل کیا۔ اللہ کے بندوں کو حکم تسلیم کیا جبکہ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں۔ وہ جواب دیتے کہ تم لوگوں نے امام کی مخالفت کی۔ انتشار اور فساد پیدا کرنا چاہا اور ایک غلط

Marfat.com

راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے تمام لوگ کوفہ واپس نہیں آئے تھے بلکہ ان میں سے ایک کافی بڑی تعداد حروراء کے مقام پر چلی گئی جہاں دونوں ثالثوں نے اکٹھے ہو کر فیصلہ سنانا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد 6000 سے 12000 تک بتائی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے دین کو ایک نیا رنگ دیا۔ ایک نیا فرقہ معرض وجود میں آیا۔ انہوں نے جنگ کیلئے شبث ابن ربعی تمیمی کو، نماز کی امامت کیلئے عبداللہ بن یشکری کو منتخب کر لیا۔ اوامر و نواہی کیلئے اللہ تعالیٰ کی بیعت کی۔ اسی فرقے نے آئندہ اسلام کو بری طرح متاثر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ واپس پہنچے تو وہاں سوگ کی ویسی ہی فضا تھی جیسی بصرہ سے آنے کے وقت تھی۔ اس وقت لوگوں کو بصرہ میں کام آنے والوں کا غم تھا مگر اب کے صفین کے مقتولین کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہو چکی تھی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ بصرہ سے کوفہ آئے تھے تو لوگ خوش نہیں تھے اور اب صفین سے آئے تھے تو لوگ مزید آزردہ خاطر تھے۔

ابن سبا اور سبائی

ایک امر بہت ہی حیرت انگیز ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے فتنوں میں مورخین نے بار بار ابن سودا عبداللہ بن سبا کا ذکر کیا ہے اور پھر قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے روانگی اور پھر جب آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صلح کی بات چیت کی تھی ابن سباء کا نام آیا ہے۔ انہوں نے متعدد بار ابن سباء کا ذکر کیا ہے اور ان کا یہ خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جو جنگ ہوئی تھی اس میں ابن سباء اور اس کے ساتھیوں نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اچانک جنگ چھیڑنے کی چال بھی انہی نے چلی تھی اور بصرہ کے نواح میں جنگ کے شعلے بھڑکانے میں یہی لوگ کارفرما تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مؤرخین صفین میں سبائیوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور ان کا ہلکا سا بھی اشارہ نہیں دیتے۔

ابن سوداء شام کے خلاف لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ البتہ

Marfat.com

اس کے ساتھی ''سبائی'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے جو نہایت خیرخواہ اور فرمانبردار ثابت ہوئے۔ انہوں نے فریقین میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہیں کی اور نہ کوئی چال چلی بلکہ ہر وقت نہایت شریف اور بھلے مانسوں کا کردار ادا کیا۔ اس کے بعد ان کے بہت سے ساتھی قرآن اٹھانے کے واقعہ کے بعد ثالثی کے مخالفین کے ساتھ نکل گئے۔ ان میں حرقوص بن زہیر کا نام نمایاں ہے اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے اختلاف رائے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی تھی۔ اس حوالے سے اشتر کی مثال دی جاسکتی ہے۔

جنگ صفین میں ابن سباء اور اس کے ساتھیوں کا ذکر نہ ملنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ سبائیوں کا معاملہ بالکل افسانوی اور گھڑا ہوا تھا۔ جسے بعد میں تراشا گیا تھا۔ جب شیعہ اور دوسرے فرقوں میں ٹھنی تو شیعہ مخالف گروہوں نے اپنے مؤقف کی مضبوطی اور حصول مقصد کیلئے سبائیوں کا فسانہ تراش لیا تاکہ یہودی لابی کے اثرات کو ثابت کیا جاسکے۔ لیکن اگر اس میں حقیقت ہوتی تو آخر صفین میں کسی نہ کسی موقع پر تو ان کا ذکر ملتا۔ ثالثی میں اختلاف کے موقع پر، نئے فرقے کے بننے کے موقع پر یا کسی اور موقع پر کیوں کہ جو لوگ اس ثالثی اور مصالحت کے خلاف تھے وہ اس میں شریک ہونے والوں کو برملا کافر قرار دے رہے تھے۔

خوارج سے متعلق تاریخ میں ابن سباء کا ذکر نہیں ملتا۔ ابن سباء جنگ صفین کے اہم ترین معرکہ سے کیوں غیر حاضر رہا اور جب لا حکم الا اللہ والی پارٹی قائم کی گئی تو وہ وہاں کیوں موجود نہیں تھا؟

میری رائے میں ان باتوں کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ کہ ابن سوداء ایک فرضی کردار ہے اور اگر وہ حقیقت میں تھا بھی تو اسقدر عام اور معمولی کہ اس کا ذکر بھی قابل ذکر نہیں۔ جس کی تصویر کشی عہد عثمانی میں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کی گئی ہے۔ لہٰذا واضح ہوجاتا ہے کہ ابن سباء کا وجود اہل تشیع کے خلاف تراشا گیا ہے نہ کہ خوارج کیلئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خوارج کا تعلق جماعت سے نہیں تھا اور نہ وہ خود خلافت کے طلبگار تھے۔ خوارج تو ایک ایسے ٹولے کا نام تھا جو ہمیشہ خلافت اور بادشاہت کے خلاف

Marfat.com

لڑتا رہا۔ اس کے علاوہ جب بنوامیہ اپنے اختتام کو پہنچے تو اس وقت خارجیوں کا کوئی بڑا اور مضبوط گروہ باقی نہیں تھا۔ بنوعباس کے دور میں تو خارجی قصہ پارینہ ہوتے جارہے تھے اور ان کا ذکر صرف مباحث تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خارجی کوئی ایسی طاقتور فوج نہیں تھی جس کے خلاف جنگ کی جاتی اور لوگ ناراض ہوتے۔ اس کے نیک اور پارسا لوگ کم ہو جاتے۔ اہل تشیع کا معاملہ یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کی سیاست کے حوالے سے بادشاہوں اور خلفاء کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

بلاذری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کسی جگہ بھی ابن سباء کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اس نے ابن سباء کا ذکر نہیں کیا ماسوائے ایک مرتبہ کے جب وہ ایک عام سی بات کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکتے ہوئے فرمایا:

''کیا تم لوگوں کو کوئی اور کام نہیں؟ مصر ہاتھ سے نکل گیا اور بہت سے حامی قتل ہوئے مگر تمہیں اور باتوں کی پڑی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یادداشت تحریر فرما کر اسے لوگوں میں پڑھنے کا حکم دیا تھا جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کی طوطا چشمی کے بعد حالات کے رخ پر تبصرہ فرمایا تھا۔

بلاذری کا کہنا ہے اس تحریر کی ایک کاپی ابن سباء کے پاس تھی اور اس نے اس پر اعراب لگائے تھے مگر یہ ابن سباء ابن سودا نہیں تھا بلکہ اس کا نام عبداللہ بن وہب ہمدانی تھا۔

بلاذری نے یہ واقعات لکھتے ہوئے احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور سچائی کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف روایات لکھنے کے بعد تشکیک کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شاید اس بات کو اہل عراق نے از خود گھڑ لیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بنوعباس کی حکومت مضبوط ہوگئی تو اہل جماعت اور اہل تشیع میں ایک مسابقت کا سلسلہ چل نکلا۔ جس میں ایک دوسرے پر سبقت کے جوش میں

Marfat.com

نت نئی اختراعات سے کام لیا گیا اس لئے مؤرخین کو انصاف کے تقاضوں کے پیش نظر پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ابتدائی دور کے ان فتنوں کا بیان کرتے وقت احتیاط سے کام لے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شام والے عراق والوں کے خلاف غلط بیانی سے کام لے سکتے ہیں اور اہل عراق بھی اگر ان کے خلاف جھوٹ سے کام لیں تو غلط نہیں ہوگا۔ چونکہ ان واقعات کو گزرے ایک لمبا عرصہ بیت چکا ہے اور تحقیق کا کام انتہائی کٹھن ہو چکا ہے۔

جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے حدیثیں گھڑ لینے کو جائز سمجھتے ہیں ان کیلئے اس امر میں بھی کچھ مشکل نہیں کہ وہ اہل شام وعراق کی روایات بیان کرتے ہوئے جو جی چاہے اپنی طرف سے اضافہ کرلیں۔ اگر ان حالات کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ان حالات کو لکھنا کسی بھی مؤرخ کے لئے کسی امتحان سے کم نہیں ہے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان واقعات کو بصرہ وکوفہ کے قصہ گو حضرات نے اپنے انداز میں داستان بنا کے پیش کیا۔ لفاظی اور مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا اور جس قبیلے نے انہیں کچھ دے دلا دیا ان کا ذکر خاص طور پر بڑھا چڑھا کے کردیا اور کئی کارنامے ان سے منسوب کردیئے۔ انہوں نے ان واقعات کو اہم بنانے کیلئے اشعار کا سہارا لیا اور جہاں جی چاہا اور جس کے جی چاہا اشعار منسوب کردیئے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین نے شعراء کی ایک بڑی تعداد کو جنم دیا اور شاعری کے لبادے میں ایسے ایسے کمالات پیش کردیئے جن کو عقل تسلیم کرنے سے معذور ہے۔

جنگ جمل کے دوران جس نوجوان کو قرآن دے کر سامنے بھیجا گیا جس کا ہاتھ قلم کردیا گیا تو اس نے قرآن دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا، جب وہ بھی کٹ گیا تو دانتوں میں قرآن داب لیا یہاں تک کہ وہ قتل ہوگیا۔ یہ ان قصہ گو راویوں کی داستان طرازی کی ایک مثال ہے۔

اسی طرح ایک اور جنگجو کا واقعہ بیان کیا گیا جس میں وہ شدید گھائل ہونے کے بعد زمین پر گر جاتا ہے مگر اس دوران بھی ایسے جوشیلے رجز پڑھتا ہے جن میں اپنے ساتھیوں کی تعریف اور دشمن کی مذمت کی جاتی ہے۔ ایسے بے شمار اشعار موجود ہیں جن کے سننے سے

Marfat.com

ہی علم ہو جاتا ہے کہ یہ بعد میں موقع کی مناسبت سے گھڑے گئے ہیں۔ ویسے بھی کسی بات کو اشعار میں بیان کرنے سے حقیقت کا حق ادا نہیں ہو پاتا اور یہ اشعار فضا کو ایک مصنوعی ماحول میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

متکلمین نے اپنی ابحاث میں احادیث اور دیگر روایات کا سہارا لیا اور اس ذخیرے کو دین کی حیثیت اختیار ہو گئی اور مختلف مناظروں میں اس کے حوالے دیئے جانے لگے۔ اگرچہ مختلف فرقوں کی اختلافی باتوں کو دین کی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ اسے ایک اصولی معاملہ اور مسئلہ قرار دیا گیا۔ لیکن انہی اساسی چیزوں سے مناظر اپنے حریفوں کو کافر، زندیق، ملحد یا فاسق کے القابات دیتے نظر آتے۔ احادیث کے ذخیرے اور سیرت سے جو باتیں انہیں اپنے مطلب کے مطابق لگتیں انہیں اختیار کر لیتے تا کہ اپنے مؤقف کو بہتر انداز میں بیان کر سکیں۔

بلاذری نے اپنی تحریر میں عہد عثمانی یا خلافت علی رضی اللہ عنہ کے ادوار میں ابن سباء سے منسوب کسی فتنے یا فتنہ پروری کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کے برعکس طبری نے راویوں کے حوالے سے اور بعد میں آنے والوں نے طبری کے حوالے سے عہد عثمانی اور خلافت علی رضی اللہ عنہ کے دوران سبائی فتنے کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے مگر اس کے فوراً بعد وہ اسے بالکل فراموش کر دیتے ہیں لیکن جو امر انہیں اس سے دور کرنے کا باعث بنتا ہے وہ یہ ہے کہ ابن سودا اور اس کے ساتھیوں نے الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا اقرار کیا تھا جس کی پاداش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں نذر آتش کر دیا تھا۔ لیکن اگر آپ اس بات کی کھوج میں کتب تواریخ کھنگالیں گے تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کہیں سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔ ہمیں اس بات کا بھی علم نہیں ہوتا کہ ان غالیوں کا فتنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے کون سے برس پیش آیا۔ اگر اسلام کے شروع کے دور میں ہی ایسا واقعہ پیش آتا اور لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تو کم از کم اس دور کے نیک و مقدس لوگ تو ضرور اس کا ذکر کرتے اور مؤرخین بھی اس سے صرف نظر نہ کر پاتے اور ہمیں کسی نہ کسی تاریخ میں تو یہ واقعہ ضرور ملتا۔

Marfat.com

تاریخ نگاروں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ وہی ہے جو بلاذری نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے مرتکبین کو قتل کی سزا دی۔ مرتد کیلئے اسلام کا واضح حکم یہی ہے کہ ان کو توبہ کا موقع دیا جائے اگر وہ تائب ہو جائیں تو ٹھیک اور اگر تائب نہ ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو توبہ نہ کرنے پر قتل کر دیا ہو تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔

بلاذری نے اس واقعہ کا وقت اور مرتکبین کے نام نہیں لکھے اس لئے اس کی اس روایت پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ سبائی وجود رکھتے تھے یا نہیں یا ان کا وجود عدم وجود کے برابر تھا۔ چلیے اس بحث کو اسی مقام پر سمیٹ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں جو اس وقت کوفہ میں قیام فرما ہیں اور پھر مقام حروراء کا رخ کرتے ہیں جہاں ثالث اپنا فیصلہ سنانے آ رہے ہیں۔

خوارج

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو ان لوگوں سے خدشہ تھا جو حروراء کے مقام پر جا بیٹھے تھے۔ اگرچہ وہ لوگ خود اپنے مستقبل کے بارے میں بھی پُر یقین نہیں تھے۔ انہوں نے اپنا جنگی سالار شبث بن ربعی تمیمی کو مقرر کیا تھا مگر وہ جلد ہی ان کا ساتھ چھوڑ کر کوفہ لوٹ آیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں راہ راست پر لانا چاہتے تھے اور وہ لوگ خود بھی جس اُلجھن میں مبتلا تھے اس سے کسی طور بھی نکلنے کے خواہشمند تھے۔ وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیامبر بھیجتے اور درخواست کرتے کہ اہل شام سے دوبارہ لڑائی شروع کی جائے۔ اپنی بات کے حق میں وہ مختلف دلائل بھی دیتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب میں فرماتے:

”جنگ سے گریزپا میں نہیں تم لوگ ہوئے تھے لیکن اب جب ایک معاہدہ ہو چکا ہے تو اس کی خلاف ورزی کسی طور بھی مناسب اور

Marfat.com

مستحسن نہیں''۔

جب یہ جواب ان لوگوں کے پاس پہنچا تو وہ اور بھی شدت کرتے اور ان کی بات نہ ماننے کی صورت میں اپنے بائیکاٹ اور عداوت کی دھمکی دیتے۔ اس صورت حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو چند افراد کے وفد کے ساتھ ان کے پاس بھیجا اور ایک تاریخی نوعیت کا مناظرہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''تم لوگ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی کس بات سے ناراض ہو؟''

''انہوں نے دو شخصوں کو حکم تسلیم کرلیا ہے اس لئے ہمیں ان کی یہ بات اچھی نہیں لگی''۔ ان لوگوں نے جواب د:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ نے تو خود احرام کی حالت میں شکار کرنے والوں کیلئے حکم بنانے کا حکم دیا ہے''۔

پھر فرمایا ارشاد ربانی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا م بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ.

ترجمہ: ''اے ایمان والو! نہ مارو شکار جبکہ تم حالت احرام میں ہو، اور تم میں سے جو اس کو جان بوجھ کر مارے تو جو وہ مارے اس کے برابر بدلہ ہے مویشیوں میں سے، جس کا تم میں سے دو معتبر فیصلہ کریں، خانہ کعبہ نیاز پہنچائے یا (اس کا) کفارہ ہے کھانا چند محتاجوں کا، یا اس کے

Marfat.com

برابر روزے رکھنا تا کہ وہ اپنے کیے کی سزا چکھے، اللہ نے معاف کیا جو پہلے ہو چکا اور جو پھر کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔"

﴿سورۃ المائدہ آیت 95﴾

پھر شوہر اور بیوی کی علیحدگی کے خدشے کے پیش نظر اللہ نے دو حکم مقرر کرنے کا حکم دیا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا.

ترجمہ: "اور اگر تم ڈرو ان دونوں کے درمیان ضد (کشمکش) سے تو مقرر کر دو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے، اگر وہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت کر دے گا بے شک اللہ بڑا جاننے والا بہت باخبر ہے۔"

﴿سورۃ النساء آیت 35﴾

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ.

ترجمہ: "اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر زیادتی کرے ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر، تو تم اس سے لڑو، جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کر لے، پھر جب وہ رجوع کر لے تو تم ان دونوں کے

Marfat.com

درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور تم انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

﴿سورۃ الحجرات آیت 9﴾

جب اللہ تعالیٰ نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں اور مسائل میں حکم مقرر کرنے کی اجازت دی ہے تو ان معاملات میں حکم کیوں مقرر نہیں کیے جاسکتے جن کا تعلق بڑے مسائل، باہمی امن اور مسلمانوں کی خونریزی سے ہے۔

خارجیوں نے چند لمحے سوچا اور پھر کہا:

"اللہ تعالیٰ نے جو احکام واضح دیئے ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں مگر جہاں اللہ نے سوچنے سمجھنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں سوچنا اور اجتہادی صلاحیتوں کو استعمال کرنا لازم ہے۔ زنا، چوری اور قتل کے حوالے سے اللہ کے واضح احکام موجود ہیں اس لئے خلیفہ اس فیصلے کے خلاف نہیں جاسکتا اور نہ اس میں کوئی ترمیم کرسکتا ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی صورت حال ایک باغی جماعت کی ہے اور اللہ کا حکم ان سے لڑنے کا ہے۔ اس آیت اور حکم میں تبدیلی کا اختیار کسی کو نہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کو انجام تک کیوں نہیں جانے دیا۔ تاکہ باغی اللہ کے حکم کے آگے جھک جاتے"۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی صعصہ بن صوعان نے آگے بڑھ کر ان کو دلائل دیئے، فتنہ پروری کے انجام سے ڈرایا۔ ان کی نصیحت کارگر رہی اور ان میں سے قریباً 2000 لوگ کوفہ چلے آئے۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا:

"جب تک میں وہاں پہنچ نہ جاؤں بحث شروع نہ کی جائے"۔

تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے پہلے ہی بات چیت کی ابتداء کر دی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آکر دیکھا کہ وہ لوگ ان پر بھاری پڑ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

خود خطاب فرمایا اور لوگوں کو ہدایت کا رستہ دکھا کر قائل کر لیا۔

میں اس بات کو مانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور جب دیکھا کہ کامیابی نہیں ہو رہی تو آپ رضی اللہ عنہ نے خوارج کو پیام بھیجا:

''تم لوگ بحث کیلئے بارہ نمائندے مقرر کر لو اور میں بھی اتنے ہی ساتھیوں کو لے کر آ رہا ہوں تا کہ اس معاملے پر مناظرہ کیا جا سکے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور خارجیوں کے یزید بن مالک کے جھونپڑے میں دو رکعت نماز ادا کی۔ خارجی یزید بن مالک کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مناظرہ شروع کیا اور اپنے وہی دلائل پیش کیے جن کا پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے یعنی:

''جنگ سے گریزپا میں نہیں تم لوگ ہوئے تھے میں نے جنگ سے پیچھے ہٹنے کی تحریک بھی نہیں دی تھی۔ تمہارے ساتھی جنگ سے گھبرا گئے انہوں نے ہی حکم مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ اب جب ایک معاہدہ ہو چکا ہے تو اس کی خلاف ورزی کسی طور بھی مناسب نہیں''۔

بظاہر محسوس ہوتا تھا کہ خوارج قائل ہو گئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی ساتھیوں کے اصرار پر کی تھی لیکن وہ یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں تھے کہ انہوں نے حکم بھی ساتھیوں کے مجبور کرنے پر قبول کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے تھوڑی تعداد کے ساتھ جنگ کرنا مشکل تھا۔ اکیلے لڑنا ممکن نہیں تھا۔ اکثریت مخالفت اختیار کر چکی تھی۔ لیکن اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حکم قبول کرنے سے انکار کر دیتے تو انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ میرے اس رویے کی بنا پر لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کرتے پھرتے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ

Marfat.com

مُّعْرِضُوْنَ.

ترجمہ: ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں دیا گیا کتاب کا ایک حصہ، وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، پھر ان کا ایک فریق پھر جاتا ہے، اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔''

﴿سورۃ آل عمران آیت 23﴾

اس طرح شکار اور میاں بیوی والی آیت میں بھی لوگوں کو تاویل کی ضرورت درپیش آئے۔

''اس معاہدہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کیوں نہیں لکھا گیا، کیا آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے خلیفہ ہونے میں کوئی شک ہے''۔

خوارج نے ایک اور خدشے کا اظہار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے معاہدے سے قریش کے مطالبے پر 'رسول اللہ' کے الفاظ حذف کرادیئے تھے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی رسالت ونبوت میں کوئی شک نہیں تھا''۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکموں کے حوالے بات کی اور فرمایا:

''ان دونوں نے عہد کیا ہے کہ وہ فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں گے۔ اب اگر انہوں نے اپنے عہد کو نبھاتے ہوئے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیا تو ہم اسے مانیں گے لیکن اگر انہوں نے قرآن سے روگردانی کی تو پھر شامیوں کے ساتھ جنگ کے سوا کچھ اور بات نہیں ہوگی''۔

ان دلائل نے لوگوں کو قائل کرلیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب مناسب موقع ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں واپس شہر چلنے کا کہا۔ تمام لوگ اس حکم پر شہر تو

Marfat.com

واپس آ گئے مگر ابھی تک لوگوں کے دلوں میں ایک خلش باقی تھی۔ ان لوگوں نے سوچا کہ اب جنگی تیاری کرنی ہے اور اس کے بعد دوبارہ لڑائی شروع ہو جائے گی۔

کوفہ میں ان کی ایسی باتوں کا چرچا ہونے لگا۔ شامی جاسوسوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان باتوں سے آگاہ کر دیا اور انہوں نے ایک قاصد کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیام بھجوایا:

''معاہدے کی پابندی خلوص سے کریں ایسا نہ ہو کہ بکر و تمیم کے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو خلاف ورزی پر مائل کر لیں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان خبروں کی تردید کی۔ خوارج کے بیانات کو غلط کہا اور فرمایا کہ وہ ثالثوں پر متفق ہیں اور ان کا فیصلہ قبول کریں گے۔

جب مقررہ وقت قریب آیا تو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو 400 ساتھیوں کے ساتھ فیصلہ کے مقام پر بھیجا۔ شریح بن ہانی کو ان کا امیر مقرر فرمایا جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نماز کا امام مقرر فرمایا۔ خوارج نے جب یہ دیکھا تو پھر سے بگڑنے لگے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے تو وہ لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگاتے جس پر آپ فرماتے:

کلمة حق اريدبها الباطل.

''حق بات باطل مقصد کیلئے استعمال کی جا رہی ہے''۔

خوارج میں سے کچھ نے خطبے کے دوران اس آیت کا حوالہ دیا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

ترجمہ: ''اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل بالکل اکارت جائیں گے اور تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو گے۔''

﴿سورۃ الزمر آیت 65﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں یہ آیت پڑھتے:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ.

ترجمہ: ''پس آپ صبر کریں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ یقین

Marfat.com

نہیں رکھتے وہ کسی طور آپ کو سبک (برداشت نہ کرنے والا) نہ کر دیں۔"

﴿سورۃ الروم آیت 60﴾

خوارج کا بگاڑ بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے حریف بن کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر خوارج چپ رہے تو درگزر کی جائے گی، بحث کریں گے تو دلائل سے جواب دیں گے اور اگر فساد پر مائل ہو گئے تو ان سے جنگ کریں گے"۔

خوارج نے جلد ہی فتنہ وفساد شروع کر دیا اور ان سے جنگ کرنا ناگزیر ہو گیا۔

حکمین کا فیصلہ

مقررہ وقت پر دونوں حکم تقدیم وتاخیر کے ساتھ دومتہ الجندل اور پھر اذرح کے مقام پر اکٹھے ہوئے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پہلا مقام کون سا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ 400 ساتھیوں سمیت وہاں پہنچے اور دوسری جانب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی 400 ساتھی بھیج دیئے اور خود یا تو ان کے ساتھ ہی آئے یا پھر ان سے زیادہ دور نہیں تھے۔

ان حکموں نے ان افراد کو بھی بلوالیا جو فتنہ وفساد سے دور رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو بھی آنے کی دعوت دی گئی مگر انہوں نے شریک ہونے سے معذرت کر لی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے تو صاحبزادے نے بھی اصرار کیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا۔

دونوں ثالث گوشۂ خلوت میں جا بیٹھے اور کافی دیر تک ایک دوسرے سے گفت و

Marfat.com

شنید کرتے رہے۔ اس حوالے سے مؤرخین نے مختلف اور متضاد باتیں کی ہیں جن میں کوئی خاص ربط بھی نظر نہیں آتا۔ اس کا سبب غالباً قرار داد کا غیر واضح ہونا ہی تھا۔ ثالثوں نے انہی نکات پر بحث کر کے انصاف سے فیصلہ کرنا تھا اور فیصلہ کتاب اللہ کی روشنی میں کرنا تھا۔

مؤرخین کا کہنا یہ ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو امام مقرر کر دیا جائے لیکن میں اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کیوں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود ہی تو کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں تو پھر وہ کیسے ایک مدعی ہی کو منصف کے منصب پر بٹھانے کی تجویز دے سکتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود خلیفہ بنیں اور حکم اللہ کا مطالبہ اپنی ہی ذات سے کریں؟

یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود خلیفہ بننے کے بعد قصاص کی ولایت پسران عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیتے۔ لیکن یہاں نکتہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو طاقت ملی تھی اس کا سبب تو صرف یہی معاملہ تھا۔ اگر وہ اس معاملے سے ہی الگ ہو جاتے تو پھر ان کی خلافت کا جواز ہی کیا رہ جاتا؟ اس وقت بہت سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم حیات تھے اور کسی طور بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان پر فوقیت نہیں دی جا سکتی تھی۔ وہ لوگ اسلام قبول کرنے میں سبقت رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑی مصیبتیں جھیلی تھیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور مجلس شوریٰ کے رکن تھے انہی صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہوتے تھے۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بھی انہی عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ وہ ایک اچھے باپ کے اچھے بیٹے ہیں۔

ان نکات کی روشنی میں میرا خیال نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلافت کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ہی پیش کر دیا ہو۔ بہر کیف خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو جن مؤرخین نے اس بات کا ذکر کیا ہے انہوں نے ہی لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے مسترد کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سابق الاسلام

Marfat.com

ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منظورِ نظر بھی تھے۔

یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز دی تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ دورِ فاروقی کی یاد بھی تازہ ہو جائے۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز مسترد کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد کی طرح رعب و دبدبہ نہیں رکھتے تھے اور بارِ خلافت سنبھالنا بھی ان کے بس میں نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود انہیں مجلس شوریٰ میں حاضر ہوتے رہنے کا حکم تو دیا تھا لیکن کسی امر میں شمولیت کی اجازت نہ تھی۔

عراق کے راویوں نے اس بات میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو علیحدگی میں بلوا کر انہیں پیش کش کی کہ اگر وہ امارت مصر ان کے حوالے کرنے کا وعدہ کریں تو وہ ان کی خلافت کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔

اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اپنے دین کو اس بات سے داغدار نہیں کر سکتے اور نہ رشوت کے عوض خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میری رائے میں یہ عراقی راویوں کا غلو اور مبالغہ ہے کیوں کہ وہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے خوش نہیں تھے اور جہاں تک حقائق کا تعلق ہے دونوں ہی ثالث کسی بھی امیدوارِ خلافت کا باہمی اتفاق سے انتخاب نہ کر سکے۔

اس لئے دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو یہ اختیار سونپ دیا جائے کہ وہ جسے چاہیں اپنی آزادانہ رائے سے خلیفہ بنا لیں۔ لیکن اس بات کیلئے کوئی واضح منشور یا دستور نہ بنایا گیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اس بات کے سامنے آنے سے اختلافات بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ اہل عراق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اور اہل شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کریں گے۔ یہ بات بھی خارج از امکان نہیں تھی کہ حجاز والے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن

Marfat.com

زید رضی اللہ عنہ یا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے اور ان میں سے کسی کو خلیفہ بنانے پر اصرار کرتے۔ اس معاملے میں ان ثالثوں نے غالباً نہ تو غور کیا اور نہ کوئی احتیاط برتی۔ بس یہی فیصلہ کیا کہ دونوں کو معزول کرنے کے بعد امت کو اپنی مرضی سے خلیفہ منتخب کرنے کو موقع دیں۔

یہاں وہ نازک موڑ آتا ہے جس پر تمام مؤرخین متفق ہیں کہ مقررہ وقت پر دونوں ثالث لوگوں کے سامنے آئے اور اعلان کیا کہ انہوں نے ایسا فیصلہ کیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کا امن و امان بحال ہو جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو آگے کیا کہ وہ اس مشترکہ اعلامیہ سے لوگوں کو آگاہ کریں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نسبت کے پیش نظر ہر معاملے میں انہیں فوقیت دیتے اور آگے رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی کسی ہوشیاری کے خدشے کے پیش نظر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ وہ ابھی نہ اٹھیں اور پہلے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بات کرنے دیں۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس اشارے پر توجہ نہ دی اور کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے حمد و ثنا کے بعد اعلان کیا:

> ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اپنے اپنے صاحب یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور خلافت کا مسئلہ مسلمانوں پر چھوڑتے ہیں وہ جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں معزول ہیں۔ اب آپ لوگ جسے بھی خلیفہ بنانا چاہتے ہیں بنا لیں''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے بعد فوراً آگے بڑھے اور کہا:

> ''ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا ہے میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں۔ لیکن میں اپنے صاحب حضرت

Marfat.com

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کرتا اور انہیں بحال رکھتا ہوں۔"

اس سیاسی قلابازی سے گویا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بساط ہی لپیٹ دی اور ظاہر کیا کہ اب خلیفہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور خلافت کا قضیہ طے ہو چکا ہے۔

اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مابین سخت جملوں کا تبادلہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی لوگوں میں بے چینی پھیل گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وفد کے امیر شریح بن ہانی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوڑے سے حملہ کر دیا۔ جس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد نے شریح پر جوابی حملہ کر دیا۔ (ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا کہا گیا اور کنکر مارے گئے۔)

تصادم کو روکنے کیلئے لوگ بیچ بچاؤ کیلئے کود پڑے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جلد ہی سوار ہو کر مکہ کی جانب نکل گئے اور اہل شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت پر مبارک باد پیش کرنے لگے۔

اگر مؤرخین کے اس بیان کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سراسر دھوکہ اور فریب سے کام لیا۔ دونوں میں گرما گرم فقروں کے تبادلے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ انہوں نے دونوں کو معزول کرنے کی بات کی مگر صرف ایک کو معزول کیا۔ اس عہد شکنی اور سنگین خلاف ورزی پر یہ فیصلہ خود ہی کالعدم قرار پاتا ہے۔

اس کے بعد لوگ منتشر ہو گئے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا سوائے اس کے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک گونہ کامیابی ہوئی اور انہیں جنگ سے نجات اور تیاری کا موقع مل گیا۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں انتشار اور باہمی اختلاف بھی پیدا ہوا وہ آپس ہی میں لڑنے جھگڑنے لگے۔

کچھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس چال میں انتہا تک نہیں گئے تھے اور انہوں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح دونوں کو معزول کرنے کا اعلان کیا۔ دونوں کو برابر کا درجہ دیا۔

Marfat.com

لیکن اس روایت کی صحت میں شک ہے اور یہ روایت درست نہیں اگر درست ہوتی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح ہی بیان دیتے اور دونوں کو معزول کرنے کا اعلان کرتے تو شامیوں کے پاس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دینے کا کوئی جواز نہ رہ جاتا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تو خود بھی مبارک باد دینے والوں کی صف میں تھے۔ اعلان معزولی کے بعد بہت سے اہل عراق جنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ ثالثوں کے فیصلے کو تسلیم کریں گے وہ اس اعلان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ مکہ اور مدینہ میں بھی انتشار پیدا ہوسکتا تھا جہاں لوگوں نے عہد کیا تھا کہ اگر ثالث انصاف کریں گے تو وہ ان کی بات مانیں گے ورنہ نہیں۔ اگر ناانصافی نہیں ہوئی تھی تو ان لوگوں نے اپنا عہد کیوں توڑا۔ کیوں جاہلیت کے دور میں داخل ہونے لگے۔ پھر کنارہ کش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح اس عہد شکنی کو برداشت کرسکتے تھے؟

اگر یہ روایت درست مان لی جائے تو پوری اُمت کا معاملہ گڑبڑ ہوجاتا ہے۔ خود غرضی کا شکار ہوجاتا ہے اور اللہ کے احکام کی نفی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ط تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ط إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ط وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ.

ترجمہ: ''اور جب تم (پختہ) عہد کرلو تو اللہ کا عہد پورا کرو، اور قسمیں پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو، اور تحقیق تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنایا ہے، بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہوجانا جس نے اپنا سوت مضبوط کرنے (کاتنے) کے بعد ٹکڑے ٹکڑے توڑ ڈالا، تم بناتے ہو اپنی قسموں کو اپنے درمیان دخل دینے کا بہانہ کہ ایک گروہ دوسرے گروہ پر غالب آجائے، اس کے سوا نہیں کہ اللہ تمہیں اس سے آزماتا ہے، اور وہ روز قیامت تم پر ضرور ظاہر کر

Marfat.com

دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔"

﴿سورۃ النحل آیت 91 تا 92﴾

لہذا پوری کی پوری قوم عہد شکن اور گمراہی میں مبتلا نہیں تھی۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی ثالث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی اتنے سادہ لوح نہیں تھے اگر ایسا ہی ہوتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں گورنر نہ بناتے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنہ شروع ہوا تو کوفہ والے انہی کو گورنر رکھنے پر اصرار نہ کرتے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ایک نرم مزاج، پرہیزگار انسان تھے اور وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں کسی طور عہد شکنی بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کے اس تصور کو پاش پاش کردیا تھا اور وہ خجالت سے مکہ جاکر گوشہ نشین ہوگئے اور ہمیشہ اس بات پر تاسف کا اظہار کرتے کہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات کیوں نہ مانی۔ اگر وہ پہلے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بات کرنے دیتے تو شاید حالات کا رُخ کچھ اور ہوتا۔

جب عراقی وفد نے اس ساری کارروائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا تو انہوں نے کسی تعجب کا اظہار نہ کیا۔ انہیں علم تھا کہ یہی کچھ ہونے والا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے تو صفین کے موقع پر ہی ان کے قرآن بلند کرنے پر کہہ دیا تھا کہ یہ لوگ قرآن و دین کے لوگ نہیں ہیں"۔

کوفہ کے صاحب بصیرت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کو اس پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے دوبارہ جنگ کی تیاری شروع کردی اس وقت کچھ مصلحت کیش بھی بظاہر جنگی تیاریوں میں مشغول ہوگئے مگر ان کے باطن ظاہر سے مختلف تھے۔ اس سے پہلے کہ شام پر حملے کی نوبت آتی خوارج درمیان میں کود پڑے اور حملہ پھر التوا میں پڑ گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوارج

بلاذری کے مطابق جب ثالثوں کے فیصلے سے آگاہی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اگرچہ اب کے زمانہ ایک بھاری مصیبت اور بڑے سانحے کے ساتھ آیا ہے لیکن میں اللہ کی تحمید وثنا کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد کہنا چاہوں گا کہ ایک مخلص ساتھی کی نافرمانی سے ندامت ہوتی ہے۔ میں نے قبل از وقت ہی تم لوگوں کو ان ثالثوں کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کر دیا تھا۔ تم لوگوں نے میری بات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اب حالت یہ ہے کہ تم لوگوں کو اس وقت ہوش آیا جب معاملات ہاتھ سے نکل گئے۔

اے لوگو! سنو! جن لوگوں کو تم نے ثالثی کیلئے چنا اور پسند کیا انہوں نے اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی طرف سے باتیں بنائیں اور یوں قرآن نے جنہیں حیات دی انہیں موت سے دوچار کیا اور جنہیں قرآن نے موت دی انہیں حیات بخشی۔ دونوں نے فیصلہ کرنے میں خیانت کی جس سے معاملات سلجھنے کی بجائے مزید الجھ گئے۔ جو وقت کا تقاضا تھا پورا نہ ہوا اور نہ ان کے فیصلے سے کوئی رہبری ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے فیصلے سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نیک و صالح مسلمان آزاد ہیں۔ اب تم سب لوگ جہاد کیلئے تیار ہو جاؤ اور فوراً لشکر میں شامل ہو جاؤ''۔

مقررہ وقت پر سب لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ بھی خط لکھا تھا وہاں سے بھی ایک لشکر پہنچ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فوج تو بھیج دی مگر خود نہ آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکر کو منظم کیا اور شام کی طرف کوچ کر دیا مگر ابھی زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ ایسی پریشان کن خبریں آنے لگیں جن سے آپ رضی اللہ عنہ کا منصوبہ بکھر گیا۔ خارجیوں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر الگ ہو گئے

Marfat.com

تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے راستے پر نکل رہے ہیں تو وہ بھی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی شکل میں کوفہ سے کھلے یا چھپے نکل نکل کر آگے بڑھنے لگے۔ انہوں نے بصرہ سے بھی اپنے ہمنواؤں کو طلب کر لیا اور نہروان کی طرف بڑھنے لگے۔

جب لوگوں نے ''لاحکم الا اللہ'' کے نعرے کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا:

> ''یہ کلمہ حق ہے لیکن اس سے باطل مراد لیا جا رہا ہے ہم خارجیوں کو غنیمت لینے سے منع نہیں کریں گے، انہیں پریشان نہیں کریں گے لیکن اگر وہ فساد کریں گے تو انہیں روکیں گے۔ اگر وہ چپ رہے تو ہم بھی چپ رہیں گے اگر وہ بات کریں گے تو اس کا موثر جواب دیں گے اور اگر فساد پھیلانے کی کوشش کریں گے تو ہر طرح سے ان کا مقابلہ کریں گے''۔

روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھ کر آگاہ کیا کہ چونکہ دونوں ثالث کوئی متفقہ فیصلہ کرنے میں ناکام رہے اس لئے اب فیصلہ جنگ سے ہوگا۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے آجائیں۔

ان لوگوں نے اس کے جواب میں کہا کہ اب وہ جنگ کیلئے ساتھ نہیں دیں گے کیوں کہ جب انہوں نے جنگ کا مشورہ دیا تھا تو اسے نہیں مانا گیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی جنگ اب اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کیلئے ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سوچتے تھے کہ لوگ قرابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیں گے لیکن لوگوں نے منہ موڑ لیا۔ اب آپ رضی اللہ عنہ دنیاوی جاہ وحشمت کے حصول کیلئے جنگ چاہتے ہیں اور ہمیں اس دنیا کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہم کسی طور جنگ میں شریک ہونا پسند کریں گے۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ پہلے اپنے کفر کا اقرار کر کے ہماری طرح تائب ہو جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے ورنہ ہماری تلواریں آپ کے خلاف رہیں گی۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کا قتل

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی ان کڑوی کسیلی باتوں کے باوجود انہیں نظر انداز کیے رکھا اور شام کا عزم کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جلد یا بدیر خارجی راہ راست پر آ جائیں گے مگر جب یہ افسوسناک اطلاعات موصول ہوئیں کہ خوارج نے ممتاز صحابی عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ موجود مستورات کو بھی قتل کر دیا ہے اور اب انہوں نے اودھم مچا رکھا اور لوگوں پر دہشت طاری کر رکھی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی جانب ایک شخص کو روانہ کیا کہ وہ ان سے ان معاملات کی پوچھ گچھ کرے مگر انہوں نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے درخواست کی کہ اگر خوارج کا قلع قمع نہ کیا گیا تو ان کا فساد بڑھتا ہی جائے گا جس سے مسلمانوں کا عقب غیر محفوظ ہو کر رہ جائے گا اور خوارج نہ صرف ان کے اموال پر دست درازی کریں گے بلکہ ان کے بیوی بچوں کیلئے بھی خطرہ بن جائیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ پہلے خوارج کا بندوبست کیا جائے اور اس کے بعد شام کا رُخ کیا جائے تاکہ ہمارا عقب محفوظ رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا رُخ نہروان کی طرف کر لیا اور خوارج کے سامنے پہنچ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے جب عبداللہ بن خباب کے قاتلوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا تو وہ بولے:

''ہم سب کے سب ان کے قتل میں شریک ہیں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت فرمائی جس کا بہتوں پر اثر ہوا اور وہ کوفہ کی جانب لوٹنے لگے۔ اکثر خوارج لوٹنے کے بعد بھی غیر جانبدار ہی رہے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شمولیت نہ کی۔ یہاں تک کہ سردار خوارج عبداللہ بن وہب راہبی کے ساتھ 3000 کے لگ بھگ لوگ رہ گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ رجوع کرنے والے نہیں تو اپنے لشکر کو ان کے خلاف کارروائی کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ جب تک وہ لوگ خود آگے بڑھ کر حملے میں پہل نہ کریں انتظار کیا

Marfat.com

جائے۔

ایک روز دوپہر کے وقت ان کے منادی نے اعلان کیا:

''ہے کوئی جنت کا طالب تو سامنے آئے''

یہ سنتے ہی خوارج بھوکے شیروں کی طرح نکلے اور نعرہ زن ہوئے:

''ہم ہیں طالبان جنت''

یہ دستے غول بیابانی کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر حملہ آور ہوئے اور اس قدر شدید دباؤ ڈالا کہ قلب دونوں جانب پھیل گیا اور درمیان میں خلا بن گیا مگر جلد ہی اس صورت حال سے تیر اندازوں نے فائدہ اٹھایا اور دونوں اطراف سے تیروں کی بوچھاڑیں کر کے خوارج کو خاک وخون میں لوٹا دیا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ عبداللہ بن وہب راہبی بھی مارا گیا اور بہت سے وہ لوگ بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے جو ثالثی سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلص ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے مگر اس فیصلے کے بعد وہ الگ ہو گئے تھے۔ جلد ہی میدان خارجیوں سے پاک ہو گیا تھا۔

ذوالثدیہ لاش کی تلاش

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا:

''ایک ایسے شخص کو تلاش کرو جس کے سینے پر ابھار ہے اور ہاتھ کوتاہ''

لوگوں نے تلاش کیا مگر خالی لوٹ آئے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''واللہ! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ مجھ سے ہی جھوٹ کہا گیا۔ اسے ڈھونڈو اسے انہی کے درمیان ہونا چاہیے''۔

وہ دوبارہ واپس گئے اور لاشوں کے نیچے اسے پالیا۔

ایک آدمی دوڑتا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی:

''ہم نے اس نشان والے شخص کو ڈھونڈ لیا ہے''۔

Marfat.com

یہ سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اظہار تشکر کیلئے سجدہ ریز ہو گئے اور فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں جھوٹا نہیں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔ بے شک تم نے ایک بدترین شخص کو قتل کیا ہے''۔

سیرت نگار اور مؤرخین و محدثین کا بیان ہے کہ یہ کوتاہ ہاتھوں اور سینے کے ابھار والا شخص وہی تھا جس نے غزوہ حنین کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انصاف کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصاف سے کام نہیں لے رہے''۔

دو مرتبہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نظر انداز فرمایا لیکن جب اس بدبخت نے تیسری مرتبہ یہی بات کی تو رخ انور پر جلال کے آثار ہویدا ہوئے اور فرمایا:

'' تیرے لئے ہلاکت ہو اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی گردن نہ اڑا دی جائے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں روک دیا اور فرمایا:

''اسی شخص کی اصل سے ایک قوم ہو گی جو دین سے ایسے دور ہو گی جیسے تیر کمان سے دور ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ قرآن کی تلاوت تو کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا''۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کا فتنہ مٹا دیا اور کوفہ چلے جانے والوں کے علاوہ کم وبیش تمام ہی کھیت رہے۔ اب مسلمانوں کا لشکر عقب سے خوارج کے خطرات سے محفوظ ہو چکا تھا۔ تاہم اس بات کو نظر انداز کر دیا گیا کہ 3000 خارجیوں کا تعلق عراقی شہروں ہی سے تھا اور ان کے اہل خانہ اور دیگر رشتہ دار موجود تھے اور اس لحاظ سے صورت حال کو کامل طور پر اطمینان بخش قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

۱۔ صحیح بخاری مع الفتح الباری: 327,326/12. رقم الحدیث: 6933

Marfat.com

اگرچہ یہ جنگ خلوص نیت سے حق کی خاطر لڑی گئی تھی مگر یہ بات بھی اپنی جگہ تھی کہ اس جنگ میں بہت سے اپنوں نے اپنوں کا خون بہایا تھا اور انسانی فطرت کے ناطے انہیں کسی حد تک اس کا تاسف ضرور تھا مثال کے طور پر عدی بن حاتم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور بیٹا خارجیوں کے ساتھ قتل ہوا تھا۔ اس طرح ان کے رشتہ داروں کے دلوں میں کینہ وغصہ پیدا ہو جانا حیرانی کی بات نہیں تھی کیوں کہ بقول شاعر:

فان لك قد بردت بهم غليلي
فلم اقطع بهم الا ينالي

''انہیں قتل کر کے میں نے
اپنی پیاس تو مٹالی
مگر یہ کیا
میں نے تو اپنی ہی انگلیاں کاٹ ڈالیں''

یا بقول دیگر جاہلی شاعر:

قومی هم اقتلوا امهيم اخی
فاذا رميت اسا بنی سهعی
فلئن عفوت لا عفون جللا
ولئن سطوت لا رهنن عظمی

''میرے بھائی کو میری ہی قوم نے مار ڈالا
اب اس پر تیر برساؤں تو جان سے جاؤں گا
معاف کروں تو اچھا نہیں
اور حملہ کروں تو اپنی ہڈی توڑوں گا''

بصرہ کی لڑائی یعنی یوم الجمل میں جب اہل بصرہ پر فتح ہوئی تھی تو اہل کوفہ اپنے غم کے باوجود خوش تھے لیکن اس موقع پر تو انہوں نے اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کیا تھا۔ کوفہ والوں نے کوفہ والوں کو اور بصرہ والوں نے بصرہ والوں کو قتل کیا تھا۔ لوگ غمگین اور مایوس

Marfat.com

تھے اس لئے اگر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شام پر حملہ کے حکم پر کہا تھا کہ اب ان کے ترکش تیروں سے خالی ہیں، نیزے ٹوٹ چکے ہیں اور تلواریں کند ہوگئی ہیں اور اب ان کے بازو بھی شل ہیں بدن بھی چور ہیں اس لئے وہ پہلے آرام کریں گے پھر دوبارہ جنگی سازوسامان تیار کر کے حملے کیلئے نکلیں گے تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر کو لے کر نخیلہ کے مقام پر آ کر خیمہ زن ہو گئے اور حکم دیا کہ ابھی کوئی کوفہ کی طرف نہ جائے مگر ان لوگوں نے سرتابی کرتے ہوئے دو دو چار چار کر کے کوفہ کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بہت تھوڑے لوگ باقی رہ گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ لوٹ گئے اور ازسرنو جنگی تیاری شروع کر دی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہو چکی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شام پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو وہ بھی اپنا لشکر لے کر صفین کے مقام تک آ گئے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں نہ پہنچے اور جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔ نیز لشکر بھی ابھی جنگ سے گریز کر رہا ہے تو وہ ایک گونہ اطمینان سے دمشق لوٹ گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور لشکر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سالاروں کی خواہش پر لشکر کو آرام کرنے اور جنگی تیاری کی اجازت دیدی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ لوگ تازہ دم ہو چکے ہیں اور تیاری کیلئے بھی مناسب وقت مل چکا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں جنگ پر نکلنے کو کہا مگر انہوں نے گویا سنی ان سنی کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں اور وقت دیا تیاری کی مزید مہلت دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جب تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا جاتا ہے تو بغلیں جھانکنے لگتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر اکتفا کر چکے ہو؟ کیا تم نے عزوشرف کی جگہ ذلت اپنا لی ہے۔ جب

Marfat.com

میں تمہیں لڑنے کی دعوت دیتا ہوں تمہاری آنکھوں میں موت ناچنے لگتی ہے۔ بھیانک موت جس سے تمہیں ڈر لگتا ہے۔ تمہارے دل پتھر ہو گئے ہیں اور زمانہ امن کے شیر اور زمانہ جنگ کی لومڑیاں بن چکے ہو مکار لومڑیاں۔ جب امن ہوتا ہے تو شیخیاں بگھارتے ہو جب وقت پڑتا ہے تو پیٹھ دکھا جاتے ہو۔ تمہاری سرحدیں دشمن کے تسلط سے سکڑتی جا رہی ہیں مگر تم خواب گراں میں ڈوبے ہوئے ہو۔ دشمن تمہارے خوف سے آنکھ بند نہیں کرتا اور تم ہو کہ آنکھیں بند کیے گہری نیند اور غفلت میں ڈوب چکے ہو۔ مجھ پر تمہارے حقوق مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں تمہارے لئے دعا اور نیک خواہشات کروں لیکن صرف اس صورت میں جب تم مخلص ہو۔ میرا فرض ہے کہ میں تمہاری رہنمائی کروں اور تمہیں حماقت و نادانی سے بچاؤں۔ جہاں تک تم لوگوں پر میرا حق ہے اور تم پر جو کچھ میرے حوالے سے فرض ہے وہ یہ ہے کہ تم ہر حال میں میری بیعت پر کاربند رہو۔ جب میں تمہیں پکاروں تم لبیک کہو، جب تمہیں کوئی حکم دوں تم تعمیل کرو"۔

مگر افسوس اس خطاب کے الفاظ ان کے کانوں کے پردوں سے تو ٹکراتے رہے مگر ان کے دلوں میں نہ اُتر سکے۔ خطاب کے بعد وہ لوگ بے حسی سے چلے۔ لڑائی کی نہ تیاری کی نہ اس خواہش کا اظہار کیا۔ بس چپ چاپ اپنے معمول کے کاموں میں جت گئے۔ وہ شام پر حملہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے شہر میں آنے کی اجازت تو جنگی تیاری کیلئے کی تھی مگر شہر آ کر گویا ان کی کایا ہی پلٹ گئی تھی۔

ان کے اس روّیے کی بھی الگ وجوہات تھیں۔ اس کا بڑا سبب نہروان کا واقعہ تھا جہاں لوگوں کے اپنے ہی رشتہ دار مارے گئے تھے۔ جہاں بھائی نے بھائی کا گلا کاٹا تھا۔ جہاں باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچی تھی، جہاں چچا نے بھتیجے پر نیزہ چلایا تھا، جہاں ماموں بھانجا بھڑ گئے تھے۔ دوست دوست کا دشمن بن گیا تھا۔ وہ لوگ جانثار تھے۔ لڑائی بھی حق سمجھ کر

Marfat.com

لڑتے تھے مگر اب اپنوں کے قتل نے انہیں پژمردہ کر دیا تھا۔ جمل سے صفین تک لڑتے رہے تھے مگر حاصل کچھ بھی نہیں تھا۔ اپنے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ پہلے بھی کرتے تھے اور اب پھر جنگ کیلئے خلیفہ کے حکم پر نکل پڑے تھے مگر خوارج نے سب کچھ درہم برہم کر دیا۔ فوج کا رخ ان کی جانب کرنا پڑا۔ جنہیں شکست تو دیدی گئی مگر اس شکست نے فاتحین کے خیالات بدل ڈالے۔ انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ لشکر کفار کے خلاف جاتے ہیں۔ کفار کے علاقے فتح کرتے ہیں مگر یہاں تو وہ بار بار آپس میں ہی الجھ رہے ہیں اور اس تصادم وخونریزی کا حاصل بھی کچھ نہیں۔ کوئی نتیجہ سامنے نہیں آ رہا۔ سرحدوں پہ دشمن کا خطرہ بڑھ رہا تھا۔ شہروں کے اندر بے چینی پھیل رہی تھی اور مسلمان باہم متصادم تھے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس سارے معاملے سے لاتعلق ہے اور وہ کسی بھی کلمہ گو کے خلاف لڑنے کو تیار نہیں۔ ان میں سے کچھ نے اپنی تلواریں توڑ ڈالیں تھیں اور کہا تھا کہ تلواریں دشمن کے خلاف استعمال ہوتی ہیں اپنے بھائیوں کے گلے کاٹنے کیلئے نہیں۔

ہر شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا ایمان و ایقان نہیں رکھتا تھا اور نہ اس وقت کی سیاست سے آگاہ تھا۔ اس لئے ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے خلیفہ کی حکم عدولی کی مگر اب وہ پست ہمت ہو گئے تھے ان میں جنگ کا جوش وجنون ختم ہو چکا تھا۔

عراق میں ان لوگوں کو ہر طرح کی آسائش حاصل تھی یہ لوگ جنگ کی مصیبت سے دور ہی رہنا چاہتے تھے۔ بہت سے لوگ گھر بیٹھے مال غنیمت سے حصہ وصول کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ بہت سوں کو وظائف کی دیمک نے کھوکھلا کر دیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انداز حکومت و سیاست گذشتہ خلفاء سے مختلف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب مال غنیمت بکثرت آنے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ بیت المال کا تمام مال مسلمانوں میں بانٹ دیا جائے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی بات مانی جنہوں نے مشورہ دیا تھا کہ ایک رجسٹر بنایا جائے اور لوگوں کی خدمات پر ان کے وظائف مقرر کیے جائیں۔ اُحد وبدر کے غازی وظائف لینے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی ہوتا رفاعی کاموں کیلئے کچھ بچا کر باقی سب کا سب

Marfat.com

موقع پر ہی بانٹ دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال میں مال و دولت ذخیرہ کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ حکم دیا کرتے تھے کہ بیت المال میں جھاڑو دے کر اسے دھو دیا جائے اور جب ایسا ہو جاتا تو آپ رضی اللہ عنہ وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ خالق حقیقی سے اس حالت میں ملیں کہ حقداروں کا حق بیت المال میں پڑا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال میں آنے والے میوے، شہد، تیل اور اسی قبیل کی اجناس فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار سوئی اور دھاگہ بھی لوگوں کو دے دیا۔ جن لوگوں کو اس طرح بیٹھے بٹھائے مال مل جاتا تھا وہ سہل پسند ہو گئے تھے اور امن کو غنیمت جانتے تھے۔ انہیں یہی انداز زندگی پسند تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جنگ سے تو مال غنیمت بھی نہیں ملتا۔ اپنوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ نقصان پہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جنگ سے گریز کرتے رہے، ٹال مٹول سے کام لیتے رہے اور چین سے زندگی بسر کرتے رہے۔

اس پر مزید یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سالاروں اور افسروں سے رابطہ مہم شروع کر دیا۔ ان کی اس سیاست نے ان کی دولت اور فارغ البالی میں مزید اضافہ کر دیا ان کے سپہ سالاروں اور سرداروں کو امن و سلامتی کا گرویدہ بنا دیا اور سپہ سالاروں کو اپنے خطوط میں دولت کا لالچ و طمع دیتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ عطیات و انعامات کی پیشکش بھی کرتے رہے۔ جس میں ان کے آئندہ کے منصوبہ جات پورے ہوتے نظر آ رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی رقوم دے کر بڑی رقم کے وعدے سے خرید و فروخت کا بازار گرم ہو گیا۔ بعض افسر و سپہ سالار بکنے لگنے اور خلیفہ کی اطاعت کا اقرار صرف زبانی حد تک ہی رہ گیا۔ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نافرمان بن گئے۔ افسر یہی روّیہ اپنے ماتحت سپاہیوں میں بھی پیدا کر رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق و صداقت کے علمبردار تھے۔ راستباز تھے اور راستبازی کو پسند کرتے تھے۔ مکر و فریب والی سیاست انہیں چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ حق پر ثابت قدم رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کسی کا حق نہیں رکھتے تھے۔ حقدار کو دیتے تھے لیکن کسی کو

Marfat.com

کچھ دے کر خریدنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر قسم کی رشوت کے مخالف تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی چالیں چل سکتے مگر آپ رضی اللہ عنہ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی آبدار صلاحیتیں کسی طور بھی زنگ آلود نہیں ہو سکتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے صاف اور سیدھی بات کہی۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اخلاص کا مظاہرہ کریں۔ ظاہر و باطن سے اللہ کے بندے بن کر رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو راہ حق پر قائم رہنے کیلئے نرمی و سختی دونوں سے کام لیا۔ ایک روز آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

''اے لوگو! تمہارے بدن متحد مگر دلی خواہشات متفرق ہیں۔ اس سے میری تحریک کمزور ہو رہی ہے اور میرا غمخوار دل مضطرب ہے۔ تمہاری باتیں پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہیں مگر تمہارے عمل سے دشمن کو تقویت پہنچتی ہے۔ جب میں تمہیں جہاد کا حکم دیتا ہوں تو تم عذر تراشنے لگتے ہو۔ تم ہر بار مہلت مانگتے ہو جس طرح مقروض قرض خواہ سے مہلت مانگتا ہے۔ یا میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا۔ جو ذلت قبول کرنے پر راضی ہو جاتا ہے وہ کبھی ظلم و ظالم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حق تک رسائی، کوشش اور ارادے کے بغیر ناممکن ہے۔ اس کیلئے صبر کو ڈھال بنانا پڑتا ہے۔ تم لوگ جو اپنے گھر کی حفاظت سے غافل ہو اور کسی کے گھر کی حفاظت کیا کرو گے۔ اگر میری حمایت کیلئے نہیں نکلے تو آخر وہ کون سا امام ہوگا جس کے حکم پر جہاد کیلئے نکلو گے؟ واللہ! جس شخص نے تمہیں فریب میں مبتلا کر رکھا ہے وہ ہی مغرور ہے۔ اللہ کی قسم! وہی نامراد رہے گا۔ میں اب تم لوگوں سے کوئی توقع نہیں رکھتا نہ مجھے تمہاری مدد و حمایت کی ضرورت ہے نہ میں تمہیں اور تمہارے وعدوں کو سچا خیال کرتا ہوں۔ اللہ مجھے تم لوگوں سے الگ کر دے اور مجھے تم سے بہتر بدل عطا کرے۔

Marfat.com

عنقریب تم لوگ ذلت کے گڑھوں میں جا گرو گے اور تمہارے سر پر تلوار لٹک رہی ہوگی۔ وہ ظالم تمہارے دلوں میں خود غرضی کے بیج بو دے گا۔ تمہارے گروہوں کو منتشر کر دے گا۔ وہ تمہیں فاقوں میں مبتلا کر کے رلا دے گا۔ تب تم میری خواہش کرو گے میرا ساتھ دینے کیلئے پکارو گے۔ اس وقت تمہیں میری باتوں کی سچائی کا علم ہوگا اور اللہ ظالموں کو تو دور ہی رکھتا ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر سب منتشر ہو گئے اور ان کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم بلند فرما کر کہہ رہے تھے:

''اے اللہ! میں نے جو کچھ قرآن میں ہے طلب کیا مگر لوگ اس میں بھی آڑے آئے۔ اب تو میں ان سے اور یہ لوگ مجھ سے بیزار ہیں۔ یہ مجھے ایسی روش اختیار کرنے کا کہتے ہیں جس کا میرے طور طریقوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یا اللہ! مجھے ان لوگوں سے بہتر ساتھی دے اور انہیں برا رفیق دے جو ان کے دلوں کو دکھ سے بھر دے''۔

نہروان کے واقعہ کے بعد سے حالات حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے تلخ رُخ اختیار کر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی حق کو پہچانتے تھے مگر وہ اپنے فرائض بھول بیٹھے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں حق کیلئے نکلنے پر آمادہ کرنے کیلئے ہر جتن کرتے مگر وہ لوگ تعمیل نہ کرتے۔ وہ زندگی کو موت پر ترجیح دینے لگے تھے۔ سرحدوں پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توسیع پسندانہ کارروائیاں جاری تھیں۔ دیگر شہروں میں لوٹ مار ہو رہی تھی مگر آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی آپ رضی اللہ عنہ کی نصیحت پر عمل نہیں کر رہے تھے۔ جب انہیں طلب فرماتے تو وہ پہلو تہی کرتے۔ حکم دیتے تو حکم عدولی کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلص ساتھی کم تعداد میں تھے جن سے کام نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس جب دوسرے خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کا ساتھ دیا اور آخر جب خلافت آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو ایسے نامساعد حالات میں جن

Marfat.com

کو سدھارنے کیلئے تعاون کی ضرورت تھی اور تعاون کرنے والے اسے غیر ضروری خیال کر رہے تھے۔ جنگ میں انہیں اپنے ہی لوگوں کو مارنا پڑتا تھا پھر مال غنیمت کے نام پر بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں حق کی طرف بلاتے تو وہ نظر انداز کرنے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک نہایت مشکل مقام پر کھڑا کر دیا۔ لوگ عملی اقدامات کی بجائے فضول بحث میں مشغول ہو گئے۔ انہی ایام میں چند آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا:

''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟''

اس وقت اہل شام نے مصر پر قبضہ کر کے وہاں کے حاکم محمد بن ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''شامیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا، محمد بن ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کر دیا اور تمہارے پاس یہی کام رہ گیا ہے؟''

نہروان کے بعد خارجیوں کا ردعمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے اور بھی مشکلات کھڑی تھیں اور نہروان میں کامیابی بے سود رہی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے اس سے شدید اثر لیا تھا اور پھر خارجی بھی سارے کے سارے نہیں مارے گئے تھے۔ ان کی ایک جماعت تو قتل ہوئی مگر باقی ماندہ بصرہ اور کوفہ نیز نواح میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اپنے بھائیوں کے قتل عام کے بعد اپنے نظریات میں اور پختہ ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف انتقامی منصوبے بنانے لگے۔ خارجیوں نے خلفاء کے ساتھ فریب اور مکاری کو اپنا شعار بنا لیا اور پھر زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ یہ لوگوں کو خلیفہ کے خلاف ابھارنے اور بھڑکانے میں لگے رہتے۔ ہر وقت سازشیں کرتے۔ طاقت کے استعمال کا موقع نہ ملے تو لوگوں کو ذہنی طور پر استعمال کیا جائے اور اگر طاقت حاصل ہو جائے تو تلواریں بے نیام کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔

Marfat.com

یہ لوگ کوفہ میں سازشوں کے تانے بانے بنتے، لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اکساتے، نماز آپ رضی اللہ عنہ کی امامت میں ادا کرتے، خطبے سنتے مگر طنز اور دخل اندازی یہاں تک کہ قطع کلامی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی باتوں پر نکتہ چینی کرتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف سے توقع تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ انہیں مال غنیمت سے حصہ بھی ملے گا اور جنگی تیاری ہوتی رہے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برملا فرما دیا تھا کہ خوارج اگر بات کریں گے تو جواب بات سے ہی دیا جائے گا اور اگر تلوار اٹھائیں گے تو تلوار سے مقابلہ ہوگا۔ خارجی بھی جانتے تھے انہوں نے اس نرمی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی زبان کی تلواروں کو چلانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا تھا کہ یہی خارجی ان کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اپنی پیشانی اور داڑھی کی طرف اشارہ کرتے اور فرماتے:

''یہ خون میں تر ہو کر رہے گی۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باخبر کر دیا تھا کہ وہ شہید ہوں گے اور ان کو شہید کرنے والا ایک نہایت بد بخت ہوگا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے روّیے سے تنگ پڑتے تو خطاب میں فرماتے:

''پتا نہیں بد بخت آنے میں دیر کیوں لگا رہا ہے''

خارجیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ چکے تھے کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر اول فول بکنے سے باز نہ رہتے۔ ایک دن خریث بن راشد سلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جو سامہ بن لوی کی نسل میں سے تھا اور کہنے لگا:

''اللہ گواہ ہے کہ میں نے نہ تو آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا اقرار کیا اور نہ آپ رضی اللہ عنہ کی امامت میں کبھی نماز پڑھی ہے''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا:

''اللہ تجھے غرق کرے، تو نے رب کی نافرمانی کی اور عہد شکنی کا مرتکب ہوا، لیکن درحقیقت تو نے دھوکہ اپنی ذات کو دیا ہے۔ بتا تو نے

Marfat.com

ایسا کیوں کیا؟''

اس نے جواب میں کہا:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی ثالثی قبول کی اور جب کچھ کرنے کا وقت آیا تو کمزوری دکھادی اور جو آپ رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والے تھے انہی پر اعتماد کیا۔ میں ان کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا ملزم سمجھتا ہوں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی اس بے باکی پر اسے سرزنش نہ کی بلکہ دلائل کے ساتھ بحث کا کہا۔ اس نے مناظرہ کرنا قبول کرلیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تو اسی وقت اسے گرفتار کرا کے زنداں میں ڈال دیتے اور کڑی باز پرس کرتے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے جانے کی اجازت دیدی۔ اس نے واپس آنے کا وعدہ کیا مگر وہ سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں اپنی اس گفتگو سے آگاہ کرنے کے بعد انہیں ساتھ لے کر کوفہ سے باہر چلا گیا اور لڑائی کی تیاری شروع کردی۔ رات کے وقت ان لوگوں کو راہ میں دو آدمی ملے ان سے ان کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا تو ایک نے یہودی بتایا جسے ذمی سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور دوسرے نے اسلام بتایا اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ اس عجمی مسلمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توصیف کی تو خریث اپنے ساتھیوں سمیت اس پر پل پڑا اور موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہودی نے قریبی علاقے کے امیر کو اس کی بابت اطلاع دی۔ امیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوج روانہ کی اور حکم دیا کہ اگر وہ اطاعت قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ اس کی گوشمالی کی جائے۔ فوج کے افسروں نے اس سے بات چیت کی اور ناکامی کے بعد قاتلوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا جس پر دونوں میں جنگ چھڑ گئی جو شام تک جاری رہنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر اختتام پذیر ہوئی۔ رات کی تاریکی میں خریث اپنے ساتھیوں سمیت بصرہ کی جانب بھاگ نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بڑے دستے کو تعاقب میں بھیجا اور امیر بصرہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ خریث کو دونوں اطراف سے نرغے میں لے کر لڑائی شروع کردی گئی۔ اگرچہ خریث کو کافی

Marfat.com

نقصان اٹھانا پڑا مگر اس بار بھی وہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

خریت کا انجام

جب خریت یہاں سے نکلا تو اس کی حقیقت کھلی۔ اس نے خارجیوں کے علاوہ عیسائی اور مرتدین کو بھی ساتھ ملا لیا۔ عجمی مسلمان بھی قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بہت سے عیسائی جو اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ عیسائیت میں داخل ہو گئے تھے اس کے ساتھ مل گئے۔ وہ عیسائی جو ابھی تک اسلام کا لبادہ صرف جزیہ سے بچنے کیلئے اوڑھے ہوئے تھے اس کے ساتھ مل گئے۔

وہ دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا اور اس کے لشکر میں لوگ ملتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک بڑی طاقت کا مالک بن گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستے بھی اس کے تعاقب میں تھے۔ آخر ایک روز مڈبھیڑ ہو گئی اور شدید لڑائی کے دوران خریت قتل ہو گیا اور اس کی خباثت مٹ گئی۔ اس کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ مسلمانوں کو آزاد کر دیا گیا۔ مرتدین کو توبہ کا موقع دیا جنہوں نے اقرار کیا آزاد کر دیئے گئے اور جو اڑے رہے ان کو قید میں رکھا گیا۔

قیدیوں کی تعداد 500 کے لگ بھگ تھی۔ جب انہیں کوفہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو راہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر مصقلہ بن ہبیرہ کے علاقے سے گزرے۔ قیدیوں نے واویلا شروع کر دیا۔ چوں کہ قیدیوں کا تعلق اس کے اپنے قبیلے بکر بن وائل سے تھا اس لئے اس نے ان قیدیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افسر فوج سے خرید کر آزاد کر دیا مگر جو بات طے کی تھی اس کے مطابق ادائیگی میں بہانے تراشنے لگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ان معاملات کا علم ہوا اور مذکورہ افسر کوفہ پہنچ گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ فہمی پر اس کی تعریف کی لیکن جب مصقلہ نے رقم نہ بھیجی تو حضرت

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ مطالبہ کیا اور اسے دھمکایا۔ اس کے بعد اس کی جانب ایک افسر کو بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ اگر وہ بہانہ بازی کرے تو اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جائے۔

اس واقعہ سے علم ہوتا ہے کہ عراقی امراء کس ذہنیت کے حامل تھے۔ جب مصقلہ کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا اور انہوں نے رقم کا مطالبہ کیا تو وہ کہنے لگا:

''اگر آپ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے اس سے بھی زیادہ طلب کرتے تو مجھے کوئی عار نہ ہوتا''۔

ایک روز موقع پا کر مصقلہ فرار ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ انہوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوب پذیرائی کی۔ جسے دیکھ کر مصقلہ نے خواہش کی کہ وہ اپنے بھائی نعیم بن ہبیرہ کو بھی وہیں بلوا لے۔ لہٰذا اس مقصد کیلئے اس نے بنو تغلب کے ایک عیسائی جلوان کے ہاتھ ایک خط لکھ کر بھیج دیا۔

جب وہ کوفہ میں آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ وہ نہ صرف یہ کہ خط لے کر آیا تھا بلکہ وہ کوفہ کے حالات کی جاسوسی کیلئے بھیجا گیا تھا۔ مخبری اور جاسوسی کے الزام کے تحت اس عیسائی کے ہاتھ کاٹے گئے جس کے بعد وہ مر گیا۔

اس پر نعیم بن ہبیرہ نے عربی اشعار میں اپنے بھائی مصقلہ کو مخاطب کر کے کہا:

لا تامن هدك الله عن ثقه

ريب الزمان ولا تبعث كجلوانا

ماذاأردت ابى ارسالة سفها

ترجو سقاط امراما ماكان خرانا

عوضته لعلى انه اسد

ىمشى العرصنة من آماد خفانا

قد كنت فى منظر عن ذا و مستمع

Marfat.com

تاوی العراق وتدعی خیر شیبانا

لو کنت ادیت مال القوم مصطبرا

الحق الحییت مالا فعنال موتانا

لکن لحقت باھل الشام ھلمسا

فضل ابن ھنلو ذالك الرایٔ اشجانا

فالآن تکثر قوع السن من ندم

وما تقول وقد کان الذی کانا

و ظلت بتغضك الاحیاء قاطبة

لم یرفع اللّٰه با لبغضاء افسانا

''اللہ تمہیں ہدایت دے کہ تم فریب زمانہ کو جان جاؤ
جلوان کو اتنی بے باکی سے بھیجنے کی بیوقوفی آخر کس لئے کی
تمہیں ایسے شخص سے ڈر تھا جو خیانت نہیں کرتا
تم نے اسے علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھیج دیا جو
نرم پتھریلی سرزمین کے سرمیدان چلنے والے شیروں میں سے ایک شیر ہیں
عراق میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے
شیبان کے ایک بزرگ کہلاتے
اگر تم مال موعودہ پیش کرتے تو اسلاف کو زندہ کرتے
تم ہندہ کے بیٹے کی عنایات کے اسیر ہو کر شام جا پہنچے
ہم اس طرز عمل پر غمناک ہیں
اور تم بھی شرم سے انگلیاں کاٹتے ہو
لیکن ہونی ہو کر رہی تم قبائل کے مطعون ٹھہرے
اللہ نفرت اور بغض رکھنے والی قوم کو سربلند نہیں کرتا۔

مصقلہ کی اطاعت خام تھی اور وہ ایک امیر ہونے کے بعد ایک عام مطلب

Marfat.com

پرست شخص تھا۔ جو اپنے مفادات کا ہی طلبگار تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمانبردار نہیں تھا۔ یہ ایک حاکم کا معاملہ تھا پھر عام لوگ کس حال میں ہوں گے آپ خود ہی تصور کر سکتے ہیں۔ بصرہ اور کوفہ کے گلی کوچوں میں ایسے بے شمار لوگ گھوم رہے تھے جو خلیفہ سے مخلص نہیں تھے۔ دنیا میں گرفتار تھے۔ مصقلہ کے قیدیوں کو آزاد کرانے میں کوئی جذبۂ نیکی کارفرما نہیں تھا نہ وہ ثواب کا طلبگار تھا بلکہ اس نے اپنے اہل قبیلہ کی حمایت میں ایک کھیل کھیلا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک چال چلی تھی۔ جب اس کا پول کھلا تو وہ کوئی وضاحت کرنے کی بجائے بھاگ کر ان لوگوں کے پاس چلا گیا جو خلیفہ کے خلاف سازشوں کے جال بن رہے تھے۔ دوستی کا نقاب اتار کر دشمن بن گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح اس کی پذیرائی کی وہ کوئی مستحسن اقدام نہیں۔ اگر قیصر روم کا کوئی بندہ آتا تو معاملہ اور ہوتا مگر وہ شخص جو اپنے امام کو دھوکہ دے کر آیا اسے محض اس خیال سے خوش کرنا کہ کل اسے کسی معاملے میں استعمال کیا جا سکے گا موزوں نہیں تھا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصقلہ کے فرار کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کام سرداروں والا کیا اور بھاگا بزدل غلاموں کی طرح''۔

بطور عبرت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصقلہ کے مکان کو منہدم اور ملیامیٹ کر دینے کا حکم دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان آزمائشوں کے باوجود اپنی روش راہ پر بڑی ثابت قدمی سے گامزن رہے۔ دوستوں کی دغابازی اور دشمنوں کی عیاری و مکاری کو خاطر میں نہ لائے۔ دین کے معاملے میں کوئی کمزوری نہ دکھائی۔ حق پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا۔ کسی چالبازی کی اجازت نہ دی۔ انتہائی حالات اور غصے میں بھی صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ جیسی شفاف سیرت تھی ویسی شفاف سیاست۔ صراط مستقیم سے انچ بھر بھی دائیں یا بائیں نہ ہٹے۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نہروان کے معرکے کے بعد شدید ترین آزمائشوں میں گھر گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سرحدی خلاف ورزیوں اور حملوں کا ایک مسلسل سلسلہ شروع کر دیا۔ اہل شام پوری طرح ان کی مٹھی میں تھے۔ انہوں نے مصر پر قبضہ کا خواب دیکھا اور چونکہ مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دور تھا اور پھر اہل مصر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی سرگرم رہ چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کافی تگ ودو اور مشکلات کے بعد اپنی سیاست کے ذریعے مصر پر قبضہ کر لیا۔

گورنر مصر قیس

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر پر قیس بن سعد بن عبادہ انصاری کو گورنر مقرر کیا تھا۔ جب وہ مصر گیا ورلوگوں کو فرمان علی رضی اللہ عنہ پڑھ کر سنایا تو لوگوں نے واضح اکثریت میں بیعت کر لی۔ البتہ ایک چھوٹی جماعت نے بیعت کرنے سے معذرت کی تاہم یقین دلایا کہ وہ لوگ کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے ان کی راہ میں روڑے نہیں اٹکائیں گے۔ وہ لوگ خاموشی سے حالات کے بدلنے کا انتظار کریں گے۔ قیس نہایت معاملہ فہم تھے اور ان میں حکمرانی کی قابلیت موجود تھی۔ انہوں نے بھی ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔ چونکہ مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دور تھا اس لئے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس کو خط لکھ کر اپنی طرف شامل ہونے کا کہا۔ قیس نے مصلحت کے تحت اس خط کا نپا تلا جواب دیا۔ جس میں نہ تو ان کے ساتھ ملنے کا اقرار کیا اور نہ واضح انکار۔ اس طرح انہوں نے اپنی حکمت عملی سے اپنے صوبے کو فوری طور پر بچا لیا۔ ان کا جواب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطمئن نہ کر پایا اور انہوں نے دوٹوک انداز میں ان سے دریافت کیا کہ وہ ان کے دوست بننا چاہتے ہیں یا دشمن۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ قیس ان کی طرف مائل ہونے والے نہیں تو خط میں ان کو کھری کھری سنا ڈالیں یہاں تک کہ دشنام طرازی بھی کر دی اور انہیں یہودی کا بیٹا یہودی لکھ دیا۔ قیس بھی کہاں چوکنے والے تھے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور

Marfat.com

انہیں بت پرستی کا طعنہ دیا۔ انہوں نے ایک چال چلی اور قیس کی جانب سے عراق میں ایک خط بھیج دیا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے انحراف اور قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خط کا متن دیکھا تو بھانپ لیا اور فرمایا کہ یہ قیس کی حرکت نہیں بلکہ ان لوگوں کی سازش ہے جو ہمیں غیر مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو یقین نہ کیا مگر انکے ساتھیوں اس پر نے احتجاج کیا اور انہوں نے فوراً قیس کی معزولی پر اصرار شروع کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے اصرار پر قیس کو خط لکھا اور حکم دیا کہ جن لوگوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی ان سے بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کا مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ اقرار بیعت کریں۔

قیس نے اس کے جواب میں لکھا:

''جب وہ لوگ بالکل خاموش ہیں اور کسی طرح کی شرارت نہیں کرر ہے تو پھر آخر اس عجلت کا سبب کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ ان معاملات کو میرے اوپر رہنے دیں اور ان سے ابھی چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ ایسا کرنے سے انتظام میں خلل آئے گا ممکن ہے یہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امداد کیلئے طلب کرلیں۔ چونکہ یہ صوبہ دور ہے اور مشکلات پیش آسکتی ہیں اسلئے آپ رضی اللہ عنہ اس سارے معاملے کو مجھ پر چھوڑ دیں''۔

اس جواب کو حکم عدولی پر محمول کرتے ہوئے کوفہ والوں نے زیادہ شدت کے ساتھ اس کی معزولی پر اصرار کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ قیس نے خلیفہ کا حکم نہیں مانا اس لئے دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ مناسب ہوگا کہ قیس کو اس کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔

محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا تقرر

جب لوگوں کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیس کو معزول

Marfat.com

کر کے محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ مگر دونوں میں بہت فرق تھا۔ قیس جہاندیدہ اور تجربہ کار تھے۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ابھی نوجوان تھے۔ پھر محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والے معاملے میں شریک تھے جبکہ قیس اس سے الگ تھے۔ محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ جوان اور جوشیلے تھے۔ جنگ وجدل سے نہیں ڈرتے تھے۔ قیس متحمل شخص تھے اور لڑائی کے میدان میں اسی وقت اترتے جب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہ جاتا۔

جب محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ مصر پہنچے تو قیس مدینہ چلے آئے اور کچھ دن بعد کوفہ آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے۔ انہوں نے جنگ صفین میں بھی شرکت کی۔ ہر موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وفاداری کا مظاہرہ کیا اور اطاعت پر کاربند رہے۔

محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے جاتے ہی بیعت سے تامل کرنے والوں کو بیعت کا حکم دیا اور ان کے انکار پر جنگ مسلط کر دی۔ ان کے دستوں کو ان کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ ایک اور فوج بھیجی گئی جس کا انجام پہلے والی سے مختلف نہ ہوا۔ اس دوران ان لوگوں کو ایک اور جماعت کی حمایت حاصل ہو گئی اور ساتھ ہی قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی تحریک زور پکڑ گئی۔ صوبے کے انتظامی معاملات درہم برہم ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو معزول کر کے اشتر نخعی کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔

مصر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حملہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لشکر کی کمان سونپی اور مصر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو بدستور بحال رکھنے کا فیصلہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ثابت قدم رہیں انہیں مال اور فوج سے مدد دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو حکم دیا کہ وہ اہل مصر کی مدد کیلئے اٹھیں مگر انہوں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیادہ

Marfat.com

اصرار کیا تو چند دستے فراہم کیے جنہیں فوراً مصر کی جانب روانہ کر دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر میں داخل ہو کر محمد بن ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کر چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دستوں کو واپس بلا لیا۔ اہل کوفہ سے خطاب کے دوران انہیں سخت سست کہا مگر وہ لوگ بھی دھیان دیئے بغیر ادھر ادھر ہو گئے۔ مصر پر قبضے کے دن سے اسلامی حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مغربی حصے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران تھے جس میں شام، مصر اور افریقہ کے علاقے شامل تھے۔ مشرق والے حصے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی جس میں عراق، فارس اور جزیرۃ العرب کے علاقے شامل تھے۔

ان کامیابیوں اور فتوحات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے عراقی سرحدوں میں حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سے سرحدی علاقوں میں بہت بے چینی پیدا ہو گئی۔

بصرہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر

ان دگرگوں حالات نے کئی نئی مشکلات کو جنم دیا۔ اپنوں کی بیوفائی نے نہ صرف یہ کہ نظامِ خلافت کو بے حد نقصان پہنچایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرزِ سیاست کو متعارف کرانا چاہتے تھے اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان کی حمایت کیلئے تیار نہیں ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر نظریں جما دیں۔ اس کے ساتھ فارس کے علاقے بھی تھے اور اہمیت میں یہ بھی مصر سے کم نہیں تھا۔ اہل بصرہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے بڑی شد و مد سے نکلے تھے اور جنگ جمل ابھی ان کے ذہنوں میں تازہ تھی۔ بہت سے لوگ ابھی تک انتقام کے شعلوں میں جھلس رہے تھے۔ گورنر بصرہ بھی مکہ جا چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ یہ نہایت مناسب وقت ہے اور اس وقت اگر کوشش کی جائے تو ان لوگوں کو دوبارہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر ابھارا جا سکتا ہے۔ ان کو

Marfat.com

پرانے واقعات یاد دلا کر انتقام پر اشتعال دلایا جاسکتا ہے۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس کی تائید کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر حضرمی کو اچھی طرح سمجھا کر بصرہ بھیج دیا اور کہا کہ وہ جا کر بنوتمیم سے ملے اور بنی ازد سے بھی رہ و رسم پیدا کرے البتہ بنو ربیعہ سے محتاط رہنے کی تلقین کی کیوں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔

عبداللہ بن عامر حضرمی جب بصرہ پہنچا تو احنف بن قیس کو بدیں وجہ اپنی طرف مائل نہ کر سکا کہ وہ لوگ ان معاملات سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ کی امارت زیاد کے حوالے کر کے مکہ چلے گئے تو زیاد نے ان حالات کے تحت عدم تحفظ کا احساس کرتے ہوئے پہلے تو بنو ربیعہ کے پاس پناہ لینا چاہی لیکن ان کے سرداروں کے تامل پر بنی اُزد سے درخواست کی۔ بنی اُزد نے زیاد سے کہا کہ اگر وہ گورنر ہاؤس چھوڑ کر بیت المال اور منبر سمیت ان کے ہاں آجائیں تو وہ انہیں پناہ میں لے لیں گے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ زیاد نے ان کی شرائط مان لیں اور ان کے پاس چلے گئے۔

بصرہ میں اب لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک عبداللہ بن عامر کے زیر اثر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حامی بن گیا تھا۔ دوسرا احنف بن قیس کا کنارہ کش گروپ تھا۔ بنو ربیعہ کا گروپ بے یقینی کے عالم میں حالات کے بدلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ چوتھا گروپ پرانی قبائلی عصبیت پر ڈٹا ہوا تھا اور اپنی پناہ میں آنے والوں کیلئے قتل و غارت پر تل جاتا تھا۔ یہ گروپ بنی اُزد کا تھا۔

عبداللہ بن عامر بنوتمیم کی پناہ میں تھا اور انہی کے زیر سایہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے فضا سازگار کرنے میں کوشاں تھا۔ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اس نے بنیاد بنا لیا تھا۔

عصبیت کا جن گویا بوتل سے نکل کر ایک بار پھر بے قابو ہو گیا تھا۔ لوگ امیر کے

Marfat.com

حکم سے زیادہ اپنے قبائل کو ترجیح دینے لگے تھے۔ انہیں دین سے زیادہ اپنی روایات پر ناز تھا۔ مذہب پر دنیا حاوی ہو رہی تھی۔ خلافت سے دوری ہو رہی تھی۔

زیاد نے ان تمام واقعات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے اعین بن ضبعیہ تمیمی کو بھیجا کہ وہ جا کر لوگوں کو سمجھائیں۔ تاہم اعین بن ضبعیہ تمیمی نے جب انہیں سمجھانے کیلئے لب کشائی کی تو بنوتمیم ان کی بات سننے کی بجائے اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے بپھر کر منتشر ہو گئے اور اسی غصے میں ایک شب موقع پا کر انہیں قتل کر دیا۔

زیاد نے ان سے اس قتل کے قصاص کا مطالبہ کیا تو بنی اُزد آڑے آ گئے اور کہا:

> ''تم ہماری پناہ میں ہو اور ہم تمہاری جان اور بیت المال کی حفاظت کے تو پابند ہیں لیکن اس بات کے نہیں کہ جن سے تم صلح کرو ہم بھی اسے تسلیم کریں''۔

جب زیاد نے اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو انہیں قائل کرنے کیلئے بھیجا تاہم اب کے ان کی معاونت کیلئے تھوڑی سی فوج بھی ساتھ کر دی۔

جاریہ نے بصرہ پہنچتے ہی سب سے پہلے زیاد سے ملاقات کی اور تمام حالات کا جائزہ لیا۔ اس نے بنوتمیم کو اکٹھا کیا اور ان سے بات چیت کی۔ کچھ لوگ بات سمجھ گئے کچھ ضد پر اڑے رہے۔ جاریہ نے اپنی معاون فوج اور بصرہ کے حامی نوجوانوں کے دستے تیار کئے اور عبداللہ بن عامر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ عبداللہ بن عامر اور اس کے حامی شکست سے دوچار ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق اس نے ستر افراد سمیت ایک بااثر گھرانے میں پناہ لے لی اور بروایت دیگر وہ ایک قلعے میں محصور ہو گئے۔

جاریہ نے جا کر انہیں باہر نکلنے کو کہا مگر وہ لوگ آمادہ نہ ہوئے۔ اس پر جاریہ نے اس گھر کے گرد لکڑیاں اور گھاس پھونس کے ڈھیر لگوا دیئے اور اس کے بعد اس میں آگ

Marfat.com

لگا دی۔ آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں نے دیکھتے ہی دیکھتے مکان اور مکینوں کو راکھ کر دیا۔ محصورین بھیانک موت سے دوچار ہوئے اور کوئی ایک بھی زندہ نہ بچ پایا۔

بنو اُزد نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور اپنے قبیلے کے راگ الاپے۔ ازدی شاعر عمرو بن ارندس عودی نے اپنے قبیلے کی شان میں چند عربی اشعار کہے:

ونا زیاد الی دارہ
وجار تمیرد حنان ذهب
لحی اللّٰه قوما شودا جارهم
وللشاء بالدر همین الشصب
ینادی الخناق و خمانها
وقد سمطوا راسه با للهب
ونحن اناس لنا عادة
لحامی عن الجار او یعتصب
حمیناه ادحل ابیاتنا
ولا یمتع الجار ا الا لحسب
ولم یحرنوا حرمة للجوا
رائو اعظم الجار اقوم نجب
کفعلهم قملت بالزبیر
غشیة ازبره یستلب

''زیاد ہماری وجہ سے بحفاظت اپنے گھر لوٹا
بنو تمیم کا ہمسایہ دھواں بن کر تحلیل ہو گیا
اللہ اس قوم کو غارت کرے جو
اپنے ہمسائے کو بھون دیتی ہے
جیسے وہ دودرہم کی کوئی بکری ہو

Marfat.com

وہ خادموں کو پکارتے ہیں
کہ رسی لاؤ گلا گھونٹ دینے کیلئے
ان کے سر شعلوں نے جھلسا ڈالے
اور ہم تو وہ ہیں جو
فطری طور پر ہمسائے کو تحفظ دیتے ہیں
زیاد ہماری پناہ میں آیا تو
ہم نے اسے تحفظ دیا
پڑوسی کو تحفظ دینا اعلیٰ خاندان کا کام ہے
انہوں نے ہمسائے کا وقار نہ جانا
ہمسائے کا مقام ایک معزز قبیلہ ہی جانتا ہے
شام کے وقت جب زبیر کا مال لوٹا جا رہا تھا
جو کچھ انہوں نے تب کیا
وہی کچھ اب بھی کر رہے ہیں۔''

ذرا شاعر کے تخیل کی بلند پروازی دیکھئے جس نے ان اشعار میں نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات کی۔ خلافت کی اطاعت کا ذکر کیا نہ کسی مذہبی قدر کی بات کی اس نے زیاد کا نام لیا ہے جس نے اس کی قوم کے پاس پناہ لی اور قوم نے اپنے مہمان کی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ مہمان کا تحفظ بڑی بہادری سے کیا جانیں ہتھیلی پہ رکھ دیں۔

پھر بنو تمیم پر طنزیہ انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنے ہمسائے کو نہ بچایا بلکہ اس کو آگ میں جھلس کر مرنے دیا۔ انہوں نے اس کی حفاظت کا عہد کیا تھا وہ اسے نباہ نہ سکے۔ انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی تو یہی کچھ کیا تھا نہ صرف ان کو دھوکے سے قتل کر دیا بلکہ ان کے مال واسباب پر بھی ہاتھ صاف کیا۔

کچھ ہی دنوں بعد جریر بن عطیہ الخطفی شاعر نے بھی بنو اُزد کی مدح سرائی کی:

Marfat.com

غدوتم با لزبیر نما و نیتم
وفا ء الازد اذهنحوا زیادا
فا صبح جارهم بنجاة عز
وجار مشاجع اهسی رمادا
فلو عاقدت حبل ابی سعید
لذادا لقوم ما حمل النجادا
واوفی الخیل من رحج المنانا
و اغشاها لامنة وا لصحارا

"تم وہ ہو جنہوں نے زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دغا کیا
تم میں اُزد جیسی وفا شعاری نہیں
اُزد کا ہمسایہ سرخرو رہا
مجاشع کا ہمسایہ راکھ بن گیا
ابو سعید کی رسی پکڑتے تو
قبیلہ حمایت میں تلواروں کو بلند کرتا
گھوڑے موت کی صداؤں میں ہوتے
نیزے اسے ڈھانپ لیتے۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر نہ جاتے ان کے مطیع اور وفادار رہتے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف دیکھ نہ پاتے۔ پھر شاید وہ مصیبت بھی دوبارہ زندہ نہ ہوتی۔ ان حالات سے جہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی وہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات میں بھی مزید اضافہ ہوا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ یہ واقعات اس وقت پیش آئے۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کے بہیمانہ قتل پر تسلی دینے آئے تھے۔ لیکن یہ روایت درست ہوتی تو ان خبروں پر وہ فوراً خود جا کر حالات کو سنبھالتے اور زیاد، اعین اور جاریہ کو بھیجنے کی نوبت نہ

Marfat.com

آتی ۔حقیقت یہی ہے کہ جب ثالثی کا واقعہ پیش آیا اس کے بعد سے ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ دور ہونے لگے تھے ۔یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام پر حملے کا ارادہ کیا تو نہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ خود آئے اور نہ نہروان کی جنگ میں خود شرکت کی بلکہ اپنا ایک فوجی دستہ بھیج دیا، بس دور سے حالات کا جائزہ لیتے رہے۔

نیا حربہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بصرہ پر قبضہ کرنے کے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کی چال ناکام ثابت ہوئی ۔مگر اس کا اثر یہ ضرور ہوا بصرہ کے امن وامان کی صورت حال بگڑ گئی حالات کشیدہ ہو گئے ۔زیاد کو گورنر ہونے کے باوجود بنی اُزد کی پناہ میں جانا پڑا جو کہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا۔لوگوں نے باہمی خانہ جنگی کی ۔جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عراق کو براہ راست جنگ سے فتح نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے لڑائی کا وہ ڈھنگ اپنایا جس نے ہر طرف خوف ودہشت کا عالم طاری کر دیا۔امن وامان کی صورت حال خراب کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت نہایت کمزور ہو چکی ہے اور وہ لوگ اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے رحم وکرم پر ہیں وہ جب چاہیں گے دراندازی کر کے انہیں نقصانات پہنچا جائیں گے ۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے عبداللہ بن عامر حضرمی کو موت کی نیند سلا دیا گیا تھا۔ بلکہ اس کی موت کو عبرت کا نشان بنا دیا گیا تھا۔اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ بدلا اور عراقی سرحدوں کی جانب مختلف فوجی دستے بھیج دیئے جن کو حملوں اور ملحقہ دیہات میں لوٹ مار کی کھلی چھوٹ تھی ۔یہ دستے دور دور تک چھاپہ مار کارروائیاں کرتے ۔لوگوں کا مال ومتاع مال غنیمت سمجھ کر لوٹ لے جاتے ۔ ہر طرف خوف وہراس پھیلا جاتے ۔ان کے حملے تکلیف دہ ڈنک بن چکے تھے۔ جن کی تکلیف کے علاوہ زہر بھی تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔ضحاک بن قیس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دستے کے ساتھ صحرائے عراق میں گھس کر کارروائیاں کرنے کا حکم

Marfat.com

دیا۔ سفیان بن عوف کو دوسرا دستہ دیا اور حکم دیا کہ وہ سرحد میں گھس کر انبار کے شہر تک چلا جائے اور لوگوں سے مال غنیمت لوٹ لائے۔ نعمان بن بشیر اور مسعد فزاری کو دیگر اطراف میں بھیج کر حملوں کا حکم دیا۔ ان کارروائیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دکھ بھی ہوتا اور غصہ بھی آتا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کارروائیوں کا منہ توڑ جواب دینے کیلئے لوگوں کو طلب کرتے مگر لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم کی پرواہ نہ کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس صورت حال سے دل برداشتہ تصویر غم بن چکے تھے۔ اہل کوفہ ذلت و پستی میں ڈوب چکے تھے۔ خوف و دہشت نے ان کو گوشہ عافیت میں بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے حالات دیکھ کر ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر پتھر دل بھی موم ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا متن حسب ذیل ہے:

> ''بے شک جہاد فی سبیل اللہ جنت کا ایک دروازہ ہے جس نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا اللہ اسے حقیر بندوں کے ہاتھوں ذلت سے دوچار کرے گا۔ میں ہر لمحہ تمہیں دشمن سے لڑنے کی دعوت دیتا رہا۔ تمہیں کہا کہ اس سے پہلے کہ دشمن تم پر چڑھ دوڑے تم اس کے مقابلے کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جس کا دشمن اس گھر تک آن پہنچے اور حملہ کر دے اس سے زیادہ ذلت اٹھانے والا کوئی اور نہیں ہوتا۔ تم لوگوں نے ایک دوسرے کو الگ کر دیا ہر فرد اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈالتا رہا اور خود پہلوتہی کرتا رہا۔ میری بات تم پر کوہِ گراں گذری۔ تم نے سنی ان سنی کر دی۔ اب تو حالات اس حد تک بگڑ چکے ہیں کہ اخو غامد (سفیان بن عوف) کے گھڑ سوار انبار تک آن پہنچے ہیں۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ عامل انبار حسان بن حسان بکری کو قتل کر دیا گیا ہے، جو بھی عورت ان کے ہاتھ لگتی ہے خواہ وہ مسلم ہو یا ذمی یہ اس کے زیورات تک اُتار لیتے ہیں۔ یہ لوگ لوٹ کر بحفاظت واپس چلے

Marfat.com

جاتے ہیں اگر کوئی ان کی راہ میں مزاحمت کرتا ہوا مارا جائے تو میرے خیال میں یہ بھی باعث فخر اور جوانمردی کی بات ہوگی۔ نہایت تعجب خیز امر ہے جس سے دل مردہ، ذہن کند اور غم بڑھ رہے ہیں اور وہ یہ کہ وہ اپنے باطل پر پوری طرح کاربند ہیں۔ تم لوگ حق پر ہو مگر اس کے باوجود تمہاری حالت یہ ہے کہ تم ان کے تیروں کی زد میں ہو اور تمہاری کمان سے کوئی تیر نہیں چلتا۔ تم پر حملے ہوتے ہیں تمہیں پامال کیا جاتا ہے اور تم اس کو برداشت کرتے ہو۔ جب تمہیں سردیوں میں حملہ آور ہونے کا کہا تو تم نے سردی کا بہانہ کر کے گرمیوں میں حملہ کرنے کا وعدہ کیا۔ گرمی آئی تو تم نے کہا کہ اتنی گرمی میں جنگ نہیں ہوسکتی، سردی آنے دیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تم گرمی یا سردی سے خوف کھاتے رہو گے تو اللہ کی قسم ان کی تلواریں تمہیں خاک کی طرح اڑا دیں گی۔ تم خود پر خود ہی ظلم کرنے والے ہو، تمہارے اپنے ہاتھ ظالم اور بدن مظلوم ہیں۔ تم دیکھنے میں مرد لگتے ہو۔ تمہارے ذہنوں میں عورتوں کی عقلیں سما گئی ہیں۔ تم خواب غفلت میں گم ہو۔ تم نے میرے احکام سے سرتابی کی اور میری تدابیر اور حکمت عملی کو ناکام کیا۔ میرے دل کو غصے سے بھر دیا یہاں تک کہ اب لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے مگر جنگی حکمت عملی نہیں جانتا۔ مگر یہ نکتہ چینی کرنے والے نہیں جانتے کہ مجھ سے زیادہ صاحب تدبیر اور جنگی حکمت عملی کا ماہر کون جرنیل ہوگا۔ واللہ میں بیس برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی میدان جنگ میں اتر گیا تھا اور آج میری عمر ساٹھ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ لیکن بات یہی ہے کہ جس کا حکم نظر انداز کر دیا جائے اس کی قیادت کیا ہوگی؟''

ان تقاریر سے کچھ لوگ جذباتی ہوتے اور عصبیت والے چھوٹے چھوٹے دستے

Marfat.com

فراہم کر دیتے جنہیں ان گھڑسواروں کے تعاقب میں بھیجا جاتا اور اس میں وہ کبھی کامیاب ہو جاتے اور کبھی وہ گھڑسوار پہلے ہی بھاگ چکے ہوتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق پر حملوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر کے استحکام کو دیمک لگا کر کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ دفاع میں جو کارروائی کی جاتی وہ اس قدر موثر نہ ہوتی تھی جس سے اس کی روک تھام کی جاسکتی۔

عرب شہروں پر نظر

جب سرحدی کارروائیوں میں کامیابی ملی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنی جنگی کارروائیوں کا سلسلہ عرب شہروں تک پھیلانے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مکہ تو شہر ہی امن کا تھا۔ مدینہ والے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے خود کو محفوظ خیال کرتے تھے۔ دارالخلافت کوفہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ ماہ محرم الحرام میں جنگ کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ اہل یمن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کنارہ کش تھے۔ جب یمن میں لوگوں کی شورش بڑھنے لگی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاکم یمن حضرت عبیداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شکایت پر وہاں ایک سفیر بھیج دیا جس نے لوگوں کو سمجھایا اور دھمکایا کہ اگر وہ شورش سے باز نہ آئے تو فوج کے ذریعے انہیں درست کیا جاسکتا ہے۔ اس دھمکی پر لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مدد مانگی جنہوں بسر بن ارطاۃ قریشی کو ایک منتخب فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ بسر اپنی سنگدلی کیلئے مشہور تھا اسے حکم دیا گیا کہ دیہات میں آباد حامیان علی رضی اللہ عنہ پر اس قدر سختی کی جائے کہ وہ خوف و ہراس کا شکار ہو جائیں۔ اس کے بعد مدینہ کا رُخ کرنا اور لوگوں سے ایسا سلوک کرنا کہ موت ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے۔ یہاں سے مکہ جانا لیکن ان لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنا اور پھر یمن پہنچنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حاکم کو وہاں سے نکال دینا اور وہ حاکم مقرر کرنا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حامی ہو۔

Marfat.com

بسر بن ارطاۃ نے نہ صرف ان ہدایات پر عمل کیا بلکہ ظلم وستم کی نئی داستانیں رقم کیں۔اس نے دیہات میں لوٹ مار اور ظلم و بربریت کے بعد مدینہ کا رُخ کیا اور انتہائی سختی سے کام لیا۔جب لوگ پوری طرح خوفزدہ ہوگئے تو انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔موت اور ظلم کے خوف سے لوگوں کو بیعت کرنا پڑی۔اس کے بعد اس نے مکہ کا رُخ کیا وہاں کسی پر سختی تو نہ کی البتہ طائف والوں سے جنگ کا ارادہ کرلیا۔مغیرہ بن شعبہ کے سمجھانے پر وہ ان سے الجھنے سے باز رہا اور اس کے بعد یمن کی طرف بڑھنے لگا۔حاکم یمن اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر حامی ان خبروں پر یمن سے نکل گئے۔بسر بن ارطاۃ نے یمن میں جی بھر کے خونریزی کی اور اس کے بعد لوگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کیلئے کہا۔لوگوں نے خوف کے سائے میں بیعت کرلی۔

جاریہ بن قدامہ کی یلغار

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ بسر بن ارطاۃ نے یمن میں ظلم و بربریت کی حد کردی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو 2000 فوجیوں کے ساتھ یمن کی طرف روانہ کیا۔جاریہ کے آنے کی خبر پر بسر یمن سے نکل کر شام کی جانب بھاگ نکلا اور راستے میں جو بستیاں آئیں ان میں لوٹ مار اور قتل وغارت کرتا گیا۔

پسران عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قتل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دو بیٹے جو ابھی کم سن ہی تھے۔شومئی قسمت وہ بسر بن ارطاۃ کے ہاتھ لگ گئے۔اس وقت وہ شام کی جانب بھاگ رہا تھا۔اس ظالم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دونوں بچوں کو بھی قتل کردیا۔جب وہ بھاری مال غنیمت لے کر شام پہنچا تو اس کی خوب پیٹھ ٹھونکی گئی۔

بسر بن ارطاۃ کا انجام

بسر بن ارطاۃ نے جو ظلم جاگتی آنکھوں کیے تھے اب وہ اس کو سونے نہیں دیتے

Marfat.com

تھے۔آخری عمر میں وہ نیم پاگل ہو گیا تھا اور ہر وقت تلوار تلوار کی رٹ لگائے رکھتا۔جب تلوار دی جاتی تو اس کو ادھر ادھر لہرانے کے بعد چین پاتا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ایک چوبی شمشیر دی جاتی تھی جس سے وہ ایک تکیے پر تابڑ توڑ وار کرتا جاتا اور جب ہاتھ شل ہو جاتے تو تلوار چھوڑ دیتا۔اسی عالم میں وہ راہی ملک عدم ہوا۔

جاریہ بن قدامہ کی واپسی

جاریہ نے یمن پہنچ کر مخالفین کو خون میں نہلا دیا اور لوگوں کو دوبارہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے ماتحت کیا۔یمن کا کسی حد تک نظم ونسق بحال کرنے کے بعد جاریہ مکہ پہنچا جہاں اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر ملی۔اس نے مکہ اور مدینہ والوں سے عراق کے نئے خلیفہ کی بیعت کا اقرار لیا اور کوفہ لوٹ گیا۔

مسلسل لوٹ مار اور جنگی کارروائیاں جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے اہل عراق کیلئے نہ صرف یہ کہ وبال جان بن گئیں بلکہ وہ لوگ موت سے مزید خائف ہو گئے۔ان کی راتیں بے اطمینانی اور دن بے یقینی کی فضا میں گزرنے لگے۔وہ جنگ کی بجائے امن کے طالب بن گئے۔

عراق کی اندرونی حالت اور بیرونی حملے

اہل عراق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے صرف بیرونی حملے ہی پریشانی کا باعث نہیں تھے بلکہ اندرونی لڑائیاں بھی اس کا محرک تھیں۔اندرونی لڑائیاں اگرچہ چھوٹی تھیں لیکن ان سے اٹھنے والی پریشانیاں بڑی بڑی تھیں۔اگرچہ خارجیوں کو نہروان میں قتل کر دیا گیا تھا مگر اس سے ان کی لگائی ہوئی آگ پوری طرح بجھ نہیں سکی تھی بلکہ اس کے اثرات بعد میں ظاہر ہوتے رہے۔

کسی بڑی سے بڑی حکومت کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس طرح کی فتنہ پرور قوتوں کی پوری طرح سے بیخ کنی کر سکے۔نہروان سے بچ نکلنے والے خارجی آتش انتقام

Marfat.com

میں پھنک رہے تھے۔ وہ قصاص کیلئے گروہ در گروہ نکلتے اور سو سے دو سو آدمیوں کی جماعت لوگوں کے خلاف کھڑی ہو جاتی۔ فتنہ وفساد شروع ہو جاتا۔ ان کے اعلان جنگ سے امن وامان کی صورت حال تباہ ہو جاتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی سرکوبی کیلئے فوج روانہ کرتے جو ان کا قلع قمع کرتی۔ فوج واپس ہوتے ہی دوسرا گروہ میدان میں اتر آتا اور پھر فوج بھیجنا پڑتی۔ پہلے آشرس بن عوف شیبانی نے خروج کیا اسے ختم کیا گیا تو ہلال علقمہ تیمی آ گیا وہ بھی مارا گیا اس کے بعد اشہب بن بشر بجلی آیا اس کا بھی وہی حشر ہوا اس کے بعد سعید بن فضل تیمی کود پڑا۔ جب لشکر علی رضی اللہ عنہ نے اسے بھی سرد کر دیا تو ابو مریم سعدی، عرب اور غیر عرب غلاموں اور حامیوں کے ساتھ شورش کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

خارجی نو مسلموں کو بھی امام کے خلاف کرنے میں کامیاب ہو رہے تھے ورنہ اس سے قبل نو مسلم عربوں کے داخلی معاملات سے الگ ہی رہتے تھے۔ جب ابو مریم سعدی اپنے عجمی غلاموں کی فوج کے ساتھ عرب فوج کے سامنے آیا تو کسی نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا:

''ان غلاموں کے ساتھ تم عربوں سے لڑ کر فتح کے خواب دیکھتے ہو؟''

ابو مریم نے اس پر اپنے ساتھیوں کو شدید حملے کا حکم دیا اور انہوں نے اس شدت سے حملہ کیا کہ فوج کو کوفہ تک پیچھے دھکیل دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ ابو مریم کوفہ کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ خود اس کے مقابلے میں نکلے۔ ابو مریم ضرب حیدری کا سامنا و مقابلہ نہ کر پایا اور ساتھیوں سمیت مارا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے انجام تک پہنچا کر افسردگی کے عالم میں واپس آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ان حالات پر بہت دکھ تھا۔ شامی حملے کو روک کو فارغ ہوتے تو داخلی طوفان سے نمٹنا پڑتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک شگاف بند کر کے ہٹنے نہ پاتے کہ دوسرا پڑ جاتا۔

ان حالات میں بھی لوگ عملی اقدامات میں حصہ لینے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ گوشہ عافیت سے باہر نکلنے کے لے تیار نہ تھے۔ شامی دُور کے دشمن تھے۔ خارجی اندر کے

Marfat.com

دشمن تھے اور یوں لگتا تھا جیسے دونوں نے مل کر کوئی معاہدہ کر رکھ ہے اور ٹھان لیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چین کا سانس نہیں لینے دیں گے۔ دشمن لکڑ بگوں کا گروہ بن چکا تھا ایک طرف والے کو بھگایا جاتا تو دوسری جانب والا دانت نکوس کر حملے کیلئے بڑھتا۔

شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے یہ ساری صورت حال حوصلہ افزا اور اطمینان بخش تھی۔ مصر پر ان کا قبضہ تھا۔ اہل شام ان کی بیعت کر چکے تھے اور اب وہ خود کو امیر شام کی بجائے خلیفہ سمجھ رہے تھے۔ وہ جان چکے تھے کہ اہل عراق کے اندرونی حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں اور ان سے ہی نبرد آزما ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے بہت مشکل ہو چکا ہے۔

اہل شام کا حج

جب حج کا موقع آیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مخلص ساتھی یزید بن شجرہ ہادی کو امیر حج بنا کر حجاج کے قافلے کے ساتھ حجاز کی طرف بھیج دیا۔ جب یہ قافلہ مکہ کے نواح میں پہنچا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ گورنر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اس سے ڈر گئے تاہم یزید نے مکہ میں داخل ہو کر امان کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔

اس کے بعد اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے توسط سے لوگوں کو اس بات پر راضی کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر کی بجائے کوئی اور شخص نماز میں امامت کے فرائض ادا کرے تاکہ ایک ہی جماعت ہو۔ لوگوں نے حضرت شبیہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا نام تجویز کیا۔ سب نے اتفاق کیا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھی جانے لگی۔

حج کے ایام بخیریت گزر گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ یزید بن شجرہ مکہ میں آیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو حکم دیا کہ اسے مکہ سے نکال دیں۔ مگر اہل مکہ راضی نہ ہوئے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس کو ایک چھوٹا دستہ دے کر بھیجا مگر ان کے مکہ پہنچنے سے قبل ہی یزید شام کی طرف لوٹ چکا تھا۔ اس کے جو ساتھی مکہ میں رہ گئے تھے انہیں قید کر کے کوفہ لایا گیا۔

Marfat.com

جنگ شام کی تیاری

ان حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر شام پر حملہ کرنے کیلئے لوگوں کو ابھارا۔ بے شک انسان تدبیر ہی کر سکتا ہے فیصلہ تو قدرت کرتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں لوگوں کو جنگ کا حکم دیا۔ لوگ حسب سابق خطبہ سن کر چلتے بنے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو طلب کر کے اجلاس کیا اور انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگوں نے مجھے خلافت کیلئے میری خواہش کے بغیر منتخب کیا۔ ازخود میری بیعت کی۔ آج وہی لوگ زبانی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں کھوٹ ہے۔ میں نے ہر چند مہلت دی۔ اب میں بیزار ہو گیا ہوں۔ ان کی جانب سے کسی سرگرمی کے انتظار سے تھک گیا ہوں۔ میری نصیحت بے سود ثابت ہوئی۔ وعظ رائیگاں گیا۔ اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے عزیز اور قوم کے جو لوگ آمادہ ہیں انہی کو ساتھ لے کر شام پر حملہ کروں اور اگر کوئی بھی میرا ساتھ نہ دینا چاہے تو میں اکیلا ہی لڑنے جاؤں گا اور اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دوں گا''۔

میرا خیال ہے کہ یہاں وہ خطبہ پیش کرنا مناسب ہوگا جسے بلاذری نے روایت کیا ہے۔ یہ خطبہ ان لوگوں کیلئے کسی تازیانے سے کم نہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی طور تعاون کیلئے آمادہ نہیں تھے جن کی وجہ سے حالات اس نہج تک آن پہنچے تھے وہ لوگ خاموش تماشائی بن چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

''تم لوگوں نے مجھے بیعت کیلئے کہا اور تمہارے اصرار پر میں نے

Marfat.com

قبول کر لیا۔ میری خلافت کی بیعت کی جبکہ میں نے خلافت کی خواہش نہیں کی تھی۔ اس کے بعد مجھ پر حملہ آوروں کی یلغار ہوگئی۔ اللہ نے میری نصرت کی۔ وہ سب اوندھے گر کر ہلاک ہوئے۔ لیکن اب ایک جماعت باقی ہے جو اسلام میں نئی باتیں شامل کر رہی ہے۔ حق کو چھوڑ کر اپنی مرضی کرتی ہے اور جس کی دعویدار ہے اس کی اہلیت اس میں نہیں۔ جب لوگوں سے آگے بڑھنے کو کہا جاتا ہے تو وہ چند قدم اٹھاتے ہیں۔ لیکن جس طرح باطل کو جانتے ہیں اس طرح حق کو نہیں پہچانتے۔ حق کی تردید تو کرتے ہیں مگر باطل کو اسی طرح رد نہیں کرتے۔ تمہاری تنقیدی باتوں سے میرا دل بھر چکا ہے۔ اب مجھے خود ہی صاف صاف بتا دو کہ تم لوگ چاہتے کیا ہو؟

اگر تم دشمن کے خلاف جنگ کیلئے نکلنا چاہتے ہو تو یہی میں بھی چاہتا ہوں۔ اگر تمہاری خواہش کچھ اور ہے تو بھی مجھے بتا دو تا کہ میں فیصلہ کروں۔ اللہ کی قسم! اگر تم سب لوگ میرے ساتھ دشمن کے خلاف نہ نکلے تو اللہ اس کا فیصلہ کرے گا اور بے شک وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے تو میں تمہارے حق میں بددعا کر کے اکیلا دشمن کی جانب بڑھوں گا خواہ میرے ساتھ صرف دس ہی لوگ کیوں نہ ہوں۔

کیا شام والے جو باطل پر متحد ہیں تم سے زیادہ اہلیت اور قوت والے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ حق تمہارے ساتھ ہے سچ تمہارے ساتھ ہے لیکن سمجھ نہیں آتی تمہیں ہو کیا گیا ہے اور تمہارے اس مرض کا علاج کیا ہے؟ اگر تم ختم ہو گئے تو پھر قیامت تک تمہارے جیسے لوگ پیدا نہیں ہوں گے۔ تمہارے جیسی قوم پیدا نہیں ہوگی''۔

جب یہ اثر آفریں خطبہ سنا تو سرداروں نے شرم کے مارے سر جھکا لیے۔ انہوں

Marfat.com

نے سوچا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا ہی شام کی طرف چلے گئے تو ان لوگوں پر بزدلی اور بے وفائی کی ایسی چھاپ لگ جائے گی جسے ختم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ ان کے دامن پر ذلت کا انمٹ داغ لگ جائے گا جس سے دین بھی جائے گا اور دنیا بھی۔ وہ نہ اِدھر کے رہیں گے نہ اُدھر کے۔

دکھی حال خلیفہ وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے اگر کوئی بددعا نکل گئی تو شاید پھر ان کی زندگیاں ہمیشہ مصیبتوں میں ہی گھری رہیں گی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وعدہ کیا کہ وہ پورے خلوص سے ان کے ساتھ چلیں گے اور اس وعدے کے ایفا کیلئے وہ اپنی اپنی قوم کی جانب لوٹ گئے۔

ان سرداروں نے اپنی اپنی قوم کا اجتماع کیا۔ ان سے پرجوش خطاب کیا اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ابھارا۔ جلد ہی نوجوانوں کا ایک لشکر تیار ہوگیا جس نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس کو دیہات کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ وہاں سے بھی سپاہی بھرتی کر لیں۔ اس کے بعد سرحدی علاقوں کے گورنروں کو بھی جنگی تیاری کا حکم دیا۔ زیاد بن خصفہ کو ہراول کے طور پر شام کی طرف روانہ کر دیا گیا اور حکم دیا کہ وہ بلا تاخیر شامی سرحدی علاقوں میں کارروائیاں شروع کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پوری طرح تیار ہوگئے۔ منزل سامنے نظر آ رہی تھی، کامیابی یقینی تھی مگر اچانک تقدیر نے سب کچھ بدل ڈالا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عراق والوں کے ارادے تشنہ تکمیل رہ گئے۔

جنگ کی ذمہ داریاں بہت گراں ہوتی ہیں اور دیگر امور پر توجہ مرکوز کرنا ممکن نہیں رہتا۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی مصروفیات کو جنگ، سیاست اور مذہب میں تقسیم کر رکھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر قسم کے حالات میں ان تینوں شعبوں پر پوری توجہ دیتے تھے۔ جنگ کے حوالے سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ مذہبی لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ سابق خلفاء کی روش پر چل رہے تھے۔ نماز میں امامت فرماتے۔ اوامر و نواہی کا فرض ادا کرتے۔ لوگوں کو ان کے دینی حقوق و فرائض سے آگاہ کرتے۔ اللہ کی خوشنودی کے طریقے بتاتے۔ اس کی ناراضی سے بچنے کا

Marfat.com

حکم دیتے۔ مسجد میں بر سر منبر اور کبھی کھڑے ہو کر خطاب فرماتے۔ لوگوں سے بات چیت کرتے اور ان کے معمولات و حالات سے باخبر رہتے۔ ان کے مسائل سنتے اور حل بتاتے۔

آپ رضی اللہ عنہ ان کے معلم بھی تھے۔ امام و پیشوا بھی اور پیش رو بھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت بھی ان کیلئے قابل تقلید پہلو رکھتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کا کڑا محاسبہ کرتے۔ بازاروں میں جاتے تو لوگوں کو ناپ تول پورا رکھنے کا حکم دیتے۔ گاہک سے درست رویہ رکھنے کا حکم دیتے۔ گوشت کو پھُلا کر رکھنے سے منع فرماتے۔ آپ رضی اللہ عنہ انہیں ناقص اشیاء فروخت کرنے سے بھی منع فرماتے۔

لوگوں کو درست رکھنے کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی سختی فرماتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وقت زیادہ سختی کا متقاضی تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ لوگوں کی کھال کوڑوں سے ادھیڑ کر رکھ دی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کا رویہ دیکھتے تو فرماتے:

"میرا خیال تھا امیر لوگوں پر زیادتی کرتا ہے مگر اب معلوم ہوا کہ یہ لوگ ہیں جو امیر سے زیادتی کرتے ہیں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی چیز خریدنے جاتے تو کوشش کرتے کہ کسی ایسے دوکاندار سے خریدیں جو انہیں پہچانتا نہ ہو۔ پہچان والے سے خریدنے میں احتمال ہو سکتا تھا کہ کہیں وہ ان سے مرعوب ہو کر انہیں مال میں زیادہ رعایت نہ دیدے۔

آپ رضی اللہ عنہ امامت کراتے، نماز کے بعد لوگوں کو وعظ سناتے۔ رات کو فقیروں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ حاجت مندوں کو ڈھونڈتے اور ان کی حاجتیں پوری کرتے۔ پھر جب رات چھا جاتی تو عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ تہجد پڑھتے۔ رات کے قلیل وقت میں آرام کرتے۔ فجر کا وقت شروع ہونے سے کافی دیر پہلے بیدار ہو کر مسجد کا رُخ کرتے اور با آواز بلند فرماتے:

"الصلوٰۃ، الصلوٰۃ یا عباداللہ"

ترجمہ: "اے اللہ کے بندو نماز کے لئے آؤ"

لوگ آپ سے دینی مسائل پوچھتے آپ رضی اللہ عنہ انہیں تسلی بخش جواب دیتے۔

Marfat.com

لوگوں میں ہوتے یا تنہائی میں، کسی وقت بھی یاد الٰہی سے غافل نہ ہوتے ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے۔

جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے تو مال غنیمت ہوتا، جزیہ یا خراج، آپ رضی اللہ عنہ فوراً تقسیم فرما دیتے۔ تھوڑا ہوتا تو بھی برابر تقسیم کر دیتے۔ تاہم اگر مال تھوڑا ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے:

''جب مال آتا ہے تو بہت لگتا ہے مگر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے حصے میں تھوڑا تھوڑا ہی آتا ہے''۔

جب تقسیم فرماتے تو عدل کرتے۔ مساوات سے کام لیتے۔

ایک بار دو حاجت مند عورتیں آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں کو برابر کھانا اور کپڑا دیا۔ ان میں سے ایک عورت عرب تھی۔ اس نے کہا:

''یا حضرت! میں عرب اور یہ غیر عرب ہے اس لئے مجھے اس کی نسبت زیادہ حصہ ملنا چاہیے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ میں تھوڑی سی مٹی لی اور فرمایا:

''مجھے علم نہیں کہ اللہ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے علاوہ بھی کسی کو کسی پر برتری دی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شیخین کی طرح سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کاربند تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ صرف بیت المال کے حوالے سے مختلف نظریہ رکھتے تھے اور اس کا مشورہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیا تھا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ اپنے عہد میں اس پر عمل پیرا رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ بیت المال میں کچھ ایسا سامان باقی رہ جائے جو کسی کا حق ہو اور خلیفہ کو اس کیلئے اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ تھا کہ کسی ہنگامی صورت حال کیلئے بیت المال میں رقم موجود ہونی چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مصلحت کے تحت وہ طریقہ اختیار کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیش نظر ذاتی احتیاط بھی تھی۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور گورنر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گورنروں کے ساتھ وہی طرز عمل تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حکام کا کڑا محاسبہ کرتے تھے۔ انہیں عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیتے۔ رعایا کی اچھی خبر گیری کی تلقین فرماتے۔

گورنر کی تقرری سے پہلے اس سے حلف نامہ لیتے۔ گورنر کے معاملات پر گہری نظر رکھتے۔ رعایا کے معاملات کا پابند ہوتا۔ شکایت کی صورت میں خلیفہ گورنر سے پوچھ گچھ کرتا۔ اسے اس کے مطابق سزا یا جزا دی جاتی۔ گورنر کی زندگی کے پہلو پر نظر رکھی جاتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام آدمیوں کو بھی یہ اختیار دے رکھا تھا کہ وہ اپنے گورنر کی کسی بے اعتدالی کی شکایت کر سکتے تھے۔ نیز گورنر اور دیگر افسروں کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مانیٹرنگ ٹیم بھی تشکیل دے رکھی تھی۔

ایک مرتبہ ایک صوبے سے ایک وفد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور دوران ملاقات بتایا کہ ان کے شہر سے گذرنے والی نہر بھل سے اٹ کر خشک ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ گورنر کو لکھیں کہ وہ اس نہر کو دوبارہ جاری کرے اور مقامی لوگوں سے مشقت لے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ منظور فرمالیا کہ نہر دوبارہ جاری کر دی جائے لیکن یہ بات پسند نہ فرمائی کہ اس کیلئے لوگوں سے بیگار لی جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعلقہ صوبے کے گورنر قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا:

''تمہارے صوبے سے ایک وفد نے مجھ سے ملاقات کی اور درخواست کہ میں تمہیں لکھوں کہ تم ان سے بیگار لے کر اس نہر کو دوبارہ جاری کر دو۔ جس سے ان کے کھیت سیراب ہوں اور علاقہ شاداب ہو جائے۔ پس تم اس نہر کو جاری کرو۔ اس سے لگان بھی پورا

Marfat.com

وصول ہوگا۔ یہ نہر ان کی ہے جو اسے جاری کرنا چاہتے ہیں۔ تم اس کا اعلان کر دو۔ لیکن کسی سے بیگار نہیں لی جائے گی البتہ جو لوگ خود اپنی خوشی سے بھل صفائی کے کام میں شریک ہونا چاہیں انہیں اجازت ہے۔ مجھے یہ بات پسند ہے کہ لوگ آباد ہوں اور خوشحال اور طاقتور ہوں۔ یقیناً یہ ان کے پسماندہ اور کمزور ہونے سے بہتر ہے''۔

ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو ان کو لکھا:

''تمہارے لوگوں نے مجھ سے تمہارے سخت اور حقارت آمیز رویے کی شکایت کی ہے۔ یہ لوگ مشرک ہیں مگر تمہاری حقارت کے مستحق نہیں۔ ان لوگوں سے ہمارا معاہدہ ہے جس کی رو سے انہیں شہر بدر نہیں کیا جا سکتا۔ تم ان باشندوں اور تاجروں سے نرمی کا سلوک اختیار کرو۔ البتہ نفاذ قانون کے حوالے سے سختی رکھو۔ یہ سختی ظلم کی حدوں کو نہ چھونے لگے۔ اپنے عہد کی پاسداری کرو۔ ان سے مقررہ خراج لو اور ان کے خلاف طاقت بھی جمع رکھو تا کہ یہ سرکشی کی جسارت نہ کریں۔ میرا حکم ہے کہ ان سے خراج ان کی بساط کے مطابق ہی لو اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ ہی ہمارا حامی و ناصر ہے''۔

گورنر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرزنش سے ڈرتے اور بعض اوقات اپنی چھوٹی موٹی لغزشوں کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن جب یہ بات ظاہر ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا سخت احتساب کرتے تھے۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد کے پاس بصرہ میں اپنا نمائندہ بھیجا اور حکم دیا کہ وہ بیت المال سے تمام مال لے آئے۔ زیاد ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نائب تھا یہ بات یا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے از خود سبکدوش ہونے سے پہلے یا پھر بعد کی ہے۔

زیاد نے دوران گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نمائندے کو بتایا:

Marfat.com

''کرد خراج کچھ کم دے رہے ہیں تاہم میں نے ان پر سختی نہیں کی''۔

پھر کہا کہ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم میں نہ آئے مگر اس سفیر نے آ کر سب کچھ سچ سچ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتا دیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا:

''کردیوں کے خراج کے معاملے کے حوالے سے جو باتیں تم پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے وہ تمام، قاصد کے توسط سے مجھ تک پہنچ گئی ہیں۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ قاصد کے سامنے ذکر کرنے سے تمہارا مقصد یہی تھا کہ یہ تمام باتیں مجھ تک پہنچ جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم مسلمانوں کے مال میں خیانت کے مرتکب ہوئے تو میں اس قدر سختی سے کام لوں گا کہ تمہارے لئے زمین پر چلنا پھرنا دوبھر ہو کر رہ جائے گا''۔

اس خط کے مندرجات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تدبر اور فراست کا علم ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت معاملہ فہم تھے اور ہمیشہ سیدھی، کھری اور دوٹوک بات کرنے کے عادی تھے۔ کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ زیاد کا معاملہ سمجھ گئے کہ اس نے قاصد کے سامنے جو بات کی تھی اور کردیوں کے خراج میں کمی کا حوالہ دیا تھا وہ ایک تاویل اور عذر خواہی سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اسے واضح طور پر سمجھا دیا تھا اور ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کردیوں سے بھی چھان بین کی ہو۔

اسی طرح جب حاکم اصطخر منذر بن جارود کے متعلق علم ہوا کہ وہ اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ شکار و سیر میں صرف کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا:

''میں نے دیکھا کہ تم ایک متقی باپ کے بیٹے ہو اسی جیسے ہو گے مگر مجھے دھوکہ ہوا۔ تم اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے دین کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ نصیحت سننے اور ماننے سے پہلو تہی کرتے ہو۔ تم فرائض سے غفلت کرتے ہو اور زیادہ تر شکار پر نکل جاتے ہو۔ اللہ کے مال کو والدین کی جانب سے ورثہ سمجھ کر بے دریغ اڑا رہے ہو۔ اگر یہ سچ ہے تو تم سے تمہارے گھر میں پڑی رسی اور تمہارے جوتے کا تسمہ بہتر

Marfat.com

ہے۔ اللہ لہو ولعب میں مشغول رہنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔
مسلمانوں کے مال کا خائن مغضوب الٰہی بن جاتا ہے اور ایسا آدمی
سرحد اسلام کی پاسبانی اور خراج جمع کرنے کا اہل نہیں ہوسکتا۔
مسلمانوں کے کسی معاملے میں قابل اعتماد نہیں ہوتا لہٰذا جونہی تمھیں
میرا خط ملے میرے پاس آجاؤ''

جب منذر بن جارود آگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت کرنے والوں کی موجودگی میں اس کا احتساب کیا تو مسلمانوں کے مال میں سے اس کے ذمہ 30000 درہم نکلے۔ مطالبہ پر وہ ادا نہ کرسکا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قسم اٹھانے کو کہا مگر وہ ایسا بھی نہ کر پایا جس کے بعد اسے جیل بھیج دیا گیا اور بعد میں کوفہ کے پرہیز گار بزرگ صعصعہ بن صوحان کی ضمانت پر اسے چھوڑا گیا لیکن ان کو حاکمیت سے معزول کردیا۔

ایک بار ایک غلام کو زیاد کے پاس مال لینے بھیجا تو اس کی بدسلوکی سے دلبرداشتہ ہوکر غلام واپس آگیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگاہ ہوکر زیاد کو لکھا:

''مجھے سعد سے علم ہوا ہے کہ تم نے زیادتی سے کام لیا۔ دشنام طرازی کی اور تکبر سے اس کے ماتھے پر مارا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ بزرگی اور عظمت صرف اللہ کیلئے ہے جو تکبر کرتا ہے اللہ کے غضب کا شکار ہوجاتا ہے۔ مجھے یہ بھی علم ہوا ہے کہ تم نہایت پرتکلف قسم کے کھانے کھاتے ہو۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ تم روزے رکھو اور صدقہ کرو۔ تم خود ہر قسم کا عیش وآرام چاہتے ہو مگر پڑوسی، مسکین یتیم، بیوہ بدستور کسمپرسی کی حالت میں رہیں۔ تمھیں اپنے صالح ہونیکا انعام بھی ملتا رہے۔ تمہاری باتیں صالحین کی اور کام عاصیوں والے ہیں۔ اس سے تم اپنی جان پر ظلم کررہے ہو اور اعمال کو تباہ۔ اللہ سے توبہ کرو، اعتدال میں رہو، ضرورت کے وقت کیلئے بچا رکھو۔ روزانہ تیل لگانے سے گریز کرو۔ ظاہری آرائش وزیبائش سے بچو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

کا ارشاد ہے کہ ایک دن چھوڑ کر تیل لگایا کرو اور اسے باعث زینت نہ بناؤ''۔

جب زیاد نے یہ خط پڑھا تو اپنی صفائی میں لکھا۔

''سعد بڑی تیزی سے آیا جس پر میں نے اسے ڈانٹ پلائی تاہم وہ اس سے زیادہ سرزنش کا حقدار تھا۔ میرے کھانے اور عیش کے بارے میں اس نے سچ بولا ہے تو اللہ اسے جزا دے لیکن اگر دروغ گوئی سے کام لیا ہے تو اللہ اس کی پکڑ سخت کرے۔ جہاں تک میرے قول وفعل میں تضاد کا معاملہ ہے تو آپ رضی اللہ عنہ اس سے کہیں کہ وہ ایسی ایک ہی بات ثابت کر دکھائے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اس سے پوچھیں گے تو سارا سچ اور جھوٹ کھل کر سامنے آجائے گا''۔

زیاد نے جب دیکھا کہ اس پر غلط الزامات لگائے جا رہے ہیں تو اس نے درخواست کی کہ الزام لگانے والے سے تفتیش کی جائے۔

حاکم آذربائیجان اشعث بن قیس کی بے اعتدالیوں کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے معزول کرتے ہوئے لکھا:

''تمہیں ان عنایات نے غرور پر مائل کر دیا تم رزق تو اللہ کا کھاتے ہو، نعمتیں اس کی استعمال کرتے ہو اور اپنی صلاحیتیں زندگی میں عیش پر صرف کرتے ہو۔ تمہارے پاس خراج کی جتنی رقم موجود ہے بلا تاخیر اور بلا عذر لے کر میرے پاس چلے آؤ''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف اپنے افسروں کو ڈانٹتے بلکہ جو اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے تھے ان کی خوب حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ حاکم بحرین عمرو بن سلمہ کو آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا:

''بحرین پر تمہاری جگہ نعمان بن مجلّان کو حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ تمہاری سبکدوشی کسی الزام یا ناقص کارکردگی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ

Marfat.com

میں تم سے مطمئن اور خوش ہوں۔تم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔اب چونکہ میں شام کے ظالموں کی طرف جانے والا ہوں۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو۔دشمن کا مقابلہ کرنے اور دین کے قیام میں مجھے تم سے بہت مدد ملے گی۔اللہ ہمیں راہ حق پر چلنے اور حق فیصلے کی طاقت بخشے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ تدبر وفراست سے کام لیتے۔جو اچھا کام کرتا اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور جو غلطی کرتا اسے سرزنش کرتے۔آپ رضی اللہ عنہ ہر کام اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کو مدنظر رکھ کر کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو آپ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے ان کا بھی محاسبہ کیا۔زیاد سے باز پرس کی۔حق تلفی کرنے والے کو جیل بھیج دیا۔گورنر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاسبے اور باز پرس سے ڈر کر محتاط رہتے تھے۔

مصقلہ بن ہبیرہ بدعنوانی کے ارتکاب کے بعد اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا تو یہ باعث تعجب نہیں۔گورنروں سے آپ رضی اللہ عنہ کا رویہ مبنی برحق اور حق کی خاطر ہوتا تھا۔مورخین لکھتے ہیں کہ کوفہ کے کچھ مرتدین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نذر آتش کر دیا تھا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس پر تنقید کی مگر اس بات میں شیعہ مخالفین نے غلو کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا اقرار کرنے پر یہ سزا پائی تھی۔تاہم مورخین دو واضح گروہوں میں منقسم ہیں۔

ایک گروہ تو اس کا ذکر نہایت تفصیلی انداز میں کرتا ہے اور دوسرا گروہ اشارتاً بھی اس کا ذکر نہیں کرتا۔جیسا کہ طبری اور اس کے پیروکار اس کا ذکر نہیں کرتے۔مخالفین شیعہ نے البتہ بہت زیادتی کی۔اسی طرح ابن سباء والے معاملے کو بھی یونہی طول دیا گیا ہے۔

بنی طے کا ایک شاعر جوڈا کے ڈالتا تھا اپنے اشعار میں اس وقت کی صورت حال کے بارے میں لکھتا ہے:

Marfat.com

ولما ان رایت ابنی شمیط
بسکۃ طی والباب دونی
تجللت العصا و علمت انی
رھین مغیسر ان منقصونی
فلو انظر نھم شیئا قلیلا
لا تونی الی شیخ بطین
شدید مجامع الکتفین صلب
علی الحدثان مجتمع الشوئون

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رہزن کو گرفتار کرنے کیلئے دو افراد کو بھیجا تو وہ بھاگ گیا۔ اس نے اپنے اشعار میں کہا کہ اگر شمیط کے وہ آدمی اسے پا لیتے تو ہرگز گرفتار کرنے سے نہ چوکتے اور لے جا کر زنداں میں ڈال دیتے۔ اس لئے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔''

اس وقت بہت سے لوگ عراق سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا رہے تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی پر پابندی نہیں لگائی۔ اہل حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد اور اہل دنیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ گورنر مدینہ سہل بن حنیف نے جب لکھ بھیجا کہ مدینہ سے لوگ شام کا رخ کر رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جانے والوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ انہیں زبردستی اطاعت پر مجبور کیا جائے۔

خوارج بھی جب ساتھ رہتے تو انہیں مال غنیمت سے حصہ دیتے اور اگر وہ چھوڑ کر جاتے تو کوئی اعتراض نہ کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر فرد کی آزادی کا احترام کرتے لیکن کسی کو زمین پر فساد پھیلانے کی اجازت نہ تھی۔ کسی پر بلاوجہ جبر نہ کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ گمراہوں کے خلاف جنگ جائز سمجھتے تھے۔ مگر کسی بھی جنگ کیلئے آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مجبور نہیں کیا جو حق سمجھ کر آگے بڑھتا اسے ساتھ لے لیتے جو بہانے

Marfat.com

تراشتا اسے مجبور نہ کرتے۔

آپ رضی اللہ عنہ مال خرچ کر کے سپاہی بھرتی کر سکتے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے صرف انہی لوگوں کو ساتھ لیا جن میں اخلاص تھا۔ بہت سی لڑائیوں میں آپ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت لینے سے منع کر دیا۔ جس پر لوگوں نے کہا کہ دشمن کا خون تو حلال کر دیا مگر مال حرام کر دیا۔ (لڑنے والے مقابل کا صرف گھوڑا اور تلوار لی جا سکتی تھی۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کافر اور مسلمان کے ساتھ لڑائی میں فرق کرتے تھے۔ مسلمان کے ساتھ لڑائی کا مقصد صرف اس کو اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرانا ہوتا تھا۔ اسے رجوع پر مجبور کر دیا جاتا جب وہ ایسا کر لیتا تو اس کی جان و مال محفوظ ہوتے۔ اسے غلام نہ بنایا جاتا اور اس کا مال، مال غنیمت نہ سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے ساتھی اہل شام سے جنگ کو بے سود سمجھتے تھے۔ کیوں کہ ان کی لڑائی کا ایک بڑا محرک مال غنیمت تھا۔

بمصداق آیت:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا.

ترجمہ: ''اللہ نے ہم سے کثیر مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے تم اسے حاصل کرو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو فیصلے کا اختیار دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ جبری فوج بھرتی نہیں کی مگر بیت المال سے عطیات دے کر وفاداریاں خریدیں۔ بیت المال کو اس مقصد کیلئے استعمال کرنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جائز سمجھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قطعی حرام قرار دیتے تھے۔

نظام خلافت

اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مقبوضات اسلامیہ کی مکمل حدوں میں اپنی خلافت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ یوں آپ کا نظام خلافت جس سے توقع تھی کہ یہ ایک

Marfat.com

منفرد سیاسی نظام اور طرز حکومت میں نیا اضافہ ہوگا، پہلی حکومتوں کی ڈگر پر ہی چلتا رہا جس کی بنیاد محدود مفادات، مرکزی اقتدار اور طبقات پر رکھنا پڑی جس میں اکثریتی قبائل چھوٹی اقلیتوں کو اپنا دست نگر بنا کر رکھتے ہیں۔ نظام خلافت کی ناکامی کے ساتھ وہ بغاوت جو صحیح اور مضبوط اسلامی خلافت کے قیام کیلئے اٹھی تھی اب سمندر کے جھاگ کی طرح معدوم ہوگئی تھی۔ بحالیٔ خلافت کی تحریک اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب مسلمانوں کے مفادات اور خیالات تبدیل ہو چکے تھے۔ خلافت کی قبا کو بے داغ رکھنا اب ایک مشکل امر بن چکا تھا۔

باغیوں کی شورش اس بنا پر تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے حقوق اور مفادات کا بطریق احسن انتظام نہیں کر پائے تھے اور ان کی یہ بات کسی حد تک اس طرح درست ہے کہ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی کو غلط معانی پہنائے تھے۔ لیکن بغاوت کی جو لہر صحیح خلافت کے قیام کیلئے اٹھی تھی اس کے نتیجے میں بنی امیہ کو اقتدار پر قابض ہونے کا موقعہ ہاتھ آ گیا اور خلافت ملوکیت کی راہ پر گامزن ہوگئی۔

گورنروں نے خراج میں نامناسب طرز اختیار کیا اور حکومت کو ایک نئے ڈھنگ سے چلانا شروع کر دیا۔ ان کا الزام تھا کہ خلیفہ وقت نے ناجائز طور پر بیت المال سے رقوم لے کر اپنے عزیزوں اور مقربین کو نوازا تھا۔ باغی، شیخین رضی اللہ عنہما کا منصفانہ عہد واپس لانا چاہتے تھے۔ جب مفاد پرستی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ عوام کی جان و مال کی پوری طرح دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ بیت المال کا روپیہ عوامی مفاد اور فلاحی و رفاعی کاموں خرچ ہوتا تھا۔ اس میں کسی قسم کی زیادتی نہ کی جاتی تھی اور ہر طرح سے عدل وانصاف سے کام لیا جاتا تھا۔

بغاوت مدینہ کے سرداروں میں سے کئی لوگ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی لڑائی کی ابتدا ہونے سے پہلے ہی قتل ہو چکے تھے اور کئی بعد کی معرکہ آرائیوں کے دوران میں قتل ہوئے۔ البتہ چند ایسے بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوگئے اور ان کے خلاف لڑائی میں مارے گئے۔ بہت سوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں نے مختلف طریقوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعض براہ راست مارے گئے اور بعض کو خاص

Marfat.com

منصوبہ بندی سے موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا۔

جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر کے ان کا محاصرہ کیا تھا اور آخر ان کی جان لی تھی، وہ تمام لوگ قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ باغی سرداروں کی موت اور تحریک سے علیحدگی کی وجہ سے تحریک بھی بتدریج دم توڑنے لگی تھی۔ جب ان کے فکر انگیز لوگ ختم ہو گئے تو باقیوں کیلئے ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ انہوں نے یہی راہ اپنائی اور الگ تھلگ ہو کر چپ سادھ لی۔ وہ جن حالات کو تبدیل کرنے کیلئے اٹھے تھے ان کے دم خم کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ ان کے اکابرین اور مدبرین کا خلا پر کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

جہاں تک ''حالات'' اور ماحول کا تعلق ہے تو اس کی آسان سی وضاحت یہ ہے کہ حالات کا اہم اور قابل توجہ پہلو معاشی و اقتصادی تھا۔ شیخین نے ایک سادہ اور منصفانہ نظام خلافت پیش کیا تھا۔ اس کی بقا کا انحصار مسلمانوں کے طرز عمل، توکل اور ایمان تھا۔ اس نظام خلافت کا اولین تقاضا ایمان کامل اور اخلاص تھا۔

خلوص کا وہ پودا جو دل کی گہرائیوں

سے پھوٹتا اور جسم پر چھا جاتا۔ قول و فعل میں یکسانیت اور ہم آہنگی ہوتی۔ عقل و شعور اسے تسلیم کرتے۔ زبان حق گو اور اعضاء اعمال میں کامل ہوتے۔ ایمان اس طرح کا کہ وہ شرک کی کسی بھی شکل کو کسی بھی صورت میں قبول نہ کرتے۔ اللہ پر کامل ایمان نکتۂ توحید میں مضمر تھا۔

ایمان مفاد، خواہش اور لالچ سے پاک تھا۔ یہ ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہ کا تھا تاہم اس میں بھی ہلکی سی آمیزش موجود تھی۔ اس کے علاوہ تین قسم کے لوگ اور بھی تھے:

۱۔ وہ لوگ جو بعد میں اس وقت ایمان لائے جب اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں تھا۔

۲۔ وہ لوگ جو صرف مال و منال کی وجہ سے اسلام لائے اور ان کی دلجوئی کی گئی۔

Marfat.com

۳۔ عرب کے صحرا نشین بدوجن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

ترجمہ: ''دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیں تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، اور ابھی داخل نہیں ہوا تمہارے دلوں میں ایمان۔''

﴿سورۃ الحجرات آیت 14﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین مدینہ کو پہچانتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے منافقوں کی نشاندہی اور پہچان کرا دیتا تھا۔ ممکن ہے بعض ایسے منافقین بھی ہوں جن کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اب منافقین کی پہچان آسان نہیں رہی تھی اور مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے بموجب قلة قلیلة یعنی ایک نہایت تھوڑی تعداد میں تھے اس کا واضح ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قبائل عرب کا فوراً مرتد ہونا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان کے خلاف جہاد کرنا ہے۔

یہ بات تو سب کے علم میں ہے کہ فتنہ ارتداد پر بڑی مشکل اور خونریزی کے بعد قابو پایا جا سکا تھا۔ بعد میں جب اسلام عرب کی حدود سے آگے نکلا اور اس کا اقتدار مفتوحہ علاقوں تک پھیلتا چلا گیا تو اکثریت ان کی تھی جو اسلام کی طاقت کے سامنے جھک تو گئے تھے لیکن یہ ان کی مصلحت تھی ورنہ نہ تو ایمان ان کے دلوں میں داخل ہوا تھا اور نہ انہیں حکومت اسلام کے ساتھ مخلصانہ لگاؤ تھا۔ جہاں تک ان کی وفاداری کا تعلق تھا تو وہ خوف کے باعث تھی۔

خلافتِ نو کیلئے یہ فتوحات کمزور پہلو بھی رکھتی تھیں اور قوت واقتدار کا سرچشمہ بھی تھیں۔

قوت تو یہ تھی کہ بے شمار علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے اور سلطنت اسلام کی حدود دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ بے حد حساب دولت حاصل ہوئی اور وہ تمام

Marfat.com

سازوسامان میسر آ گیا جن کا انہوں نے تصور تک نہیں کیا تھا۔ سرسبز و شاداب خطوں نے ان کی بود و باش تبدیل کر کے رکھ دی۔

اس کا کمزور پہلو یہ تھا کہ فتوحات کے سلسلے نے لوگوں کی ایک ایسی اکثریت کو اطاعت پر مجبور کر دیا تھا جن میں حکومت اسلام کیلئے اخلاص نہیں تھا بلکہ ان کے دلوں میں اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا خوف و ہراس پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ بے انداز دولت نے مسلمانوں کی خوابیدہ خواہشات کو بیدار کر دیا اور وہ ایسی آسائشات اور عیش و عشرت کے گرویدہ ہو گئے جو انہیں اسلام سے دور تر کرتے گئے۔ مسلمانوں کی اولاد جس نے اسلام کے ابتدائی ایام نہیں دیکھے تھے۔ جلد ہی اس چکا چوند کے شکار ہو گئے تھے۔

وہ لوگ جوان پر تعیش ترغیبات کے دام سے بچے رہے اور انہوں نے دنیا پر دین کو فوقیت دی تھی تعداد میں بہت زیادہ نہیں رہے تھے۔ زیادہ تر لوگ ان آسائشوں کے عادی ہو گئے تھے۔ اللہ والے دنیاوی مفادات سے بے پرواہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عربوں کو راہ راست پر رکھنے کیلئے سخت جتن کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ خود بھی بے چین رہے اور آرام سے انہیں بھی نہ رہنے دیا۔ وہ آپ کی طرز سیاست و حکومت پر نالاں تھے۔ وہ انصاف جو قوی اور ضعیف کو ایک ہی قطار میں کھڑا کرتا ہے ان پر نہایت شاق اور گراں تھا۔ ان کیلئے وہ زندگی سخت اور بڑی صبر آزما تھی جس کا عادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں بنانا چاہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ان لوگوں کو گویا ایک گونہ اطمینان ہوا اور انہیں اپنے آگے آسانیاں نظر آنے لگیں مگر ان کی یہ خوش فہمی ہوا ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ان کا یہ اطمینان ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوا جس کے آگے مصائب کا ایک لامتناہی سلسلہ امڈا چلا آ رہا تھا۔

دولت کی چاہت حرص و ہوا کے دروازے کھولتی چلی جاتی ہے۔ لالچ کا دروازہ ایک بار کھل جائے تو آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے اس دروازے کا بند ہونا ممکن نہیں رہتا بلکہ ظلم و زیادتی کے مزید دروازے کھل جاتے ہیں۔ بغض کی وبا چل پڑتی ہیں اور بندہ دنیا کی

Marfat.com

طلب میں اندھا ہو جاتا ہے۔ حسد کا غبار بلند ہونے لگتا ہے۔ اہل ثروت کی دولت دیکھ کر عسرت کے مارے ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ایسی کشمکش شروع ہو جاتی ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

یہی کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ہوا اور ان دگرگوں حالات نے لوگوں کو گورنروں اور خلیفہ کیخلاف کھلی بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ یہ آندھی کچھ اس حد تک بڑھ گئی کہ خلیفۂ وقت کا گھیراؤ کر لیا گیا اور آخر میں انہیں نہایت ظالمانہ اور بھیانک طریقے سے قتل کر دیا جس کا خمیازہ مسلمانوں کو صدیوں تک بھگتنا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دور فاروقی لانا چاہتے تھے جواب ان حالات میں ممکن نہیں تھا، اہل ثروت کے دل و دماغ پر دولت سوار تھی اور انہوں نے اسی سبب عراق و شام میں جنگ آزمائی کی تھی، اگرچہ عراق کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واضح فتح نصیب ہوئی لیکن اسے فریقین نے جلد ہی فراموش کر دیا تھا۔ معرکہ جمل کے بعد اہل بصرہ کو جو عثمانیت یاد آ رہی تھی اس کا مطلب محض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت یا قصاص کا معاملہ نہیں تھا بلکہ وہ اس نظام کو چاہتے تھے جس میں وہ آزاد اور خوش رہیں۔ ان سے کچھ باز پرس نہ ہو جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر دورِ فاروقی لانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نظام کے مخالف تھے اور اس کی مخالفت کیلئے ان کے پاس قصاص عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا۔

جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کا شکوہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام اپنے مکتوب میں لکھا کہ جنگ جمل کے بعد آپ کے یہاں جانے کے بعد لوگ پھر انتشار پر مائل ہو رہے ہیں۔ ان میں اطاعت والی کیفیت اور انداز نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا اس سے علم ہو جاتا ہے کہ آپ بصرہ والوں کی اصلیت سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے اور ان کی اصلاح کی کوئی ممکنہ صورت نکالنے کے خواہاں تھے۔

آپ نے لکھا:

''تمہارا مکتوب ملا، میرے آنے کے بعد اہل بصرہ کے جس طرزِ عمل

Marfat.com

کاتم نے لکھا ہے۔ وہ خوف وامید میں ہیں، امید والوں کو ترغیب دو
اور ڈرنے والوں کا ڈر بہترین انصاف اور عدل سے ختم کرو۔''

وہ بلاشبہ امید و بیم کی حالت میں تھے لیکن جو علاج تجویز کیا گیا تھا وہ فی الوقت میسر نہیں تھا۔ آپ عدل وانصاف کے حدوں میں رہ کران کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔

انصاف کے قیام سے ڈرنے والوں کا خوف تو دور کیا جاسکتا تھا مگر لوگوں کو امید نہیں دلائی جاسکتی تھی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس سیاسی حکمت عملی کو کامیاب نہیں کرپائے تھے۔ وہ خود بھی امید والوں کی صف میں کھڑے تھے۔ جب ابوالاسود نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس روش پر سرزنش کی تو وہ بیت المال سے جتنا مال لے سکے لے کر مکہ بھاگ نکلے اور وہیں قیام پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد اہل بصرہ نے زیاد کے خلاف بغاوت کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب جھکنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اقتدار کی رسی مضبوط کردی اور جاریہ بن قدامہ کو گورنر بنا کر بھیج دیا جس نے ان کی ایک جماعت کو نذر آتش کر کے سبق سکھا دیا۔

جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فاتح ساتھیوں نے فتح پانے کے بعد جب بصرہ والوں کے مال کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے روک دیا۔

وہ لوگ دبی دبی آوازوں میں کہتے:

''اہل بصرہ کا خون بہانا تو ہمارے لئے حلال کردیا مگر ان کا مال نہیں۔''

اہل کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں گئے اور فتح انتہائی قریب تھی جب مال و دولت کیلئے ان کے سرداروں نے بنا بنایا کام بگاڑ کر رکھ دیا۔ قرآن نیزوں پر بلند ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سیاسی ثالثی کے منظور کرنے پر مجبور کردیا گیا۔ اس دن سے ہی یہ عیاں ہوگیا کہ بغاوت حصول مقاصد میں ناکام رہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صحیح اسلامی دور قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جن کو یمن والوں نے خود چنا تھا ان کی بھی نہ چل سکی۔ اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت

Marfat.com

چاہتے تھے جو ایک اچھے باپ کے اچھے بیٹے تھے۔ جن سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت اور کردار دوبارہ زندہ ہو جاتا۔

یمن والے نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے اور نہ ان کے بیٹے کو ہی پسند کرتے تھے۔ اور نہ ان کی طرح کے کسی اور فرد کو۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غداری نہ کرتے نہ ان کو اس پر مجبور کرتے جو وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے۔

بہت سے لوگ خفیہ انداز میں شام کی طرف جا رہے تھے انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت وسلطنت زیادہ اچھی لگتی تھی۔ اس پر حاکم مدینہ سہل بن حنیف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی صبر واستقامت اور تسلی کا مکتوب بھیجا۔

یہ حقیقت ہے کہ مکہ کے بیشتر لوگ اہل مدینہ کی ہی تقلید کر رہے تھے۔ بلکہ جو لوگ حجاز میں رہنا چاہتے تھے اور شام جانے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحفے تحائف ملتے تھے جنہیں وہ خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔

حیران کن امر یہ ہے کہ جب بلاذری کی روایات میں ان مکتوبات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشرقی علاقوں کے گورنروں کو لکھے تھے تو صرف دو خط ہی ایسے ملتے ہیں جن میں آپ نے گورنروں کی تعریف کی ہے۔

ایک خط عمر بن مسلمہ کے نام ہے جو نقل کیا جا چکا ہے جو ان کو بحرین سے معزول کرتے ہوئے لکھا گیا تھا۔ دوسرا گورنر مدائن سعد بن معوذ ثقفی کے نام ہے:

"تم نے خراج کی رقم میں بہت اضافہ کیا اور ایک پرہیزگار متقی کی طرح اللہ کے فرمانبردار اور خلیفہ کے خیر خواہ رہے۔ تمہارا کام لائق تعریف ہے۔ میں تمہارے اخلاق سے خوش ہوں تم نے اپنی فراست ثابت کر دی، اللہ تم پر مہربان رہے"۔

ان دو مکاتیب کے علاوہ باقی تمام میں کسی حاکم کو سرزنش ہے، کسی میں سزا اور دھمکی اور کسی میں وعظ ونصیحت ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مصقلہ ابن ہبیرہ اور مندر بن

Marfat.com

جارود نے کیا غلطیاں کیں۔ ایک اس نے مال میں تصرف کیا اور دوسرا اسی جرم میں قید ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان فتوحات کے بعد مال و دولت کی کثرت سے مسلمانوں میں جو پستی پیدا ہوگئی تھی وہ اس قدر عام ہوگئی تھی کہ کنارہ کش افراد بھی اس فتنے کی زد میں آنے سے نہ بچ سکے۔

اگر ایک جانب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنا دین لئے فتنہ و شر سے دور رہے، فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔ اللہ کے دین کیلئے گوشہ نشین رہے تو دوسری جانب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اعتدال کی ایک ایسی مثال ہیں جو بظاہر تو طائف میں عافیت کے دن بسر کرتے رہے لیکن یہ چیز ان پر بہت گراں تھی۔ وہ کام کے شوق میں بے قرار تھے۔ وہ اس جوان گھوڑے کی طرح لگام کو چباتے تھے جسے دوڑنے سے روکا گیا ہو۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے میدان صاف دیکھ کر پرجوش سرگرمی دکھائی۔ تاہم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی گوشہ نشینی میں ثابت قدم رہے اور انہوں نے اپنے گوشۂ عافیت سے قدم باہر نہ نکالا۔

مکہ و مدینہ والے ان حادثات کے بعد جنگ سے گریز کرنے لگے تھے۔ وہ امن کی زندگی گذار رہے تھے جو کچھ ملتا اس کی پرواہ کیے بغیر کہ کدھر سے آیا ہے بلا تامل قبول کر لیتے۔ جو بھی مقتدر ہوتا اس کی بیعت کر لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں تھے لیکن جب بسر ابن ارطاۃ نے ڈرایا دھمکایا تو اس کے طرف دار ہوگئے۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افسر نے بسر کو بھگا دیا تو انہوں نے اس طرح بیعت کی کہ جس کی بیعت اہل کوفہ نے کی ہے ہم بھی اس کی بیعت کرتے ہیں اور اہل مدینہ کو جب پتا چلا کہ اب حسن بن علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں تو فوراً بیعت کر لی۔

ان واقعات سے علم ہوتا ہے کہ دلوں میں دین کے غالب رہنے کی خواہش جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھی، اب کہیں باقی نہ رہی تھی۔ اس کی جگہ اب مال و دولت اور تلوار نے دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین کی سیرت پر چلنے اور اس کی

Marfat.com

حفاظت کرنے والے اس زمانے کے آخری دور میں تھے۔

اس وقت جب ہر بات پر دین غالب تھا وہ دور اب مٹ رہا تھا۔ نومسلموں میں دینی جذبے کا کمزور ہو جانا اور دنیاوی خواہشات کا حاوی ہونا اس ماحول کا اثر تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔ عرب والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک دوسروں کے حالات سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ تاجر واپس لوٹتے تو روم، فارس، حبشہ، شام، مصر اور عراق کی باتیں کرتے۔

غیر ملکی تاجر اور غلام انہیں ان ملکوں کے حالات سناتے۔ عربوں کیلئے وہ باتیں بڑی عجیب اور ناقابل فہم ہوتیں۔ ان کیلئے یہ قصے کہانیوں اور افسانوں سے زیادہ اور کچھ نہیں تھیں۔

جب اسلامی فتوحات کا دور آیا تو مسلمانوں نے ان ملکوں اور ان کی اشیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہاں قیام کا موقع ملا تو بہت سے عرب وہیں آباد ہو گئے جہاں انہوں نے حقیقت کا ادراک کیا۔ ان کی معلومات میں مشاہدات سے اضافہ ہوا۔ ان کی زندگی کے طور طریقے بدلنے لگے جس بات کو اپنی طبیعت کے مطابق پاتے اختیار کر لیتے تھے۔ شروع میں یہ تبدیلیاں سست تھیں لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا ان کی معاشرت میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔

جب قیام طویل ہو گیا تو انہوں نے تمدن کی ایسی دلکشی دیکھی جس نے انہیں مسحور کر لیا۔ زندگی کی رنگینی و لطافت کا ایسا تصور انہوں نے پہلے نہیں کیا تھا، ان کا دل ان دلفریب بہاروں نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ ان میں اس طرز زندگی سے لطف اندوز ہونے کی فطری خواہش پیدا ہو گئی۔ ان چیزوں نے ان کے فکر و نظر کو بھی متاثر کیا جس سے وہ زندگی کی مختلف قدروں کا تقابل کرتے اور اپنی رائے پیش کرتے تھے۔

فارس کی شان و شوکت نے عربوں کو متحیر کر دیا تھا جسے انہوں نے ختم کر دیا اور اس کی سرحدوں کو روم سے کاٹ دیا۔ عربوں نے اس مفتوحہ ملک کا مقابلہ جب اپنے خطے سے کیا تو محسوس کیا کہ اس علاقے کا مقام ان کے علاقوں سے بڑا ہے۔ بعض نے تو اس فرق

Marfat.com

پر کم مائیگی محسوس کی ان کے دل پوری طرح اس جدت کی طرف مائل ہو گئے۔ نو جوان بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہایت عزت و تکریم کی نظر سے دیکھتے۔ تاہم اس عزت و تکریم میں ہمدردی بھی شامل تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار رسالت میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑا مقام تھا اور اسلام لانے والوں میں پہل کرنے والوں میں سے تھے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس نسل کے نمائندہ افراد تھے جس کا دور جلد ہی ختم ہونے والا تھا اور اس بناء پر ان سے ہمدردی بھی کی جاتی تھی۔ ان میں سے جو بھی مدینہ آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا گویا بھیس بدل کر ملتا۔ یہاں وہ ایک بار پھر وہی وضعدار عرب بن جاتا تاکہ وہ اس کی ظاہری حالت سے کسی بدلاؤ کے جانے بغیر مطمئن ہو جائیں اور جب وہ اپنے دوستوں میں واپس پہنچتا تو پھر سے اسی خوش حال زندگی میں مدغم ہو جاتا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سادہ و خشک زندگی پر بڑے احترام سے تاسف کا اظہار کرتا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کو بناوٹ کی اس دوہری زندگی سے بھی آزادی حاصل ہو گئی۔ کیونکہ وہ دنیا سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ انہیں خشک زندگی پسند نہیں تھی۔ اب لوگوں نے وہ سب کچھ کھل کر کرنا شروع کیا جو پہلے چھپ چھپا کر کرتے تھے۔ مدینہ میں بھی زندگی کی آسائشات کا آغاز ہو گیا۔ اونچے محلات اور عالی شان عمارات تعمیر ہونے لگیں۔ نو جوانوں میں نئے کھیل متعارف ہو گئے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضعداری کے باوجود ان نئے فتنوں کو روکنا پڑا جو اب گھر گھر میں ہو رہے تھے۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ معمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سابق الایمان مسلمان دولت جمع کر کے خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں تو وہ ان کی روش اختیار کرنے لگے۔ فتوحات کے باعث غلام بڑی تعداد میں آ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کی طبیعتوں اور مزاج پر گہرے اثرات و نقوش مرتب کیے۔ جو غلام اور لونڈیاں اپنے آقاؤں کے ساتھ مفتوحہ ممالک میں تھیں انہوں نے بھی اپنی اداؤں سے انہیں کافی حد تک بدل دیا۔ اہل عرب اب وہ روایتی اور قدیم عرب نہیں رہے تھے مرکز سے دوری نے انہیں بہت نمایاں حد تک بدل دیا تھا۔

خلیفہ چہارم نے جب قوم کو سیدھے راستے پر لانے اور اسوۂ حسنہ پر چلانے کی

Marfat.com

کوشش کی تو انہوں نے کسی جوش اور سرگرمی کا اظہار نہ کیا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ یہ امام ان کا قبلہ پوری طرح درست کرنا چاہتا ہے۔ ان کے خیال میں نسل نو پر قدیم خیالات کا حامل خلیفہ حکومت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے بعد انہوں نے امیر شام کی جدت اور عیش و عشرت کا موازنہ کیا اور دیکھا کہ وہ رعایا کو جدت کی ترغیب بھی دیتا ہے اور مالی مدد بھی۔

اس کے دلائل تھے کہ وہ اس نمود و نمائش سے رومیوں کو مرعوب کرنا چاہتا ہے تا کہ ان کو علم ہو جائے کہ مسلمان شان و شوکت میں ان سے کسی طور کم نہیں ہیں۔

رومیوں سے نبرد آزمائی کیلئے ضروری تھا کہ ان کے آلات حرب و ضرب بھی دشمن کے آلات کی طرح ہوں۔ دوسری طرف جانب عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے سلسلے میں چالبازی سے کام لینے، فریب دینے، لوگوں کو ان کے ساتھ تعاون سے روکنے اور ان کے پاس جمع ہونے والوں کو کسی بھی طریقے سے منتشر کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اس طرح کی تدابیر ہر وقت تیار کی جاتی تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دولت سے لوگوں کی دلجوئی شروع کی اور مخالفین کے خلاف ہر قسم کے داؤ پیچ استعمال کرنے میں مشغول رہے۔ ان تمام چیزوں نے گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس عہد میں محض ایک اجنبی بنا کر رکھ دیا تھا۔ نسل نو میں اب پہلے جیسی ایمانی حرارت نہیں تھی۔

صورت حال اس قدر گھمبیر ہو چکی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاتے ہیں تو لوگ آتے نہیں!

لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو کوئی کان نہیں دھرتا!

آپ رضی اللہ عنہ ان سے یہاں تک بیزار ہو جاتے ہیں کہ آپ قوم سے اور قوم آپ سے گھبرا جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ اللہ سے دعا گو ہوتے ہیں:

اے اللہ! مجھے ان سے اچھی رعایا عطا فرما!

Marfat.com

اے اللہ! انہیں مجھ سے سخت خلیفہ دے!

اس کے بعد اس شقی القلب کو یاد فرماتے جس کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کو غیبی اشارہ سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ بدبخت آپ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ اس کیلئے اکثر فرماتے:

کم بخت کیوں اتنی دیر لگا رہا ہے!

اس بدبخت کو آخر کس چیز نے روکا ہوا ہے۔

پھر اپنی موت کے انتظار میں یہ شعر پڑھتے:

اشددا حیازیمك للموت

فان الموت لا قیك

ولا تجزع من الموت

اذا حل بوادیك

''استقبال موت کی تیاری کرلو وہ جلد ہی تم تک پہنچنے والی ہے!

جب موت نے تمہارے صحن میں قدم دھر دیا ہے تو اس سے ہرگز نہ گھبراؤ!''

اکثر وضو کے دوران اپنی ریش مبارک اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ رنگین ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر اپنے دل کی آواز پر دھیان دیتے تو ان لوگوں کی بیعت چھوڑ کر باقی زندگی یاد اللہ میں گزار دیتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ حق پر کامل ایمان رکھتے تھے اور حق سے پیچھے ہٹنا بزدلی اور گناہ عظیم ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مایوس ہونے والوں میں سے نہ تھے۔ جب اپنے ساتھیوں کی مسلسل نافرمانی سے تنگ آ گئے تو صاف الفاظ میں فرما دیا کہ تم لوگوں کو بہرحال میرے ساتھ اہل شام سے جنگ کرنا پڑے گی۔ ورنہ میں خود جاؤں گا خواہ میرے ساتھ صرف دس ساتھی ہوں۔

یہ حالات معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے لیکن یہ ماحول بھی آپ کو کمزور نہ کر سکا اور نہ آپ رضی اللہ عنہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔ زندگی بھر ہر قسم

Marfat.com

کے حالات میں آپ رضی اللہ عنہ اعتدال کے ساتھ اپنے مزاج، حسن سیرت اور کردار پر قائم رہے اور کبھی حالات کے آگے جھکنا گوارا نہ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے معاملات کی تدابیر ان کے سامنے ان کی موجودگی میں کرتے۔ دباؤ یا جبر سے کام نہ لیتے، ہر بات میں ان سے مشورہ کرتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی آپ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے مشوروں پر عمل کرنے پر مجبور کرتے۔ آپ کا یہ حلیمانہ طرز عمل انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف کرتا اور اس سے ان کا حوصلہ مزید بڑھتا تھا۔ اپنے امام کی اس خوبی کو لوگوں نے ان کی کمزوری پر محمول کیا ہوا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برعکس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ سلوک نہ تھا اور نہ ان سے مشورہ لیتے۔ ان کے چند خاص مشیر تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب ان کو حکم دیا جاتا تو وہ بلا تامل بجالاتے۔ کسی اعتراض کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دل کی بات دل میں چھپا رکھتے اور صرف اسی کو بتاتے جس کو بتانا ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام معاملات لوگوں کے سامنے طے کرتے۔ اہم سے اہم بات بھی آپ رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھیوں کے علم میں ہوتی۔ اس وقت صورت حال یوں تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کر رہے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حکومت اور گویا خلافت کا دور بیت چکا تھا اور حکومت کا سورج طلوع ہو رہا تھا اور لوگوں کی نظریں چڑھتے سورج پر تھیں۔

سازش

حضرت علی رضی اللہ عنہ زندگی کی تلخیوں پر غالب آنے کی کوششوں میں تھے ایک جانب تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو اہل شام سے لڑائی کیلئے آمادہ کرنے میں لگے ہوئے تھے

Marfat.com

اور دوسری جانب عراق، حجاز اور یمن کی سرحدوں پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں کی روک تھام کیلئے دستے بھیج رہے تھے تاکہ لوگوں کو اس غارت گری اور لوٹ مار سے محفوظ رکھا جا سکے۔

تیسری جانب آپ رضی اللہ عنہ ان خوارج سے بھی نبرد آزما تھے جو لوگوں میں دہشت پھیلا رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان خوارج کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر رہے تھے جو کوفہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور موقع کی تاک میں رہتے تھے۔ گورنروں کیلئے آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے امور میں صداقت و دیانت پر کاربند رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی جہد مسلسل تھی۔

انہی ایام میں کچھ خارجی حج کیلئے بیت اللہ گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی حجاج ایک دوسرے کے امیر کی اقتدا میں نماز پڑھنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ ان کو ایک ایسے امام کا انتخاب کرنا پڑا جو غیر جانبدار تھا اور پھر اس کی اقتدا میں نماز ادا کی گئی۔

تین قاتل

یہ صورت حال ان خارجیوں کو بری لگی۔ پھر نہروان اور دوسری جنگیں یاد آ گئیں۔

انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ امت کو اس اختلاف سے نجات دلانی چاہیے اور ان تین آدمیوں کو قتل کر دینا چاہیے جو اس اختلاف کا باعث ہیں یعنی

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

ان کا خیال تھا کہ اس طرح اُمت اختلاف سے بھی بچے گی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے لوگوں کے خون کا بدلہ بھی لے لیا جائے گا۔

اس کے بعد ان میں سے ایک بدبخت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کیلئے اپنا

Marfat.com

نام پیش کر دیا۔

یہ قبیلہ مراد کا حلیف عبدالرحمٰن بن ملجم حمیری تھا۔

دوسرے نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کیلئے اپنا نام پیش کیا، یہ حجاج ابن عبداللہ صریحی تھا جس کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔

تیسرے نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کیلئے اپنا نام پیش کیا، اس کا نام عمرو بن بکر یا ابن بکیر تھا۔ یہ بھی تمیمی تھا۔

ان تینوں نے طے کر لیا کہ وہ سب ایک مقررہ دن کو اپنا کام پورا کریں گے۔ انہوں نے قتل کا وقت اور تاریخ بھی مقرر کر لی یعنی 27 رمضان (۱) کی صبح کو صلوٰۃ فجر کے وقت۔ یہ چند ماہ مکہ المکرمہ میں مقیم رہے اور پھر ماہ رجب میں عمرہ کے بعد الگ الگ ہو کر اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نکلے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والا اگرچہ مقررہ تاریخ کو صحیح وقت پر پہنچا تاہم کامیاب نہ ہو سکا۔ اسلئے کہ اس روز بقول مؤرخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زرہ پہن رکھی تھی اور حملہ آور کا حملہ ناکام رہا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی وقت پر پہنچا لیکن وہ بھی ناکام رہا اسلئے کہ اس دن بوجہ بیماری وہ نماز کیلئے نہ آسکے اور خارجہ بن حذافہ عدوی کو اپنا نائب مقرر کر دیا چنانچہ حملہ آور کا وار اسی پر پڑا اور وہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حملہ آور کو بھی قتل کر دیا۔

۲۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن اور ہفتے کی شب کو زندہ رہے، شب یک شنبہ ۱۹ رمضان المبارک کو ان کی وفات ہو گئی۔'' ﴿طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 192﴾۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ الخلفاء'' میں آپ رضی اللہ عنہ کی وفات 17 رمضان المبارک لکھی ہے۔ ﴿تاریخ الخلفاء صفحہ نمبر 222﴾۔ تاریخ ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ''آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز اور ہفتہ کی رات زندہ رہے اور اتوار کی رات کو جب کہ 40ھ کے رمضان کی گیارہ راتیں باقی تھیں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔'' ﴿تاریخ ابن کثیر جلد ہفتم صفحہ نمبر 432 تا 433﴾ سید محمد صالح کشفی صاحب نے اپنی تصنیف ''کوکب دُرّی'' میں شہادت کی تاریخ 21 رمضان المبارک لکھی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

شہادت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ پہنچ کر مقررہ وقت اور تاریخ کا انتظار کرنے لگا۔ رات کے آخری حصے میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ موقع پر پہنچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ آئے اور لوگوں کو صلوٰۃ کیلئے آواز دینے لگے تو دونوں نے اپنی تلواروں سے حملہ کر دیا، ظالم ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی اور اس کے ساتھی کی تلوار گھر کی دیوار پر لگی۔ یہ کاری وار لگتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ گر گئے اور با آواز بلند فرمایا: حملہ آور بھاگنے نہ پائے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم کو پکڑ لیا گیا لیکن اس کا ساتھی مزاحمت کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔

لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر کے اندر لائے جہاں آپ رضی اللہ عنہ دو دن اور ایک رات زندہ رہے اور دوسری رات انتقال فرما گئے۔

مؤرخین روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل نے جب وار کیا تو وہ کہہ رہا تھا: ''الحکم للّٰہ لا لک یا علی رضی اللہ عنہ''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔ ''الصلوٰۃ یا عباداللہ الصلوٰۃ''

مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''ابن ملجم کو اچھا کھانا کھلانا، اچھے طریقے سے رکھنا۔ اگر میں اچھا ہو گیا تو خود اس معاملہ پر غور کر کے معاف کر دوں گا یا قصاص لوں گا اور اگر میں اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا تو اس کو بھی قتل کر دینا اور کوئی زیادتی نہ کرنا، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ وفات سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان پر جو آخری کلام تھا وہ یہ ارشاد خداوندی تھا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

Marfat.com

ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ۝

ترجمہ: ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

﴿سورۃ الزلزال 99، آیت 8-7﴾

راویان اہل جماعت کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس بات کا نہ تو حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں''۔

اہل تشیع کا کہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کیلئے بیعت کا واضح حکم دیا تھا۔ یہ ایک الگ بات ہے جو بہت طویل ہے اور اس سے بحث ہمارے پیش نظر نہیں ہے لیکن ایک بات بہر حال یقینی ہے کہ وارثوں نے قاتل ابن ملجم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل نہیں کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو حکم دیا تھا کہ اس کو بھی مار ڈالنا اور کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وارثوں نے اس کو بری طرح کاٹا اور پھر آگ میں جلا دیا۔

مدفن سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کے حوالے سے راویوں میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کوفہ کے مقام رحبہ میں چھپا دی گئی ہے تاکہ خارجی اس کی بے حرمتی نہ کر سکیں۔

ایک دیگر جماعت کا بیان ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے جسد اطہر کو مدینہ منورہ لے گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بازو میں دفن کیا۔

اہل تشیع کے غالی مخالفین کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش ایک صندوق میں رکھ کر اونٹ پر حجاز لے جا رہے تھے لیکن اونٹ کھو گیا اور جب چند دیہاتیوں کو ملا تو انہوں نے

Marfat.com

خیال کیا کہ اس صندوق میں شاید مال و دولت ہے لیکن جب اس میں ایک مقتول کی لاش پائی تو جنگل میں ایک نامعلوم جگہ پر دفن کر دیا۔

یہ مختلف روایات اسقدر ہیں جن پر گفتگو کا سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا اور پھر اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔

اہل مدینہ تک یہ اندوہناک خبر پہنچی تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھا:

فالقت عصاھا واستقرت بھا النوی

کما قر عینا بالایاب المسافر

''اس نے لاٹھی ٹیک دی اور اس کی جدائی چین پا گئی

جیسے لوٹنے والے مسافر کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں''۔

اس سے گویا ان کا مقصد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی موت سے آرام پایا اور لوگوں کو بھی آرام آ گیا۔ بے شک موت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک مشقت سے آرام ملا لیکن یہ بات یقینی نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی موت سے لوگوں کو آرام ملا بلکہ یقین واثق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی موت نے تو مسلمانوں کو ایسی مصیبت اور اختلاف میں مبتلا کر دیا تھا جس کا اثر آج تک چلا آ رہا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنا عرصہ رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حامیوں اور دشمنوں کے درمیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ تو یہاں ختم ہو جاتی ہے تاہم اس کے بعد افسانہ طرازی اور داستان نویسی کے ایک طویل سلسلے کی ابتداء ہوتی ہے۔ قصہ گو حضرات نے ان واقعات کو ہولناک اور پراسرار بنانے کیلئے جو طریقہ چاہا اختیار کر لیا۔ ان لوگوں نے تاریخ میں اپنے اضافوں سے کسی مورخ کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلقہ کسی عام بات کو بھی ایک واضح اور حقیقی رنگ میں پیش کرنا انتہائی مشکل بنا دیا ہے۔ انہوں نے اپنے رجحانات اور جذبات

Marfat.com

سے الگ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت نہیں لکھی۔ ان کی خیال آرائیوں نے تاریخی حقائق کو اوجھل کر دیا اور جذباتی طرز فکر نے ان کے راستوں کو الجھا دیا۔ مؤرخ حقائق پیش کرتا ہے اور مصنف اپنے تجزیے سے کسی حد تک جانبدارانہ رنگ آمیزی بھی کرتا ہے۔

کچھ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعلق اور محبت میں حد سے بڑھ گئے اور اس حد سے بڑھی ہوئی محبت نے ان کو اصل راہ سے بہت دور کر دیا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو حالات وواقعات بیان کئے اس میں عقل کی رہنمائی نہیں بلکہ جذبات کی ترجمانی نمایاں نظر آتی ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی میں حد سے نکل گئے اور یہی چیز ان کی گمراہی کا سبب بن گئی۔

انہوں نے معتبر مورخین کے بیان کئے ہوئے تاریخی حقائق سے آنکھیں بند کر کے بغض کی بنا پر بہت کچھ لکھ ڈالا۔ انہیں میں عراقی اہل قلم بھی ہیں جو نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سچے محبّ ہیں بلکہ ان کے اندر عام عراقیوں کیلئے عصبیت کا جذبہ بھی ہے اور وہ اپنی تحریروں میں بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ اہل عراق اہل شام کے مقابلے میں نمایاں رہیں۔

ان میں وہ شامی اہل قلم بھی ہیں جنہیں نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ہے بلکہ وہ اہل شام کو دیگر سب پر فوقیت دیتے ہیں۔

انقلابات دہر کے ہاتھوں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے آنے والے جانشینوں کیلئے میدان صاف ہو گیا تو اہل شام نے زیادتی کی ہر حد پار کر لی۔ لیکن جب تاریخ نے کروٹ بدلی اور اموی اقتدار سے محروم ہو گئے اور اقتدار ہاشمیوں کے ہاتھ آ گیا تو شامی زیادتیوں کا کوئی نشان تک باقی نہ رہا اور نئے نشان قائم ہو گئے۔

جب بنو عباس حکمران ہوئے تو اہل عراق نے بھی زیادتی میں کوئی کمی نہ رہنے دی۔ انہوں نے اپنے اقتدار کے تقاضوں سے تاریخ کو رنگین کر دیا۔ شامی اور عراقی عرب تھے وہ خاندانی عصبیت سے کبھی الگ نہیں رہے تھے۔ جنگ اور امن میں بھی عصبیت کا بے حد عمل ودخل تھا۔ ہر قبیلہ اپنے جوانوں کی بہادری اور شجاعت کے قصے بیان کرتا نظر آتا تھا۔

Marfat.com

اس وقت فریقین نے سیاست اور مذہب میں امتیاز نہیں کیا تھا۔ اہل عراق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت کو اللہ کی رضا اور مذہبی فرض کا درجہ دیتے تھے۔ ان کی نظروں میں حب علی رضی اللہ عنہ دین تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت میں شمولیت بھی ان کے نزدیک فی سبیل اللہ جہاد ہی تھا۔ انہوں نے بغاوت کر کے اپنے خیال میں اللہ کو خوش کیا تھا۔ خلیفہ کو قتل کر کے بھی اللہ کو راضی کیا تھا جس نے منصب خلافت کے فرائض اللہ کے احکام کے مطابق سرانجام نہیں دیئے تھے۔

اہل شام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کو رضائے الٰہی سے تعبیر کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے رہنما نے انہیں بتایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شامل تھے اور حرمت والے مہینے، حرمت والے شہر میں اللہ کے احکامات کے خلاف ایک ناجائز قتل کا ارتکاب کیا۔ نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار کر کے ورثاء کے حوالے کرنے سے انکاری ہیں اور یوں باغیوں کی کھلی حمایت کر رہے ہیں۔

میں برملا کہتا ہوں کہ اگر ان سب باتوں کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلے گا کہ اس فتنہ و فساد کے معاملہ میں اندھے جذبات اور اشتعال نے تاریخ کو بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ قبیلے اپنی اپنی خدمات کے عوض حکمرانوں تک رسائی اور مراعات حاصل کرنے کی دوڑ میں تھے۔ اپنی طاقت کو اپنے مفادات کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ ظاہری طور پر دینی جذبات کا اظہار کرتے مگر تاریخ کو جھٹلا کر من گھڑت افسانوں سے اقتدار اور دولت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بعد میں معاملات حیران کن انداز میں الجھ کر رہ گئے۔ حقیقت میں اس معاملہ کو سمجھنا دشوار نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہل عراق سخت آزمائش میں ڈالے گئے۔ جب عراقیوں نے اموی حکمرانوں کا مقابلہ کرنا چاہا تو انہیں زبردست قوت سے کچل دیا گیا اور وہ مظلومیت اور بے بسی کی تصویر بن کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ ایسی بے بسی اور مظلومیت تھی جس نے ان کے دلوں میں خوف اور بے چینی پیدا کر دی تھی جو ترقی کر کے بغض وکینہ کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ زبانیں اور قلم ایسی باتیں

Marfat.com

پیش کرنے لگے جن کا حق وصداقت سے ذرا سا بھی تعلق نہیں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ پروپیگنڈہ اور بے بنیاد باتوں کیلئے لوگوں کی بے بسی اور مظلومیت سے زیادہ موثر ذریعہ اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

جب عباسی اقتدار میں آئے تو اہل شام کو بھی مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ سب کچھ دہرایا گیا جو اس سے پہلے اہل عراق کر چکے تھے۔ یوں تاریخ دبیز پردوں کے پیچھے مستور ہو چکی ہے جس تک رسائی انتہائی مشکل ہے اور ایک سچے مورخ کا کام نہایت مشکل ہو کر رہ گیا ہے۔

جو لوگ جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی مشکل کر دی آپ کا اس قوم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جس نے آپ رضی اللہ عنہ کی راہ میں قدم قدم پر مشکلات کے روڑے اٹکا اٹکا کر آپ رضی اللہ عنہ کو مجبور کر دیا لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے تو وہی لوگ عشق کی حد تک آپ رضی اللہ عنہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنے لگے۔ آپ کی محبت میں جنون کی حدوں کو بھی پار کر گئے۔ آپ کی فضیلت و عظمت میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے لگے۔ بعض نے تو غلو کی انتہا کر دی اور انہیں آپ کی ذات میں للّٰہیت نظر آنے لگی جس نے ان کی نگاہوں میں آپ کو تمام انسانوں سے افضل بنا دیا تھا۔

دوسری قوم کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو اہل عراق کی یہ ساری حرکات دیکھتی کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اوصاف منسوب کر رہے ہیں وہ اعتدال کے خلاف ہیں۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ستم ظریفی یہ ہے کہ ان مبالغہ آمیز اوصاف میں اپنی طرف سے مزید اضافہ کیا جاتا ہے اور ستم ظریفی دیکھئے کہ ان سب باتوں کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں پر ڈال دی جاتی ہے۔

ان کا بیان ہے کہ کوفہ کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مان لیا اور اپنے اس تصور کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اظہار بھی کر دیا۔ پھر وہ صالح اور راست باز لوگ

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنے ناراض ہوئے کہ ان کو آگ میں جلا ڈالا۔

حیرانی اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اپنی زندگی میں انہیں خدا کہنے والوں کو آگ کے شعلوں میں جلا ڈالا مگر اس کے بعد بھی آپ رضی اللہ عنہ کو خدا تصور کرنے کا معاملہ یوں رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی جانتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس بات سے شدید ناراض ہوتے ہیں اور جو ایسا کہتا ہے اس کو زندہ جلا دینے کی سزا دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کو خدا تصور کرتے تھے۔

اب ذرا یہ غلو بھی دیکھیں کہ جو غالی شیعوں کا پیدا کیا ہوا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ آگ میں جلنے کی سزا پانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدا ہونے پر مزید سختی سے ایمان لے آئے۔ جب انہوں نے بھڑکتی آگ کو دیکھا اور سمجھا کہ اب وہ اس میں ڈالے ہی جانے والے ہیں تو کہنے لگے سچ ہے آگ کا عذاب آگ پیدا کرنے والا ہی دے سکتا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ ہی اللہ تھے۔ (نعوذ باللہ)

یہ سب فضول باتیں ہے جن کا باعث بغض وعناد ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا معاملہ نہایت سیدھا ہے جس میں کوئی بناوٹ نہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حامیوں کو بے سود اور تباہ کن لڑائیوں میں شرکت پر آمادہ کیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دولت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرداروں کو ان کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں خبردار کر دیا تھا کہ ان کا بزدلانہ کردار اور غداری ان کیلئے باعث وبال ہوگا اور عنقریب وہ ایک مسلسل ذلت سے دوچار ہوں گے لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ سنی۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حکومت عراق کی باگ ڈور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے جانشینوں کے ہاتھ آئی تو آپ رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے حالات ظہور

Marfat.com

پذیر ہونے لگے، آپ کی پیشین گوئیاں حرف بحرف سچ ثابت ہونے لگیں۔ اُموی نے انہیں ذلت کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ جو باتیں انہیں گراں گذرتی تھیں انہی پر مجبور کیا جاتا۔ ان کی جان و مال حفاظت میں تھی نہ دین و ایمان۔

اس وقت انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عہد یاد آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی زیادتی اور کوتاہی پر تاسف ہوا۔ اشک ندامت سے منہ دھونے لگے۔ پھر رخ بدلا تو ان کی محبت میں تمام حدیں پار کر گئے۔ ان کی تعظیم و تکریم اور والہانہ عقیدت جوش و جنون میں بدل گئی۔ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کی یادیں کھرچ کر مٹا سکیں اور اس تاسف کے ازالہ کی کوشش کریں۔

آپ نے پڑھا ہے کہ عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کی مصیبتوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ حجاز میں بھی آپ رضی اللہ عنہ محسوس کرتے تھے کہ وصال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے آپ رضی اللہ عنہ مصائب اور آزمائشوں کے دور سے گزر رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ خود کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے لیکن خلافت سابق تین خلفاء کو دے کر انہیں آزمائش میں ڈالا گیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے انتہائی صبر سے کام لیا تھا۔

تینوں خلفاء کی اطاعت اور خیر خواہی کرتے رہے۔ پھر جب خود خلافت آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچی، تب بھی اس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ مصائب میں ہی گرفتار رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عراق میں مصیبتیں بڑھتی جارہی تھیں مگر مایوس ہونے کی بجائے آپ رضی اللہ عنہ نے حجاز کی طرح عراق میں بھی نہایت صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

اپنی زندگی کے تیس سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت آزمائشوں میں ڈالے گئے اور آخر ایک دن جب نماز کیلئے جارہے تھے راستے میں آپ کو تلوار سے شہید کر دیا گیا۔ قاتل غلام نہیں تھا بلکہ ایک آزاد عرب تھا جس نے ایک جماعت کی ساز باز سے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے جیسا کہ آپ اگلے صفحات میں پڑھیں گے۔ اہل عراق پر بھی مشکلات آئیں اور آپ یہ بھی

Marfat.com

پڑھیں گے۔

ان غیر معمولی مشکلات کے بعد اگر اہل عراق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں میں وہ جلوے نظر آئے جو اوروں میں نظر نہ آئے۔ان مصائب کے باعث اگر وہ ان کو عقیدت واحترام کے بلند مقام پر فائز کر دیں، غالی یہود، نصاریٰ اور اہل فارس کی دیکھادیکھی اگر وہ بھی مبالغہ آرائی سے کام لیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ عنہم سے تقدس و پاکیزگی کے ایسے اوصاف وخصائل جوڑ دیں جو عام لوگوں میں نہیں ہوتے۔مخالفین بھی ان کے ہر قول وفعل پر نظریں گاڑھے ہوں اور اس پر اپنی طرف سے حاشیہ آرائی بھی کر دیں۔عجیب وغریب بیانات، واقعات اور کارنامے ان سے منسوب کر دیں تو بھلا اس میں حیرت وتعجب کی کیا بات ہے؟

وقت آگے بڑھتا ہے۔کیوں اور کیسے کہنے والوں کی کثرت ہوتی ہے۔مباحثوں میں حد اعتدال کو پیچھے چھوڑ دیا جائے تو معاملات خواہ مخواہ پیچیدہ تر ہوتے جاتے ہیں۔بعد زمانہ بھی مزید الجھاؤ پیدا کرتا ہے اور بحث ونظر کے نکات عوام تک پہنچ جاتے ہیں۔اہل علم کے علاوہ جہلاء بھی ان باتوں میں مشغول ہو گئے۔حقیقت دھند کی دبیز تہوں میں چھپ گئی اور لوگ فتنے کی شب تاریک میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔

جہاں تک میرا خیال ہے میں سمجھتا ہوں کہ بعد کے فقہاء اور مؤرخین نے لفظ ''شیعہ'' سے جو گروہ مراد لیا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں نہیں تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سامنے آیا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس لفظ کے لغوی معنی وہی تھے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ قصص میں بیان فرمایا ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا
رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ق ز هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ج
فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ لا فَوَكَزَهٗ
مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ق

''اور وہ (موسیٰ علیہ السلام) شہر میں باہر سے کہیں ایسے وقت پہنچے جب

Marfat.com

وہاں کے باشندے بے خبر سو رہے تھے، انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا (جن میں سے) ایک ان کی برادری کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے، برادری والے نے مخالف کیلئے موسیٰ (علیہ السلام) سے مدد چاہی تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو ایک گھونسہ مارا جس سے اس کا کام ہی تمام ہو گیا۔''

﴿سورۃ القصص 28، آیت 15﴾

اسی طرح سورۂ صافات میں ہے:

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ.

ترجمہ: ''اور بے شک ابراہیم (علیہ السلام) اسی کے طریقے پر چلنے والوں میں سے تھے۔''

﴿سورۃ الصافات آیت 83﴾

ان آیات اور دیگر آیتوں میں شیعہ کے معانی ''معاونین'' اور ایسی ماتحت جماعت کے ہیں جو خیالات و نظریات میں باہم متفق و متحد ہو۔ جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں سے تھا بنی اسرائیل کا تھا اور جو موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا مصری تھا۔

قدیم مفسرین نے جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفسیر سیکھی یہی تفسیر کی ہے اور کہتے ہیں کہ ''ابراهيم كان من شيعته نوح'' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے طریقے پر یعنی ہم مذہب تھے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس وقت آپ کی بیعت کی اور آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے رہے۔ ان لوگوں نے اگر لڑائیوں میں آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تو بھی ان کا شمار شیعان میں ہی ہوتا ہے۔

لفظ ''شیعہ'' اس زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کیلئے بھی مستعمل تھا۔ تمام شامی اور غیر شامی جو حضرت امیر

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھے اور جو قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا چاہتے تھے اور ان قاتلوں پر طاقت سے حد جاری کرنا چاہتے تھے وہ بھی شیعہ کہلاتے تھے۔اس کا واضح ثبوت معاہدۂ صفین میں ہے جس میں تحریر ہے:

"قاضی علی اهل العراق ومن كان من شيعتهم من المومنين والمسلمين.

وقاضی معاوية اهل الشام ومن كان من شيعتهم من المومنين والمسلمين."

اس میں "شیعہ" کا لفظ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ اہل عراق وشام سے منسوب ہے۔ کاتب کی مراد ان لوگوں سے ہے جو عراق اور دوسرے اسلامی شہروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور جو لوگ جو شام اور دیگر شہروں میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔

اس معاہدہ کا مقصد فریقین کو پابند کرنا تھا تا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف طاقت استعمال نہ کریں۔ وہ مختصر سا گروہ اس سے آزاد ہوگا جو اس معرکہ آرائی سے دور رہا۔

فقہاء اور متکلمین "شیعہ" کا لفظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد کیلئے بالخصوص استعمال نہیں کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس لفظ کا مفہوم لغت کے اعتبار سے ہی تھا اور اسی معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں شیعہ سے مراد فریقین میں سے ہر ایک الگ الگ مراد ہے۔

اسی طرح لفظ "سیّد" اور "ولی" کا استعمال بھی ہے۔ مجھے ایسی کوئی پرانی عبارت دستیاب نہیں ہوسکی جس کے مطابق اس واقعہ سے پہلے اس لفظ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کیلئے استعمال کیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اس سے پہلے کوئی ایسا گروہ بھی نہیں تھا جسے امت مسلمہ میں الگ پہچان کی ضرورت ہوتی۔

لیکن جب ہم راویوں کا یہ بیان دیکھتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کیلئے کہا تو مسلمانوں میں دھڑے بندی کے خدشے کے پیش نظر آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے صاف انکار فرما دیا۔ راویوں کے مطابق خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جب یہ چاہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کیلئے آمادہ ہو جائیں اور منصب خلافت اولاد عبد مناف کے پاس ہی رہے تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس طرح اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا اسی طرح ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی منع فرما دیا تھا۔ کسی نے عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیعہ نہیں لکھا ہے۔

راویوں کا یہ بھی بیان ہے کہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ شوریٰ کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کیلئے کوشاں تھے اور ارا کین شوریٰ کو اس سے مسلمانوں میں نفاق کا خدشہ ہوا۔ اس لئے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اصرار کرتے ہوئے خلافت کا فیصلہ جلد کرنے کا کہا۔

جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کرنے میں تامل نہ کیا۔

اس تاریخی موقعہ پر بھی کسی راوی نے مقداد رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شیعہ نہیں کہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ حامی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں کے اتحاد کی خاطر اپنے ارادے پر مصر نہ ہوئے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتنے سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی الگ جماعت یا گروہ نہیں تھا جسے ''شیعہ'' کا نام دیا جا سکے۔

البتہ آپ کے حامی اکثریت میں تھے۔ پھر جنگ صفین پیش آئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کرنے کے بعد عراق، یمن اور حجاز کی سرحدوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس وقت بھی ''شیعہ'' نامی کوئی جماعت نہ تھی۔

Marfat.com

جماعت علویہ اور شیعان علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت تشکیل دے کر منظم کیا گیا جب اقتدار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آیا اور حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ نے بھی صلح کے بعد ان کی بیعت کر لی۔ اس کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

حضرت حسن رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے سچے خیر خواہ اور اتحاد وامن کے داعی تھے۔ عہد گزشتہ کی شورش میں انہوں نے بہ امر مجبوری حصہ لیا تھا۔ وہ بھی اس وقت جب لوگوں کا فتنہ ہر حد سے بڑھ گیا اور ان کیلئے اس وقت اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب سنا کہ باغیوں نے مظلوم خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا ہے تو وہ فوراً اس جانب بھاگے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے باغی دیواریں پھاند کر ان کے خون سے ہاتھ رنگ چکے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس بات کا سخت تاسف ہوا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہ تو خود کسی فتنے کو پسند کرتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد فتنے کے کسی بھی معاملے میں شریک ہوں، انہوں نے انہیں کنارہ کشی کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ مدینہ سے اپنی زمین پر چلے جائیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ مدینہ میں قیام کر کے ہی لوگوں کو نیکی و بدی میں تمیز کا درس دیا جا سکتا ہے اور لوگوں کی باہم صلح کرائی جا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اس قدر دگرگوں حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ رہ کر لوگوں کی بیعت لیں بلکہ اگر لوگ خود بیعت کی پیشکش کریں تو بھی ان حالات میں صاف انکار فرما دیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کو ان معاملات سے دور رکھنا چاہتے تھے لیکن اپنے والد کے فیصلوں پر ایک فرمانبردار فرزند کی طرح سر جھکانا بھی ان کا فرض تھا اسلئے ان

Marfat.com

نامساعد حالات میں اپنے والد کے ہم قدم رہے اور تمام معرکہ آرائیوں میں اپنا کردار بطریق احسن ادا کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر نکلیں اور نہ یہ چاہتے تھے کہ عراق جا کر طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفت وشنید کریں۔

ان کا خیال تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں ہی رہنا چاہیے تھا۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہی فیصلے کیے جنہیں درست سمجھتے تھے۔جب ایک روز حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق جانے کیلئے بالکل تیار ہیں۔تو بہت آزردہ خاطر ہوئے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس طرح آہ وزاری کنیزوں کا کام ہے مردوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا غم نہ بھلا سکے۔گویا وہ کامل عثمانی تھے۔تاہم انھوں نے ان کا بدلہ لینے کیلئے تلوار نہیں اٹھائی تھی۔وہ خود کو اس بات کا حق دار خیال نہیں کرتے تھے۔بسا اوقات وہ عثمانیت میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔

شاید اسی وجہ سے انہوں نے ایک دن اپنے والد محترم کو بھی ترش جواب دیا۔

روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا:

''وضو اچھی طرح کرو''۔

حسن رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا:

''ابھی کل ہی تو اچھی طرح وضو کرنے والے کو ماردیا گیا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا:

''اللہ عثمان رضی اللہ عنہ سے تمہارے جذبہ غم میں اضافہ فرمائے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بصرہ وصفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک رہے۔لیکن میرا یقین ہے کہ وہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ عملی طور پر ان لڑائیوں میں شریک نہیں رہے۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو خطرات سے بچانے کے حوالے

Marfat.com

سے بے حد محتاط تھے۔ یہ ڈر بھی تھا کہ اگر ان پر کوئی آنچ آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ چنانچہ خود آگے رہ کر دونوں کو بچاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ آپ کے ساتھی بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کی طرح دونوں پر عنایت اور توجہ کرتے اور حسن سلوک کرتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے لئے تحفہ پیش کیا اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو نظر انداز کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ ان کیلئے بھی ویسا ہی تحفہ لایا جائے۔

لہٰذا محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کیلئے بھی ویسا ہی تحفہ لا کر پیش کیا گیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جھگڑا ناپسند تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب وہ بچے تھے ایک دن اپنے پہلو میں منبر پر بٹھایا پھر ایک نظر حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اور دوسری لوگوں پر ڈالتے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا''۔(۱)

اگر اس حدیث کو صحیح مانا جائے اور غالباً یہ صحیح ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فتنے کے آثار نظر آتے تو یہ حدیث یاد آجاتی تھی۔ اس حدیث کا ان پر گہرا اثر تھا۔ کئی مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ ان دو گروہوں میں مصالحت کرا کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی پوری کر دی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا گریہ و زاری صرف اپنے والد محترم کیلئے ہی نہیں تھی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کو اس چیز کا بھی غم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ پیش گوئی پورا ہونے کا کوئی سبب نہیں بن پا رہا تھا۔

صحیح بخاری رقم الحدیث: 2704، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: 4662، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3773، مستدرک علی الصحیحین للحاکم: 175/3 رقم الحدیث: 4809، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: 6144، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن الاثیر الجزری: 15/3

Marfat.com

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے حوالے سے مختلف آراء ہیں۔ اہل سنت مورخین اور محدثین کا بیان ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے تو لوگوں کی درخواست کے باوجود بھی آپ رضی اللہ عنہ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے سے انکار فرما دیا۔ البتہ کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کرنے کی درخواست آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تم لوگوں کو نہ اس سے منع کرتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں''۔

دوسری رائے کی حامل جماعت کا خیال ہے کہ اس درخواست پر آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تمہیں اسی حالت میں چھوڑ رہا ہوں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال کے بعد چھوڑا تھا''۔

جہاں تک اہل تشیع کا خیال ہے تو وہ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واضح انداز میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور لوگوں کو بیعت کا حکم دیا تھا۔

ان تمام باتوں کے برعکس حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نہ تو اپنی نامزدگی کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور نہ لوگوں کو اپنی بیعت کی تحریک دی تھی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ نے بیعت حسن رضی اللہ عنہ کی تحریک پیش کی اور لوگوں پر رقت طاری ہو گئی انہوں نے بیعت کیلئے اپنی دلی آمادگی کا اظہار کیا۔

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیعت کیلئے نشست فرما ہوئے تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے اقرار اطاعت کے علاوہ یہ شرط بھی بہ تکرار پیش کی تھی:

۱۔ جس سے میں لڑوں گا تم بھی اس سے لڑو گے۔

۲۔ جس سے میں صلح کروں گا تم بھی اس سے صلح کرو گے۔

''صلح'' کی تکرار سے لوگ سوچنے اور خیال کرنے لگے کہ حسن رضی اللہ عنہ صلح پسند ہیں اور صلح چاہتے ہیں لوگ انہیں ''صلح کا بندہ'' کہنے لگے۔ وہ کہتے یہ ہمارا امیر نہیں صلح کا سفیر

Marfat.com

ہے۔

بیعت سے فراغت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ دو ماہ تک نہایت اطمینان سے اپنے امور سرانجام دیتے رہے اور جنگ کی کوئی بات نہ کی۔ اس صورت حال میں قیس بن سعد اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں جنگ کی ترغیب دی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے خط لکھا اور کہا کہ اپنے باپ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے جنگی تیاریاں کریں۔ تب کہیں جا کر لڑائی کیلئے آمادگی ظاہر کی۔ بارہ ہزار سپاہیوں پر قیس بن سعد کو سالار اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کا معاون مقرر فرمایا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اپنے عم زاد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سالار بنا کر ہدایت کی تھی کہ قیس بن سعد اور سعید بن قیس ہمدانی سے مشاورت کریں اور ان کے مشورے کے بغیر کوئی اقدام نہ کریں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اہل عراق کے دستوں کے ساتھ ان کے پیچھے ہی روانہ ہوئے۔ ظاہری طور پر جنگ کے واضح امکانات نظر آ رہے تھے۔ لیکن اس یقینی جنگ کے پس پردہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے مشیروں اور مصاحبین کے ذریعے صلح کی تیاریاں کر رہے تھے۔

مدائن پہنچ کر فوج میں صلح کی خبروں نے ایک ہیجانی اور اضطرابی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس پر مشتعل سپاہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے میں گھس کر ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور ان کا سب سامان لوٹ لیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا رخ مدائن کی طرف کر لیا۔

اس دوران ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ پر اپنے نیزے سے حملہ کیا مگر اس کا وار کارگر نہ ہوا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ حملہ آور نے اس دوران حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد کی طرح شرک کے مرتکب ہو گئے''۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں جا ٹھہرے ان کے زخم کی دیکھ بھال کی جانے لگی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وقت ضائع نہ کرتے ہوئے صلح کی پیش رفت جاری رکھی اور جب کوفہ تشریف لائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سفیر آپ رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

آپ کے تمام مطالبات مان کر آپ رضی اللہ عنہ کو اور آپ رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھیوں کو امان دینے کا اعلان کیا۔ اس وقت کوفہ کے بیت المال میں ۵۰ لاکھ درہم تھے جو آپ رضی اللہ عنہ کو عطیہ کر دیئے اور بصرہ کے دو علاقوں کا خراج تا حیات معاف کر دیا گیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو صلح کی بات چیت کر رہے تھے اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بر بنائے مصلحت اپنی فوج کسی سالار کو مقرر کئے بغیر ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔

تاریخ نے دیکھا ہے کہ دولت علم کی مادی دولت کے آگے پیش نہیں جاتی۔ اقتدار عام طور پر اہل علم نہیں بلکہ اہل ثروت کو ملا کرتا ہے اور اہل علم اہل ثروت کے آگے دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ یا ان کے معتوب بن جاتے ہیں یا کنارہ کش اور یا پھر انہی کے دامن میں پناہ لے کر وظیفہ خوار ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد قیس بن سعد نے اپنے طور پر لشکر کی قیادت سنبھال لی اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان موصول ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت اختیار کر لو تو قیس نے انہیں اس حکم سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں اختیار دیا کہ وہ لوگ چاہیں تو اپنے امام کا حکم مان لیں اور اگر چاہیں تو امام کے حکم کے بغیر ہی حق کے دشمنوں سے جنگ کریں۔

سپاہیوں نے امن کو غنیمت جانا اور جنگ کے خیال سے دستبردار ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے کوفہ کے راستے کھل گئے اور وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے جہاں کل تک خلافت کا راج تھا اور آج امارت کا استقبال ہو رہا تھا۔ ملوکیت نے خلافت کی کوکھ سے ہی جنم لیا تھا۔ بلا تامل ان کی بیعت کر لی گئی۔ قیس بن سعد نے بھی بادل ناخواستہ کافی تردد کے بعد بیعت کی۔

صلح

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس صلح کا جائزہ لیا جائے

Marfat.com

اور بغور مشاہدہ کیا جائے تو چند نمایاں باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اس وقت لوگ دین سے زیادہ دنیا کی طرف مائل ہو رہے تھے نئی نسل ان اوصاف سے عاری تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرۂ امتیاز تھے۔

۲۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور وہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے پیروکار تھے اس ماحول میں خود کو اجنبی ہی خیال کر رہے تھے۔

۳۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو فتنہ و فساد سے الگ اس صورت حال سے مایوس، اپنے دین کی خاطر گوشہ نشین ہو گئے۔ دنیاداری چھوڑ کر یاد اللہ میں مشغول ہو گئے۔

۴۔ بعض کا خیال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم نہیں کہ برائیاں دیکھ کر پسپا ہو جائیں بلکہ حکم یہ ہے کہ ان برائیوں کے خاتمے کیلئے کردار ادا کیا جائے۔ ہدایت کی تلقین کی جائے۔ اس کا نمونہ ہمیں خود سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدترین حالات میں بھی کنارہ کشی اختیار کر کے غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار نہیں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تعلیمات کا ابلاغ جاری رکھا جو قوم کو ناگوار تھیں۔ قوم کے تشدد اور ظلم کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہِ ہدایت یا پیام ہدایت نہ چھوڑا۔

اہل مکہ نے آپ کو ستانے کا ہر حربہ اختیار کیا۔ لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ہمت نہ ہاری۔ جوش تبلیغ میں فرق نہ آیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر وہ لوگ سورج اور چاند بھی لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پہ رکھ دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہ حق سے ہرگز ہرگز دستبردار نہ ہوں گے۔ یہ امر ناممکن تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کر دیا کہ دنیا کا کوئی لالچ اور کوئی طاقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت میں ذرہ سا فرق بھی نہ آیا اور آخر سب کو دین کی طرف آنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مشکل اور مصیبت کی پرواہ نہ کی۔ کسی مصلحت کو اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

Marfat.com

طریقے پر کار بند رہنے کا عزم کر لیا اور کسی مصیبت کو خاطر میں نہ لائے۔ صبر و تحمل کو اپنا ہتھیار بنا لیا۔ لڑائیاں بھی لڑیں اور اللہ کی راہ میں جان بھی دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اللہ کے دین اور صلوٰۃ کی صدا بلند کرنے کے دوران ہی قاتلانہ وار سے گھائل ہوئے جو ان کی شہادت کا باعث بن گیا۔

اس کے بعد حالات نے عربوں کو دوسری اقوام کے مقابل کر دیا۔ عربوں نے ان کے ملکوں کو اور انہوں نے عربوں کی تہذیب کو تسخیر کر لیا۔ مرکز گریز قوتوں نے انہیں اپنی کشش کا اسیر کر لیا۔ عربوں نے عجمی تمدن اپنا لیا۔ اسلامی طرز حکومت پر ملوکانہ طرز کو اختیار کیا۔ خلافت راشدہ سے منہ موڑ کر قیصر و کسریٰ کے پیروکار بن گئے۔

میں نے گذشتہ صفحات میں جو کچھ پیش کیا ہے اس میں غور و فکر کا کافی سامان موجود ہے۔ عراق کے امراء نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھاری رقوم لیتے تھے ان کا عراق میں راستہ ہموار کرنے کیلئے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد ہی ان سرداروں کا وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا۔ ان میں سے بعض نے شام ہی میں قیام کر لیا اور انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور پھر ان کے ساتھ ہی عراق لوٹے اور بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر بتایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حکومت پر گرفت زیادہ مضبوط نہیں ہے اور جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ فی الفور عراق آ جائیں۔ اس صورت حال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مناسب خیال کیا کہ اپنے شامی مشیروں سے عراق جانے کی بابت مشورہ کریں اور عراق چلے جائیں۔

حالات کا یہ نیا رُخ دیکھتے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور سختی کی بجائے نرمی کی حد کر دی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عثمانیت سے بھی آگاہ تھے اور انہیں علم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ غارت گری و خونریزی کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں مقام حسن رضی اللہ عنہ سے بھی واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خیر کے مبلغ ہیں اور برائی کی ہر صورت

Marfat.com

سے نفرت کرتے ہیں۔ لہٰذا جونہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جندب بن عبداللہ ازدی کو خط دے کران کے پاس بھیجا اور تحریر فرمایا کہ لوگوں نے میری بیعت کر لی ہے اسلئے آپ بھی بیعت کر لیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خط کا جواب نہایت نرم انداز میں دیا اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا اس سے گریز کیا اور اپنے جواب میں لکھا:

''اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ بہتر انتظامی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ لوگوں کو مطیع رکھ سکیں گے۔ دشمن کیلئے مدبر حکمران اور مسلمانوں کیلئے بہترین ثابت ہوں گے۔ مالی اور سیاسی امور میں اگر آپ رضی اللہ عنہ کا تجربہ مجھ سے زیادہ ہوتا تو میں ضرور بیعت کر لیتا کیوں کہ آپ رضی اللہ عنہ خوبیوں میں کامل واکمل ہیں۔ میرا اور آپ کا معاملہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ میرے حق میں دستبردار ہوں گے تو عراق کے بیت المال کی تمام رقم آپ رضی اللہ عنہ کو دی جائے گی اور جو علاقہ بھی پسند فرمائیں گے بطور جاگیر دیا جائے گا تاکہ زندگی بھر معاشی ضروریات پوری ہوتی رہیں''۔

یہاں ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخوبی جانتے تھے کہ اہل بیعت کی بزرگی اور فضیلت مستند ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ نمایاں مقام رکھتے ہیں لیکن انہوں نے خلافت ان کو سونپی جو امور دنیا سے زیادہ آگاہ تھے اور بار خلافت سنبھالنے کی طاقت رکھتے تھے۔

آج وہی صورت حال ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر تھی۔ اہل بیت کا درجہ ومقام بلند ہے انہیں بزرگی وشرف حاصل ہے لیکن اس کے برعکس غیر اہل بیت یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل بیت کی نسبت خلافت کی ذمہ داریاں بطریق احسن نبھانے کے اہل ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب لے کر جب جندب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

پاس پہنچے اور بتایا کہ اہل شام بھاری اکثریت میں آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیلئے پوری طرح تیار ہیں۔ اس نے مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ وہ پیش قدمی کر کے آپ رضی اللہ عنہ کی جانب بڑھیں آپ رضی اللہ عنہ پہل کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جنگی تیاری نہ کی اور جب معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراقی حدود کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حرکت کی اور جو معاملات پیش آئے آپ نے پڑھ لیا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پہلو تہی جنگ سے گھبراہٹ یا کسی بزدلی کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ایک تو آپ خونریزی کو ناپسند فرماتے تھے اور دوسری جانب ان کو اپنے ساتھیوں کی وفاداری پر کامل اعتماد نہیں تھا مدائن تک انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک اختیار کیا اس سے آپ رضی اللہ عنہ کے تمام تر اندازے درست ثابت ہوئے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ سرداران کوفہ کا ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا ہے اور جو اس وفد میں شرکت نہ کر سکے انہوں نے بھی اپنی وفاداری کے خطوط بھیج دیئے ہیں۔

ان حالات سے آگاہ ہو کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عراقیوں سے فرمایا:

”تم لوگوں نے ہی میرے والد کو جنگ پر مجبور کیا تھا اور تم ہی تھے جنہوں نے ان سے ثالثی قبول کروائی۔ پھر تم ہی لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ عدم تعاون کی روش اختیار کی۔ انہیں تنہا کر دیا۔ اب بھی تمہارے سردار باقاعدہ وفد کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کیلئے جا پہنچے ہیں باقی ماندہ نے آمادگی بیعت کے خط لکھ بھیجے ہیں لہٰذا تم لوگ مجھ کو اپنے فریب کے جال میں نہیں پھانس سکتے“۔

اس کے ساتھ ہی صلح کے معاملے میں تیزی سے پیش رفت کی گئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ ابن عامر (بصرہ میں عثمانی گورنر) کو عبدالرحمٰن بن سمرہ کے ہمراہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ دونوں نے صلح کی پیش کش کی اور قبول کرنے پر اصرار

Marfat.com

کیا۔ دونوں نے جس انداز میں آپ رضی اللہ عنہ کو راغب کیا اس سے سبھی آگاہ ہیں۔

حضرت حسن نے صلح کی پیشکش قبول کرنے کا عندیہ دیا اور عمرو بن سلمہ ہمدانی اور محمد بن اشعث کندی کو سفیر بنا کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ ان کے خیالات سے پوری طرح آگاہ ہوسکیں۔

مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بنام حضرت حسن رضی اللہ عنہ

جب یہ سفیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان سفیروں کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور چند دن پاس ٹھہرانے کے بعد حسب ذیل نامہ دے کر روانہ کیا:

خط بنام حسن بن علی منجانب معاویہ ابن ابی سفیان۔ میں آپ سے اس شرط پر صلح کر رہا ہوں کہ میرے بعد آپ رضی اللہ عنہ نامزد ولی عہد ہوں گے اور میں آپ کے حق میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں پکا عہد کرتا ہوں کہ کسی قسم کا فریب یا برائی نہیں کروں گا اور نہ ایسا چاہوں گا۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کو ہر سال بیت المال سے دس لاکھ درہم ادا کرنے کا پابند ہوں گا۔ دو علاقوں بسا اور دارب گرد کا خراج آپ رضی اللہ عنہ کا حق ہے آپ رضی اللہ عنہ اپنے عمال مقرر کر کے ان علاقوں میں اپنے حسب منشاء انتظام کرلیں۔

گواہان:

۱۔ عبداللہ بن عامر عمرو بن سلمہ کندی

۲۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ

۳۔ محمد بن اشعث کندی

تاریخ تحریر ہذا ربیع الآخر ۴۱ھ

Marfat.com

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مکتوب کی ابتداء میں اپنا نام پہلے نہیں لکھا جس طرح کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جوابات لکھتے کیا کرتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام بلکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا نام پہلے لکھا۔ اس میں وہ یہ اظہار کرنا چاہتے تھے کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی از حد عزت و احترام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کا سلوک ویسا نہیں جیسا ان کے والد کے ساتھ تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کیلئے تین باتوں کی پیشکش کی:

۱۔ ان کو اپنے بعد ولی عہد بنانے کا اعلان کیا۔

۲۔ بیت المال سے ان کیلئے سالانہ دس لاکھ درہم کا وظیفہ مقرر کیا۔

۳۔ فارس کے دو علاقے دیئے جہاں وہ اپنی مرضی کے عامل تعینات کر کے اپنا انتظام کر لیں۔

اس کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے اعتماد سے اس بات کی ذمہ داری قبول کی کہ وہ ہر طرح سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حفاظت کریں گے۔ ان پر کوئی مصیبت وابتلا نہیں آنے دیں گے۔

تاہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس پیشکش کو ناکافی سمجھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے خیال میں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ولی عہدی پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

۲۔ دوسری باتیں بے وقعت اور محض فریب تھیں۔

۳۔ جہاں تک عراقی بیت المال کا تعلق تھا وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

۴۔ فارس کے تمام تر علاقے ان کے پاس تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس تحریر میں البتہ ایک اہم بات کا ذکر کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ان تمام ساتھیوں کو امان دی جائے گی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑے اور ان کو بھی جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے

Marfat.com

ساتھ مل کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑتے رہے اور ان کیلئے بھی امان ہوگی جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خط اپنے پاس رکھا اور عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جو ایک تو بنی عبدالمطلب کے خاندان کا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قرابت دار بھی تھا اس کی والدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پیام بھیجا:

"تم جا کر اپنے ماموں سے کہو کہ اگر وہ سب لوگوں کو امان دینے کا اعلان کریں تو میں ان کی بیعت کرلوں گا"۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فراست سے کام لیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش کے باوجود لوگوں کیلئے واضح امان کا واضح مطالبہ کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنے بھانجے کو ایک سادہ کاغذ دستخط کر کے دے دیا اور کہا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس پر جو چاہیں لکھ لیں مجھے منظور ہوگا۔

جب عبداللہ بن حارث دستخط شدہ سادہ کاغذ لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر یہ تحریر کیا:

"یہ حسن ابن علی کا معاویہ بن ابی سفیان سے صلح نامہ ہے اور حسن اس شرط پر حکومت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صالح خلفاء کی سیرت کے مطابق عمل پیرا رہیں گے نیز معاویہ (رضی اللہ عنہ) کسی کو ولی عہد مقرر کرنے کے مجاز نہیں بلکہ ولی عہد کا معاملہ شوریٰ طے کرے گی۔ لوگ جہاں بھی رہیں گے انہیں اور ان کے اہل وعیال کیلئے امان ہوگی۔ ان کا مال اور دولت محفوظ ہوگی۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اعلانیہ یا خفیہ طور پر کوئی برائی نہیں چاہی جائے گی۔ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی ڈرایا یا دھمکایا نہیں جائے گا"۔

Marfat.com

گواہان:

۱۔ عبداللہ بن حارث

۲۔ عمرو بن سلمہ

تحریر کی تکمیل کے بعد عبداللہ بن حارث نے یہ خط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیا تا کہ وہ اس پر اپنے آدمیوں سے بھی دستخط کرالیں۔ دستخط ہونے کے ساتھ ہی صلح نامہ مکمل ہو گیا تاہم ایک اختلافی معاملہ باقی رہ گیا جسے آج غلط فہمی کہا جاتا ہے وہ یہ کہ پہلے خط میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کرنے کے علاوہ بعض اور حقوق بھی دیئے تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خط مذکور کے بعد بحال رہے یا پھر ختم ہو گئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ وہ خط اپنی جگہ باقی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں سالانہ وظیفہ اور تاحیات دو علاقوں کا خراج دینے کے پابند ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خط نے پہلے خط کو منسوخ کر دیا تھا اور اب حسن رضی اللہ عنہ کا ان سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ وفات کے بعد حکومت شوریٰ کے حوالے کی جائے جو خود ولی عہد مقرر کرے گی اور دوسرا یہ کہ لوگوں کے جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کی ضمانت دی جائے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف کھلے یا چھپے کوئی کارروائی نہ کی جائے اور مسلمانوں کے معاملے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء کی روش اختیار کی جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تمام معاملات طے پا جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مالی معاملات پر بات کی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا:

''مجھ پر اب آپ کی حفاظت کے سوا کوئی اور مطالبہ نہیں رہا''۔

اس پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ثالثی سے اس کا فیصلہ کرانے کا سوچا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنانے کی خواہش کی تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منظور تو نہ کیا۔ البتہ طے شدہ مال دے کر حسن رضی اللہ عنہ کو راضی کر لیا۔

اس مقام پر مؤرخین اور راویوں نے مختلف باتیں لکھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ

Marfat.com

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ معاہدہ کی تمام شرائط پوری کر دیں لیکن اہل بصرہ سے ساز باز کر لی اور انہوں نے دونوں علاقوں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عمال کو نکال دیا اور ادائیگی خراج سے انکار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ خراج پر ان کے سوا کسی اور کا حق نہیں۔

المختصر بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا اور مال و دولت سے انہیں خوش حال کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو کبھی تنگی معاش کا سامنا نہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت فیاضانہ اور خوشحال زندگی بسر کی۔ آپ رضی اللہ عنہ دولت کو خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔

بہرکیف جب یہ معاملات طے پا گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت اطمینان اور امن سے کوفہ آئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کا استقبال کیا اور بیعت کی جس کے بعد عام لوگوں نے بھی بیعت کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ اس مصالحت سے اپنی رضامندی کے حوالے سے خطاب کریں اور نئے نظام پر اطمینان کا اظہار کریں۔

یہ ایک فطری امر تھا اور مؤرخین جواز پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ اس موقع پر حسن رضی اللہ عنہ سے خطاب کرانا چاہیے تاکہ لوگوں پر ان کی بے بسی اور مجبوری ظاہر کی جا سکے۔ اور انہیں اپنے ساتھیوں کے سامنے سبکی محسوس ہو مگر یہ بات یوں قابل قبول نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صلح چوری چھپے سے نہیں کی تھی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے بارہا بڑی فصاحت و بلاغت سے خطاب فرما چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا گھرانہ گویا فصاحت و بلاغت کا معدن تھا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بھی نہایت موزوں تقریر کی اور حق و صداقت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

> ''لوگو! سب سے بڑا دانشمند وہ ہے جو متقی ہے اور سب سے بڑا احمق وہ ہے جو بدکار ہے۔ میں نے حکومت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی ہے جو

Marfat.com

یا تو مجھ سے زیادہ حق دار کا حق تھا جو اسے مل گیا۔ یا پھر یہ کہ حق میرا ہی تھا لیکن میں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خون خرابے سے بچانے کے لئے اپنا حق چھوڑ دیا۔ بے شک تعریف وتحمید کے لائق وہ اللہ ہے جس نے تمہارے اگلوں کو ہماری وجہ سے عزت سے سرفراز کیا اور تمہارے پچھلوں کو خونریزی سے بچالیا۔''

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس تقریر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑا افروختہ کر دیا اور انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سرزنش کے انداز میں کہا:

''اسی لئے تم چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ تقریر کریں؟''

راویوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر میں کئے اضافے بھی کئے ہیں جن کے صحیح ہونے کے ساتھ غلط ہونے کے امکانات بھی موجود ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے ایسے دوست بھی ناراض ہو گئے جو ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخلص ساتھی تھے اور جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اس صلح کو ہتھیار ڈال دینے کے مترادف سمجھا جو ان کی سابقہ قربانیوں کے برعکس تھا۔

جس طاقت اور قوت کے وہ مالک تھے اس کا بھی تقاضا اس سے مختلف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض افراد نے برملا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ''ایمان داروں کو ذلیل کرنے والا'' کے الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے اور بعض ''عربوں کا منہ کالا کرنے والا'' کہا کرتے تھے۔ تاہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے ان الفاظ کا کچھ خیال نہ کیا اور وہ اپنی اس پالیسی سے مطمئن رہے جس میں ان کو مسلمانوں کے خون کی حفاظت اور جنگ کا خاتمہ نظر آتا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ اس طرح امت مسلمہ میں اتحاد ہو گا۔ مسلمانوں کو اپنے معاملات سدھارنے اور متحد ہونے کا موقع ملے گا۔ وہ طاقت پا کر اپنی سرحدوں سے دشمنوں کو دھکیل کر فتوحات کا دائرہ آگے بڑھائیں گے اور اپنا سفر پھر وہیں سے شروع کر دیں

Marfat.com

گے جہاں سے فتنوں نے ان کا راستہ روک کر انہیں باہم متصادم کر دیا تھا اور اغیار کو آگے بڑھنے کا موقع ملا تھا۔

اکثر راوی کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہم خیال نہیں تھے۔آپ رضی اللہ عنہ صلح کے حامی نہیں تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سے اصرار سے کیا اور کہا کہ فی الحال صبر سے کام لیں اور جنگ جاری رکھیں۔لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور سخت لہجے میں کہا کہ اگر انہوں نے اطاعت نہ کی تو ان کے پاؤں بیڑیوں سے جکڑ دیئے جائیں گے۔خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کئی پیشین گوئیاں کی تھیں اور فرمایا تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس جنگ سے دستبردار ہو جائیں گے اور یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

جب کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے:

''حسین رضی اللہ عنہ نوجوانوں میں سے ایک نوجوان، تلوار اور دستر خوان کے آدمی ہیں''۔

ان معاملات سے فارغ ہو کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنی نئی حکومت منظّم کرنے میں مشغول ہو گئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابھی تھوڑے دور ہی پہنچے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قاصد ان سے آ کر ملا۔اس نے انہیں خارجیوں سے مقابلے کیلئے کہا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا اور کہا:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کا مقصد خون کی حفاظت اور جنگ سے گریز ہے۔اس لئے میں اب کسی لڑائی کیلئے تیار نہیں''۔

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو ملنے والوں نے اس صلح پر ملامت کا اظہار کیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا:

Marfat.com

''مجھے اللہ سے اس حالت میں ملنا پسند نہیں کہ ستر ہزار سے زیادہ لوگوں کے نرخروں سے خون بہہ رہا ہو اور ہر ایک یہی کہہ رہا ہو کہ اے اللہ مجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟'' میں خون ناحق کے دھبے لے کر نہیں جانا چاہتا''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق میں

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل عراق پر نرمی ختم کر دی اور سختی کی ابتدا کر دی۔ سب سے پہلے اعلان کیا کہ جب تک حملہ آور خارجیوں کے فتنے کو کچل نہیں دیا جاتا۔ ان کی بیعت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

اس اعلان پر کوفہ والوں نے خارجیوں سے اسی طرح جنگ شروع کر دی جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لڑتے رہے تھے۔ انہیں علم ہوا کہ ان کے حالات میں تبدیلی نہیں آئی پہلے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں اپنوں سے لڑ رہے تھے اور اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں بھی انہیں یہی کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد عراقیوں کو بتایا کہ انہوں نے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر لیا ہے اور مکمل حکمت عملی وضع کر لی ہے۔ وہ کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح اور ترقی کیلئے تین باتوں پر عمل کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ اسلامی شہروں پر دشمنوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے مسلمانوں کو ان کے شہروں پر حملہ کر دینا چاہئے اور اس کام کیلئے وقت پر اپنے اپنے وظیفے حاصل کر لیں۔

۲۔ یہ کہ قریب کی سرحدوں پر جانے والی فوج چھ ماہ قیام اور دور کی سرحد پر جانے والی فوج کے قیام کی مدت ایک سال ہو گی۔

۳۔ یہ کہ شہروں کی تعمیر و ترقی اور ذرائع آمدن پر توجہ دی جائے تاکہ غربت و افلاس کی نوبت نہ آئے۔

Marfat.com

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد یہ اعلان کیا:

"میری بڑی خواہش تھی کہ میں لوگوں کو فتنہ و فساد سے روکوں۔ لڑائی و خونریزی کا خاتمہ کر دوں۔ سب لوگ ایک دوسرے سے مطمئن ہوں۔ باہم متحد ہو جائیں۔ کسی کو کسی سے کوئی خطرہ نہ ہو"۔

اگرچہ اس سلسلہ میں انہوں نے لوگوں کو بڑی امیدیں دلائی تھیں بہت سے وعدے بھی کئے تھے لیکن اس موقع پر انہوں نے سب باتوں کو نظرانداز کر دیا۔

اس کے بعد اعلان کرتے ہوئے کہا:

"سب کیلئے تین دن کی مہلت ہے اس مہلت کے اندر جس نے یہ باتیں منظور نہ کیں میں اس کا ذمہ دار نہیں۔"

اس اعلان عام پر لوگ بیعت کیلئے لپکنے لگے۔ ان باتوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عراقیوں کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی اور اخلاق کا برتاؤ صلح کی بات پوری ہو جانے کیلئے کیا تھا اور اس لئے کہ حکومت پر پوری طرح قبضہ ہو سکے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے چلے جائیں۔

جونہی یہ سب کچھ ہو گیا وہ سخت گیر ہو گئے اور عراق والوں سے وہ سلوک کیا جس سے آج تک ان کا پالا ہی نہیں پڑا تھا۔ انہیں عیش و آرام کی زندگی سے باہر نکال کر بتایا کہ امیر کی اطاعت ایسا فرض ہے جس میں کسی قسم کی ٹال مٹول کی قطعاً گنجائش ہی نہیں۔

جو اطاعت نہیں کرے گا اس کیلئے امان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور امیر اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ عراقیوں کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی زندگیاں اب پوری طرح بدل چکی ہیں اور آنے والے وقت میں آنے والی سختیاں ان کے تصور میں بھی نہیں۔

گورنر کوفہ و بصرہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا اور عبداللہ بن

Marfat.com

عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا اور خود کوفہ سے واپس دمشق آ کر کار حکومت میں مصروف ہو گئے۔ دوسری جانب اہل عراق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ یاد آنے لگا وہ غمزدہ ہو کر پچھتاتے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ کے ساتھ بڑی زیادتی سے کام لیا تھا۔

اہل عراق کا پچھتاوا

اہل عراق، اہل شام کے ساتھ صلح پر بھی شرم محسوس کرتے۔ جب کبھی ایک دوسرے کی ملاقات ہو جاتی تو ایک دوسرے کو ملامت کرتے اور اس بات پر بحث کرتے کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟

ابھی چند برس بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ ان کے وفود مدینہ جا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملنے اور اپنی حالت زار کے گلے کرنے لگے۔ ایک دن کوفہ کے رئیسوں اور سرداروں کا ایک وفد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ ملاقات کے دوران میں سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

> ''ہماری حیرانی اب تک نہیں جاتی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جبکہ کوفہ کے چالیس ہزار جنگجو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں۔ جو سب وظیفہ پانے والے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ پابہ رکاب ہیں۔ ان کے بیٹے اور دیگر ساتھی بھی تعداد میں ان سے کم نہیں۔ سرزمین حجاز اور بصرہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے حامی ان کے علاوہ ہیں اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے معاہدے میں اپنا مقام نہیں رکھا اور نہ وظیفہ میں کوئی نمایاں حصہ وصول کیا۔ اگر اس معاہدہ میں مشرقی اور مغربی علاقوں کے ممتاز افراد کو گواہ بنا لیتے اور تحریر بھی لکھوا لیتے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کے بعد ولی عہد ہوتے تو ہمارے لئے آسانی ہوتی۔ جو کچھ طے ہوا ہے معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو اس کی بھی پابندی نہیں کی اور کچھ دن بعد ہی یہ اعلان کر دیا:

Marfat.com

’میں نے جو وعدے کیئے تھے وہ لڑائی اور فتنے کا سلسلہ ختم کرنے کیلئے کیے تھے۔اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتنہ سے نکال کر دوبارہ متحد کر دیا ہے تو ان وعدوں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی‘‘۔

اس بات سے میرے دل میں جو خدشہ اُبھر رہا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کیے گئے قول وقرار کو توڑ دیا ہے اس لئے اگر آپ چاہیں تو دوبارہ لڑائی شروع کر سکتے ہیں اگر آپ رضی اللہ عنہ ایسا چاہتے ہیں تو مجھے اجازت دیجئے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے کوفہ تشریف لانے تک میں کوفہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر کو نکال دوں اور اس کی بیعت توڑنے کا اعلان کر دوں۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی اس عہد کو ختم کر دیں۔اللہ خیانت اور غداری کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔‘‘

اس وفد کے دیگر اراکین نے بھی سلیمان بن صرد کی تائید کی جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ لوگ مدینہ آئے ہی اس مقصد سے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مل کر ان سے دریافت کریں کہ فوجی قوت اور مکمل تیاری کے باوجود انہوں نے صلح کیوں کی؟ اور اگر صلح کی تو پھر صلح نامہ پر دستخط کرتے وقت بااثر افراد کو گواہ کیوں نہ بنایا اور اپنی ولی عہدی کی شرط کیوں نہیں درج کروائی؟

انہوں نے سوچا کہ اس کے بعد ان کو بتائیں گے کہ کس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی اور ایک اجتماع عام میں اس کا اعلان بھی کیا ہے۔اس کے بعد ان سے یہ درخواست کریں گے کہ لڑائی دوبارہ شروع کی جائے اور ان لوگوں کو اس امر کی اجازت دی جائے کہ وہ کوفہ جا کر پہلے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑنے کا اعلان کریں اور اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خود بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح وہ وعدہ توڑ دیں کیوں کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی بات بڑے تحمل سے سنی اور کچھ باتیں مان لیں اور کچھ سے انکار کر دیا اور اس میں بھی آپ رضی اللہ عنہ ان کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔امن وصلح ان کی

Marfat.com

نگاہ میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ تاہم انہوں نے ان کو مایوس نہیں کیا اور تسلی دی۔

بلاذری کی روایت کے مطابق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا:

''تم لوگ ہماری جماعت ہو اور ہم سے محبت کرتے ہو۔ اگر میں دنیا چاہتا اور میرا مقصد دنیاوی اقتدار ہوتا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کسی طور بھی مجھ سے زیادہ شان وشوکت والے تھے اور نہ مجھ سے زیادہ قوت ارادی کے مالک۔ لیکن میری نگاہ تم سے الگ ہے میں نے جو کچھ کیا اس کا مقصد خونریزی کا در بند کرنا تھا۔ پس تم لوگ اللہ کے فیصلے پر راضی رہو اپنا معاملہ اس کے سپرد کر کے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہو اور اپنے ہاتھ روکے رکھو تاکہ نیک لوگ آرام پائیں اور بروں سے نجات حاصل ہو''۔

آپ نے پڑھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کو اہل بیت کا حامی اور محب سمجھ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کا فرض ہے کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کا ہر حکم مانیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر اچھی طرح واضح کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کسی دباؤ یا کمزوری کا نتیجہ نہیں بلکہ اس سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد مسلمانوں کی خونریزی روکنا تھا ورنہ اگر آپ جنگ کرتے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ثابت نہ ہوتے۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ وہ اللہ کی رضا پر راضی رہیں۔ برسر اقتدار حاکم کی اطاعت کریں اور اس کی مخالفت سے گریز کریں۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ یہ صورت حال مسلسل نہیں رہے گی اور نہ وہ ہمیشہ دشمن سے بلا مقابلہ دبے رہیں گے۔ اس کیلئے انہیں وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس وقت کا جب اہل حق کو ان کے صبر کے عوض چین ملے گا اور باطل کے پیروکاروں سے نجات ملے گی۔ اس سے مراد ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کو بتا رہے تھے کہ جب موقع آئے گا تو پھر جنگ ہوگی فی الوقت صلح کا دور ہے جس میں وہ آرام سے تیاری کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں معاویہ رضی اللہ عنہ سے نجات دے جس

Marfat.com

کے بعد پھر امت متحد ہو کر معاملات کو ہاتھ میں لے لے گی۔

میرا خیال اس حوالے سے یہ ہے کہ جس روز اہل کوفہ کا وفد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہوں نے ان کی باتیں سنیں اور اپنی سنائیں اور ان کیلئے ایک واضح حکمت عملی تیار کی جس میں حامیان حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سیاسی جماعت تشکیل دی گئی جس کے ناظم اعلیٰ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بنے۔

کوفی سرداروں نے مدینہ سے لوٹ کر اپنے حامیوں کو اس ساری بات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ اس صلح کے دوران وہ تیار رہیں اور اگر صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کی گئی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم پر از سر نو جنگ کی جائے گی۔

ابتدائی دور میں اس تنظیم کا مقصد بالکل سیدھا سادہ تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں سے امن واطمینان کے ساتھ امام کی اطاعت اور انتظار کرنا اور جب بھی حکم ملے جنگ کی ابتداء کر دینا۔ اس تنظیم کا یہی حال برقرار رہا۔ شیعہ ایک دوسرے سے ملاقات کے دوران تبادلۂ خیالات کرتے، معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام کے خلاف حق وانصاف کی بات کرتے اور اس بات کا عہد کرتے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ حکم دیں گے تو وہ تعمیل حکم کیلئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے بعد لوگ منتظر رہے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ کا حکم نہ دیا بلکہ امن وامان سے رہنے کی تاکید کرتے رہے اور جب بھی ان کے وفود آتے انہیں یہی ہدایت کرتے کہ جو لوگ بچ گئے ہیں انہیں غنیمت جانیں، باہم حسن سلوک رکھیں اور کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے حکومت کی گرفت میں آنے کا خدشہ ہو۔ اہل بیت کے حامی صرف کوفہ میں ہی نہیں تھے بلکہ دیگر شہروں میں بھی موجود تھے۔

یہ لوگ کہیں کم اور کہیں زیادہ تھے تاہم حکومت کی مخالفت میں بھی اپنی تعداد کے

Marfat.com

مطابق ہی عمل کرتے تھے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ان کے حق میں بہتر نہیں ہے جس پر اب صبر کے سوا چارہ نہیں تھا جب تک کہ انکی ضکومت سے نجات کا راستہ نہ نکلتا۔ یا پھر وہ لوگ خود ہی ایک روز اتنی طاقت کے مالک بن جاتے کہ اس اقتدار سے چھٹکارا پالیتے۔ وہ کامیاب بغاوت کر سکتے تھے اور یہ بھی ممکن تھا لہ ان پر تقدیرِ الٰہی کا فیصلہ آپہنچے اور اقتدار کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد کردیا جائے۔

جہاں تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفادار تھے۔ ان کی بیعت اور عہد و پیمان پر پوری طرح قائم تھے اور کسی بھی امداد کی ضرورت ہوتی ان سے حاصل کرتے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اور اپنی مخالفت کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینہ میں جس طرح چاہتے اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔ حج کے زمانے میں جب مکہ آتے تو لوگوں سے خطاب کے دوران اپنے خیالات کا برملا اظہار فرماتے۔ آپ بڑے شیریں کلام، ہردلعزیز، ملنسار اور اثر آفریں خطیب تھے۔ ان خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے قریش وانصار کے نوجوان آپ رضی اللہ عنہ کے گرویدہ تھے اور بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نمایاں اور بنیادی مقام حاصل تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ عام لوگ بھی آپ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے فراخدل اور فیاض تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سوال اور بلاسوال لوگوں کو عطا کرتے تھے۔

بعد از ادائیگی نماز فجر آپ مسجد میں بیٹھے رہتے۔ جب روشنی خوب پھیل جاتی تو امہات المومنین کی ملاقات کیلئے جاتے۔ ان سے حال احوال پوچھتے۔ ان کی ضروریات پوری کرتے اور اپنی جانب سے تحائف بھی پیش کرتے۔ امہات المومنین بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خیال رکھتیں اور اگر کوئی چیز پاتیں تو انہیں ضرور دیتیں۔

ان امور کے بعد روزمرہ کے کاموں میں لگ جاتے۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے

Marfat.com

بعد مسجد میں لوگوں کی ملاقات کیلئے دیر تک تشریف فرما رہتے۔

لوگوں کے مسائل اور باتیں سنتے۔ ان سے اپنی کہتے۔ جو پڑھنا چاہتے انہیں پڑھاتے۔ بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم وادب اور پند ونصیحت کی باتیں سنتے اور باتوں باتوں میں جہاں کہیں حکومت کا ذکر آجاتا اس کی خوبی یا خامی بڑے ہی دلکش انداز بیان کرتے۔

اگر خلاف طبیعت کوئی بات ہوتی یا کسی ایسے آدمی سے ملاقات ہوتی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دکھ دیا ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ سخت ہو جاتے اور رخ سے جلال کے آثار ہویدا ہوتے۔ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو ایسے نوازتے جس طرح اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو نوازا تھا۔ اسی طرح وہ دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہیں کرتے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر خصوصی عنایت رکھتے تھے۔ عطیات وتحائف سے نوازتے رہتے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیانات کی خبریں پہنچتیں تو وہ اس پر کبھی سخت ردعمل کا اظہار کرتے اور کبھی نظر انداز کر دیتے تاہم ان سب باتوں کے باوجود وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ ایک دوررس انسان تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ خلافت ان تک پہنچ چکی ہے انہوں نے اسے گھر کی لونڈی سمجھ کر خاندان ابوسفیان کیلئے وراثت بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ انہیں ہر وقت اپنے بیٹے یزید کا خیال رہتا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ارادوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حائل ہیں تو ان سے صلح کرنے میں بڑی جلدی کی اور انہیں ولی عہد بنانے کی پیشکش بھی کر دی جسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قبول نہ کیا اور یہ شرط رکھ دی کہ خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ طے کرے گی اور جسے چاہے گی منتخب کر لے گی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ خیال کرتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد لوگ کسی کو ان پر فوقیت نہیں دیں گے جب کہ شیعہ تو اس بات کا یقین کامل رکھتے تھے اور اس کیلئے دعائیں بھی مانگتے رہتے تھے۔

Marfat.com

یہاں مؤرخین اور راویوں میں اختلاف ہے اس لئے کہ حسن رضی اللہ عنہ پچاس ہجری میں وصال فرما گئے۔ شیعہ کا مؤقف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا تا کہ ان کے بیٹے کیلئے خلافت کی راہ صاف ہو جائے۔ اہل سنت مؤرخین بھی اس خیال کی روایت کرتے ہیں لیکن یہ ان کا قطعی فیصلہ نہیں ہے۔ محدثین میں سے جو اس قسم کی روایت کرتے ہیں وہ اس کو اس لئے ناممکن امر خیال کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے اور بغض وعداوت کا یہ کام وہ کسی طور نہیں کر سکتے تھے۔ اہل سنت مورخین یہ روایت بھی کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری بیماری کے دوران عیادت کرنے والوں میں سے کچھ لوگوں سے فرمایا:

''مجھے کئی بار زہر دیا گیا لیکن اب کی بار جو زہر دیا گیا ہے اس سے زیادہ سخت اس سے پہلے کبھی نہیں دیا گیا۔ ابھی ابھی میرے کلیجے کا ایک ٹکڑا میرے منہ سے نکلا ہے''۔

اس حوالے سے یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے جب یہ پوچھا کہ زہر کس نے دیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے نام بتانے سے انکار کر دیا تا کہ بلاثبوت کسی سے قصاص نہ لے لیا جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اب جانبر نہ ہوسکیں گے اس لئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ اللہ سے اس طرح ملیں کہ ان کا قصاص محض شک کی بنا پر لیا گیا ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مناسب خیال کیا کہ اللہ ہی ان کا قصاص لے گا۔ کچھ مورخین خیال کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ دینار کی رشوت پیش کی اور کہا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کھانے میں زہر ملا دیں۔ بعض کا خیال ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کا وعدہ بھی کیا تھا جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو مال کا وعدہ تو پورا کیا لیکن شادی اس ڈر سے نہ کی کہ کہیں ان کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ پیش نہ آجائے۔

اس روایت کا کھوکھلا پن واضح ہے اور اس کے راویوں کے پیش نظر یہ بات ہے

Marfat.com

کہ اشعث بن قیس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا تھا اور اس کی بیٹی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں سے انتخاب کیلئے دور نہ جانا پڑا۔ بلکہ ایک قریشی عورت ہند بنت سہیل ابن عمرو کو منتخب کیا اس کا باپ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر آیا تھا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ اشتر مصر جاتے ہوئے راستے میں زہر خورانی سے مارے گئے تھے جس کے بعد مصر کی حکومت کا راستہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے صاف ہو گیا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا:

''بلاشبہ اللہ کی ایک فوج شہد کی بھی ہے۔''

اس کے علاوہ حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو زہر دے کر مارا گیا۔ جس کی الگ طویل داستان ہے۔ اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی زہر دے کر راستے سے ہٹا دیئے گئے جس کے بعد ان کے بیٹے کیلئے ملوکیت کا راستہ صاف ہو گیا۔

حضرت امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس مقام پر اس لئے ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے نہ تو اپنی بیعت کیلئے کہا تھا اور نہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمانوں کے امام تھے اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی ان سے کوئی صلح کی تھی۔ ان کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی وعدہ بھی نہیں تھا۔

ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے باتیں کرتے کرتے مذاق کے انداز میں ان کے خیالات جاننے کیلئے کہا:

''حسن رضی اللہ عنہ کے بعد اپنی قوم کے سردار اب آپ ہی ہیں؟''

لیکن حضرت عبداللہ اس فریب میں نہ آئے اور دوٹوک جواب دیا:

''جب تک ابو عبداللہ زندہ ہیں ایسا نہیں ہو سکتا''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے باوجود اپنے بیٹے یزید کیلئے ولی عہدی کی

Marfat.com

بیعت لینا شروع کر دی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجر نوجوانوں کو مجبور کیا کہ اس بیعت کے بارے میں خاموشی اختیار کریں جس کو وہ اپنے دل سے بڑی مذموم حرکت خیال کرتے ہیں۔ آخر شیعوں کی قیادت امام حسن رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ اللہ ان پر اپنی رحمتوں کی بارشیں برسائے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھائی تھے مگر دونوں میں طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے کوئی میل نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ غور وفکر کرنے والے آدمی تھے۔ متانت اور سنجیدگی کے حامل۔ لڑائی اور خونریزی سے بیزار رہتے۔

ان کے اسی مزاج نے ان کو مصالحت کی راہ اختیار کرنے اور خلافت سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ خلافت ان کو جنگ کی ہولناکیوں میں مبتلا رکھے گی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کے معاملے میں اپنے والد کی طرح سخت اور تیز تھے کسی طور بھی غلط معاملات میں نرمی اور چشم پوشی پسند نہیں کرتے تھے۔ اپنے بھائی کی صلح سے خوش نہیں تھے اور اس کی مخالفت کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کی بات مکمل ہونے تک پاؤں میں بیڑی ڈال دینے کی دھمکی دے کر انہیں باز رکھا تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس صلح کو اس لئے بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ اس سے ان کے والد کا کردار مجروح ہوتا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نہ تو کثرت شادی سے دلچسپی تھی نہ طلاق سے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی ذات اور دوسروں کیلئے سخت تھے۔ ناگوار باتوں پر مجبوراً صبر کرتے۔

بھائی سے وفا کو فرض سمجھا اور ان کی اطاعت کرتے رہے بالکل اسی طرح اپنے والد کی اطاعت کرتے رہے تھے۔ میرا خیال ہے بھائی کی صلح کے بعد مدینہ میں جتنے دن بھی

Marfat.com

رہے کسی ایسے موقع کیلئے بے تاب رہے جس میں والد کے جہاد کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر وہیں سے شروع کر دیں۔ جبکہ شیعوں کا قائد بننے سے آپ کو کچھ موقع تو میسر آیا۔ میں نے 'کچھ' کا لفظ استعمال کیا ہے کیوں کہ حالات نے انہیں پورا موقع نہیں دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے سردار تو بن گئے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کر چکے تھے۔ اس لئے ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ بیعت توڑ کر عہد و پیمان سے انحراف کرتے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مطمئن تھے۔ ان حالات و معاملات پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی۔

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت مضبوط ہے۔ بڑے بڑے شہروں پر ان کا اقتدار قائم ہے۔ وہ چشم پوشی، نرمی اور سخاوت سے کام لیتے ہیں۔ شہروں کے حاکم سخت گیر ہیں جو باشندوں کو تشدد اور دہشت سے مطیع بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کا ارادہ نہیں کیا۔ اگرچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی نے آپ کیلئے ایسا موقع پیدا کر دیا تھا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ اعلان بغاوت کر سکتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ انہوں نے ایک بار نہیں بلکہ دو بار اس کی خلاف ورزی کی۔

ایک بار تو کوفیوں کو بری طرح قتل کر کے اور دوسری مرتبہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا کر، اس طرح انہوں نے خلافت کو وراثت بنا ڈالا۔ جو ان کے ترکے کی طرح ان کے بیٹے کو ملتی۔ حالانکہ خلافت خلیفہ کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور حق انتخاب ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے مال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضول خرچی بھی ایک سبب تھا۔ عربوں پر ایک طرح کی آمریت مسلط کر دی گئی تھی۔ ان کے گورنر سختی اور من مانی کرتے تھے۔ لوگوں کا مال ان سے محفوظ تھا نہ جانیں۔ یہ ساری باتیں اس بیعت کے خلاف تھیں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عوام سے وعدہ کیا تھا اور اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ امیر کے خلاف اعلان جنگ کرتے تو کوئی انہیں غلط نہیں کہہ سکتا تھا۔

Marfat.com

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب کوفیوں کا قتل عام دیکھا تو انہوں نے خروج کا ارادہ کر لیا تھا۔لیکن پھر اس بات سے ڈر گئیں کہ کہیں پھر یہ جنگ ایک بے نتیجہ فساد ثابت نہ ہو۔جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص طلب کرنے کے موقع پر ہوا تھا چنانچہ وہ خروج سے باز رہیں لیکن اس سے پتا چلتا ہے کہ اہل کوفہ کے قتل کا انہیں بھی بے حد صدمہ ہوا تھا۔جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بغاوت کرنے سے معاملہ حل نہیں ہوگا تو انہوں نے صبر سے کام لیا تاہم اپنے بھائی کی پالیسی چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حاکموں پر کڑی تنقید شروع کر دی۔

اس تنقید کو برداشت نہ کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی۔لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ حق کے معاملہ میں سختی سے کام لیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاکموں کی کھلے عام مذمت اور مخالفت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنر زیاد کی شدید ترین مخالفت کا مرکز کوفہ تھا۔

ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مختلف طرز سیاست کے اثرات واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے شیعوں کو کسی قسم کا جانی اور مالی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ان کے زمانے میں ان کے لوگ مخالفت اور ناپسندیدگی کا اظہار نرمی سے کرتے تھے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حاکم بھی ان کی باتیں سنتے اور درگزر کرتے تھے اور اکثر اوقات اپنے قول و فعل سے ان کی اصلاح بھی کر دیتے تھے۔

تاہم جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شیعان کے قائد بنے تو مخالفت میں شدت پیدا ہو گئی اور کوفہ میں بغاوت کا دھواں بلند ہونے لگا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام نے اس کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا۔انہوں نے لوگوں کو کچلنے میں کسی قانون اور قائدے کی بھی پرواہ نہ کی۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرز سیاست ساتھیوں کیلئے بیک وقت کمزوری اور طاقت کا باعث تھی۔

کمزوری کا سبب یوں کہ اس کی وجہ سے اہل بیت کے حامیوں اور ہمدردوں کی

Marfat.com

جانیں سخت ترین مصائب میں گھر گئیں۔

اور طاقت کا سبب اس طرح کہ اس سیاست نے شیعوں کو حد درجہ مظلوم بنا دیا اور انسانی سیاست میں لوگوں کو اپنا بنانے کی خاطر مظلومیت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ مظلومیت ان کیلئے ہمدردی کے گہرے جذبات پیدا کر دیتی ہے اور حکومتی لوگوں سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کے آخری دس سال میں شیعہ کے مسئلے نے بے حد اہمیت اختیار کر لی اور ان کی تحریک اسلامی حکومت کے مشرقی اور عرب کے جنوبی حصوں میں بڑی تیزی سے پھیلی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت عراق کے لوگ اہل بیت سے محبت اور بنی اُمیہ سے بغض و عداوت اپنا دین و ایمان تصور کرنے لگے تھے اور ان کا ایمان بن گیا تھا کہ خلافت و امامت صرف اہل بیت کا حق ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر اور شیعہ

اہل عراق پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں اور جو ظلم ڈھائے گئے اس کی وجہ صرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نظریات و حکمت عملی نہ تھی بلکہ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنروں کا بھی کردار ہے۔ بصرہ کے لوگ نظریاتی اعتبار سے عثمانی تھے۔ قارئین وہاں کے حالات اور واقعات پڑھ چکے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ بصرہ میں ناگواری اور بددلی کا باعث بنا البتہ کوفہ شیعوں کا وطن اور ان کی تحریک کا مرکز بن گیا تھا۔

جب زمام حکومت پوری طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی تو انہوں نے ان دونوں شہروں میں حاکم مقرر کئے جو جابر اور سخت گیر نہیں تھے۔ بصرہ پر عبداللہ بن عامر کو حاکم بنایا۔ اس نے وہی انداز رکھا جس کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ پابند تھا۔ اس نے اپنے مفاد کو لوگوں کے مفاد پر ترجیح دی اور خوب دولت جمع کر لی۔ اس نے

Marfat.com

لوگوں کو ایسی آزادی دی جس سے وہ برائی اور آوارگیوں کی طرف چل پڑے۔

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ فتنہ وفساد نے لوگوں میں اخلاقی پستی پیدا کر دی تھی۔ بصرہ نو وارد دیہاتیوں اور غلاموں سے بھر گیا اور ایک نئی مخلوط نسل نے جنم لیا جس کا نتیجہ فسق و فجور کی صورت میں نکلا۔ حکومت کا رعب اور وقار رعایا کی نظروں میں گر گیا۔ حاکم کو اپنے باپ اور بھائی کی فکر پڑی تھی۔ وہ نرمی اور دلجوئی کی حکمت عملی پر عمل پیرا تھا۔ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

اس طرح اس نے اپنے حاکم اور اللہ کی نافرمانی کی۔ اس سے تنگ آ کر لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی جس پر اسے معزول کیا گیا اور یہ بھی ایک لمبی داستان ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر ایک دوسرا حاکم مقرر کیا لیکن وہ چند ماہ سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔

اس کے بعد زیاد کا تقرر ہوا اس نے لوہے کو لوہے سے کاٹنے کی پالیسی اختیار کی یعنی ایک برائی ختم کرنے کیلئے دوسری برائی کو جنم دیا۔

زیاد

45ھ میں جب زیاد بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو بصرہ کے حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ جب 50ھ میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ بھی زیاد کے ماتحت ہو گیا تو کوفہ کے حالات بھی بدل گئے۔

زیاد کی زندگی بھی نشیب وفراز کے حوالے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کسی طرح کم نہ تھی۔ وہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات رکھتا تھا بلکہ کئی معاملات میں مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بہت آگے تھا۔

اگر بغور دیکھا جائے تو زیاد دو مختلف شخصیتوں کا مالک تھا۔ ایک شخصیت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس کی زندگی کا اظہار کرتی ہے اور دوسری جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد اس کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ جب تک زیاد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کیلئے کام کرتا رہا

Marfat.com

ہدایت پر رہا۔ لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ماتحت ہونے کے بعد وہ ایک سخت گیر حاکم بن گیا تھا۔ تاہم ان دونوں حالتوں میں وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخلص اور خیر اندیش سمجھتا تھا۔

سخت گیری کے زمانے میں وہ سمجھتا تھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرز سیاست کا پیرو کار ہے۔ فاروقی سیاست نے لوگوں کی اصلاح کی تھی جب کہ زیاد کی سیاست نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کو مصائب اور مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں زیاد بنو ثقیف کا غلام تھا جس کی ماں حارث بن کلدہ کی لونڈی سمیہ تھی جو ایرانی یا ہندی تھی۔ اس کا باپ حارث بن کلدہ کی بیوی صفیہ بنت عبیدہ کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام ''عبید'' تھا۔ لہٰذا زیاد حارث بن کلدہ کے خاندان کا غلام تھا اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کم عمر تھا اسلئے کہ اس کی پیدائش ہجرت کے سال یا اس کے تھوڑے دنوں بعد کی بیان کی جاتی ہے۔

بعض راوی کہتے ہیں کہ وہ فتح مکہ کے سال میں پیدا ہوا تھا۔ زیاد کی ابتدائی زندگی اور نوجوانی کا حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔ وہ عتبہ بن غزوان (حارث بن کلدہ کا داماد) کے ساتھ عراق آیا تھا اور فتح میں شریک غلاموں کے ساتھ مقیم رہا اور عام طریقے سے زندگی کے دن گزارتا رہا۔

جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حاکم بصرہ تھے تو ہم نے دیکھا کہ زیاد ان کا میر منشی ہے اور یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حساب وکتاب کے گوشوارے لے کر جا رہا ہے۔ پھر ہم نے یہ بھی پڑھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی ذہانت اور حساب کتاب پر حیران ہوتے ہیں اور اسے حکم دیتے ہیں:

''تو نے جس طرح مجھے حساب بتایا ہے اسی طرح لوگوں کے سامنے بھی پیش کرو''۔

زیاد نے حکم کی تعمیل کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی حساب دانی کے معترف ہو گئے۔ اس کیلئے اعداد و شمار گویا ایک کھیل کی حیثیت رکھتے تھے جس پر ان کی حیرت حضرت

Marfat.com

عمر رضی اللہ عنہ سے چھپی نہ رہ سکی۔

کچھ راوی کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے اسی روز دبی دبی زبان سے اس انکشاف کیا:

''یہ زیاد میرا بیٹا ہے''۔

تاہم وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف سے کھل کر نہ کہہ سکے۔ غالب گمان ہے کہ یہ ایک من گھڑت کہانی ہے۔ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کو ایک ہزار درہم دیئے اور اگلے سال جب وہ لوٹ کر آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا:

''جو ہزار درہم تمہیں دیئے گئے تھے ان کا کیا کیا؟''

زیاد نے جواب دیا:

''یا حضرت رضی اللہ عنہ! میں نے اس رقم سے اپنے باپ عبید کو خرید کر آزاد کرایا ہے''۔

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ زیاد کا باپ عبید ہے۔ لیکن اس کو لوگ جانتے نہیں تھے اور اس کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا نام لگاتے تھے جو کچھ شہرت رکھتی تھی یعنی زیاد بن سمیہ اور بعض اوقات اسے صرف ''امیر زیاد'' کہتے تھے۔ لیکن اس کے دشمن (شیعہ اور خوارج) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں آنے کے بعد اسے ''زیاد بن ابی'' یعنی ''باپ کا بیٹا زیاد'' کہا کرتے تھے۔

زیاد بصرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک گورنروں کا محرر رہا۔ جب جمل کا معرکہ ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فتحیاب ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے زیاد کے متعلق دریافت کیا جب بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے اور اس کی بات چیت سے جب اس کو اپنا مخلص پایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو بصرہ کا حاکم بنانا چاہا لیکن زیاد نے مشورہ دیا:

> ''بصرہ پر اگر آپ اہل بیت میں سے کسی کو مقرر کریں گے تو لوگ مرعوب اور مطمئن رہیں گے۔ بہتر ہوگا آپ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر مقرر فرمادیں''۔

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا اور

Marfat.com

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نائب اور محرر بن گئے۔

جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ سے مکہ چلے گئے جس کی تفصیل ہم ابھی قارئین کی نذر کر چکے ہیں تو زیاد ان کی جگہ بصرہ کا حاکم بن گیا اور اپنے حسن انتظام سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری کوشش کے باوجود اس شہر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت سے باہر نکلنے نہ دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد نظر آنے لگا کہ حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جا رہی ہے تو زیاد یہاں سے فارس چلا گیا اور اسے خوب ترقی دی۔ فارس کے لوگ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔

فارس جا کر وہ ایک قلعہ میں جا بیٹھا جو اسی کے نام سے منسوب ہو گیا۔ زیاد وہاں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ حالات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہو گئے اور لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

زیاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امان حاصل کئے بغیر بیعت کرنے کیلئے رضامند نہیں تھا اور نہ دوسروں کی طرح سر تسلیم خم کرنا چاہتا تھا۔ دوسری جانب اس قلعہ میں زیاد کا قیام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے باعث پریشانی تھا اور وہ جانتے تھے کہ زیاد بساط حکومت کا پرانا کھلاڑی ہے انہیں یہ بھی پتا تھا کہ زیاد کے پاس کافی مالی وسائل ہیں اور فارس کے لوگ بھی اس کے پکے حامی ہیں۔

انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زیاد اہل بیت کے کسی فرد کی بیعت کر کے ان کے خلاف نہ کھڑا ہو جائے۔ کہیں وہ قوم کو ان کے خلاف نہ کر دے جس کے نتیجے میں انہیں گوشۂ امن سے میدان جنگ میں نکلنا پڑے اور حالات ایک بار پھر جنگ کی طرف چل پڑیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زیاد نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر گواہی کو مشکوک بنا کر جو احسان کیا تھا اس کا بدلہ چکانے کیلئے مغیرہ رضی اللہ عنہ نے درمیان میں پڑ کر زیاد اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصالحت کرا دی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو زیاد سے خراج کی رقم دلا کر مطمئن کر دیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اجازت

Marfat.com

دے دی کہ وہ اسلامی شہروں میں جہاں چاہے قیام کر سکتا ہے۔ عراق میں رہے یا شام کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اس کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو زیاد، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ زیاد کا نسب بنی اُمیہ سے ملایا جائے۔ اس طرح اس کا تعلق ابوسفیان سے قائم کر دیا گیا اور کہا گیا کہ طائف کے سفروں کے دوران ابوسفیان کا کنیز سمیہ سے تعلق قائم ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں زیاد نے جنم لیا تھا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ زیاد کی ان تدابیر سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ اہل عراق زیاد کو ابوسفیان سے منسوب کرتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے موقع غنیمت جان کر زیاد کو اپنے پاس بلا لیا اور لوگوں کو جمع کیا جن کے سامنے گواہوں نے گواہی دے دی کہ ابوسفیان اور سمیہ کے تعلقات تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان شہادتوں پر یقین کیا اور زیاد کو اپنا بھائی مان لیا۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اعلان کیا تو اکثر مسلمانوں نے اس بات کو برا جانا۔ جبکہ زیاد تو دل سے ایسا چاہتا تھا تاہم بنی ثقیف کے غلاموں نے اس پر اس سے ناراضگی کا اظہار کیا۔

بلاذری کا بیان ہے:

> ''صفیہ کے بھائی سعد بن عبید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ مال دے کر اس نسبت پر راضی کر لیا لیکن یونس بن سعد نے منظور نہیں کیا اور چاہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مل کر اس رشتے پر بحث کرے لیکن اسے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ ایک روز جب جمعہ کی نماز میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ میں ٹوکا اور کہا: 'معاویہ! اللہ سے ڈرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر جنم لے اور زانی کو سنگسار کیا جائے لیکن تم نے زانی کو تو لڑکا دلا دیا اور صاحب فراش کو

Marfat.com

سنگسار کر دیا۔ زیاد میری چچی کا غلام اور اس کے غلام کا لڑکا ہے۔ پس ہماری میراث ہمیں دے دو۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ’’یونس! اب زبان بند کرلو ورنہ قسم خدا کی اس طرح اڑا دوں گا کہ ٹھکانے لگنا بھی دشوار ہو جائے گا‘‘۔ یونس نے کہا: اس کے بعد ہم اور تم اللہ کے پاس اکٹھا نہ ہوں گے‘‘۔

ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

وقائلة اما هلكت وقائل
قضى ما عليه يونس بن عبيد
قضى ما عليه ثم ودع ماجدا
وكل فتى سمع الخليقة مودى

’’بہت سے لوگوں نے کہا تو ہلاک ہوا
اور بہت سوں نے کہا کہ یونس ابن عبید نے اپنا فرض پورا کر دیا
اپنا فرض ادا کر کے ایک معزز کو رخصت کیا
اور ہر با اخلاق نوجوان جانے ہی والا ہے۔‘‘

ایک اور شاعر نے کہا:

الا ابلغ معاوية بن حرب مغلغلة عن الرجل اليمان اتغضب ان يقال ابوك عف و ترضى ان يقال ابوك زانى۔

’’ایک یمنی کا پیغام
معاویہ بن حرب کو پہنچا دو
کہ کیا تم اس بات پر غصہ کرتے ہو کہ
تمہارے باپ کو پاک باز کہا جائے؟
اور اس بات پر خوش ہوتے ہو

Marfat.com

کہ اس کو زانی کہا جائے؟؟''

اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد کا بے حد خیال رکھتے اور اس کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دن انہیں علم ہوا کہ عبداللہ بن عامر نے اسے کچھ برا بھلا کہہ دیا ہے اور یہ بھی کہا:

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں قریش کے پچاس آدمی جمع کروں جو گواہی دیں کہ ابوسفیان کا سمیہ سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا''۔

یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا اور اپنے دربان سے کہا:

''جب عبداللہ بن عامر آئے تو اس کی سواری محل سے باہر نکال دینا''۔

اور پھر اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ اس کو محل میں آنے سے منع کر دینا۔ دربان نے حکم کی تعمیل کی۔ عبداللہ اس طرز عمل پر تلملایا اور اس نے یزید سے اس کی شکایت کی، یزید نے بیچ میں پڑ کر صلح صفائی کی کوشش کی لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عبداللہ سے اس وقت تک راضی نہ ہوئے جب تک اس نے زیاد سے معذرت کر کے اس کو راضی نہ کر لیا۔ یہ تو سب کو معلوم ہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں عبداللہ بن عامر کا کیا درجہ تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ خود زیاد اس نئے نسب پر خوش تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ایک شخص عبدالرحمٰن بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور درخواست گزار ہوا کہ اسے زیاد سے ایک ضروری کام ہے۔ آپ سفارش لکھ دیں۔

عبدالرحمٰن نے تحریر تو لکھ دی لیکن چونکہ اس میں زیاد کو ابوسفیان سے منسوب نہیں کیا گیا تھا اس لئے اس شخص نے یہ تحریر لے جانے سے انکار کر دیا اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور یہی درخواست پیش کی، انہوں سر تحریر لکھا:

''ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے زیاد بن ابی سفیان کے نام۔''

جب زیاد نے رقعہ دیکھا تو اس شخص سے اگلے روز آنے کو کہا۔ دوسرے دن جب

Marfat.com

وہ آیا تو زیاد نے لوگوں کے سامنے اسے رقعہ پڑھنے کا حکم دیا جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل بصرہ کو علم ہو جائے کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے اس کے نسب کو تسلیم کر لیا ہے۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (صحابی) ماں کی طرف سے زیاد کے بھائی تھے اور حارث بن کلدہ سے پیدا ہوئے تھے لیکن حارث نے انکار کر دیا تھا اسلئے وہ غلام ہی رہ گئے تھے۔ طائف کے معرکے میں دیگر غلاموں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر غلاموں کے ساتھ انہیں بھی آزاد کر دیا اور فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ ہیں۔ چنانچہ وہ اکثر اپنے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔

جب انہیں علم ہوا کہ زیاد کو معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھائی ثابت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور زیاد دونوں اس کوشش میں ہیں تو انہوں نے زیاد کو اس فعل سے منع کرتے ہوئے کہا کہ یہ گناہ ہے۔ لیکن زیاد نے ان کی ایک نہ سنی جب یہ کام مکمل ہو گیا تو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ کبھی زیاد سے بات نہیں کریں گے۔ انہوں نے اس قول کو نبھایا اور مرتے دم تک زیاد سے بات نہ کی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سمیہ نہ تو زانیہ تھی اور نہ اس نے کبھی ابوسفیان کا منہ ہی دیکھا۔

زیاد کی تبدیلیٔ نسب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو سیاسی مفادات کے پیش نظر اپنا بھائی بنا لیا تھا لیکن اس رشتے کی راہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور زیاد دونوں کو بڑی مشکلات پیش آئیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس رشتے کے تسلیم کرانے میں بنی اُمیہ اور قریش کے

Marfat.com

ساتھ بڑی سختی کا سلوک کرنا پڑا۔

میرا خیال ہے کہ لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عتاب سے خائف ہو کر یا پھر مالی فائدے کی خاطر زیاد کو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا تسلیم کر لیا تھا اور اکثر نے بظاہر تو قبول کیا لیکن دل سے تسلیم نہیں کیا۔ بہت سے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے زیاد کو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ یا تو اس کا نام لکھ دیتے اور یا ماں سے منسوب کر کے ''ابن سمیہ'' کہہ دیتے۔

جس روز دمشق میں لوگوں کے سامنے اس نسبت کا اعلان کیا گیا زیاد کافی حیران تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو منبر پر اپنے ساتھ بٹھا کر گواہوں کو بلایا جنہوں نے یہ شہادت دی کہ سمیہ کے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔

زیاد نے سر عام اپنی ماں کے حوالے سے جو باتیں سنیں وہ کوئی شریف آدمی گوارا نہیں کر سکتا۔ اس وقت وہ غصے میں گواہوں سے کہنے لگا:

''اگر تم دوسروں کی ماں کو گالی دو گے تو تمہاری ماں کو بھی گالی دی جائے گی۔''

ایک گواہ سے کہا:

''تمہیں گواہی دینے کیلئے بلایا گیا ہے گالی دینے کے لئے نہیں''۔

تاہم اس کے باوجود زیاد اس نئے رشتے سے بڑا خوش تھا اور اس کیلئے اس نے کوشش بھی کی تھی۔ اس نے بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا:

''اس اللہ کی تعریف جس نے گرے ہوئے کو بلند کیا''۔

اس نے قریش کے ایک فرد کے ساتھ اپنی نسبت رومی غلام ہونے کی نسبت سے زیادہ بہتر خیال کی۔ پھر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا نام اس وقت مزید نمایاں تھا کیوں کہ اس کا بیٹا اس وقت مسلمانوں کا حاکم ہے۔

زیاد کے نسب میں تبدیلی پہلا واقعہ تھا اس قسم کا اعلان مسلمانوں کیلئے اس سے قبل نامانوس تھا۔ اسلام کی بنیاد آقا اور غلام کی برابری پر ہے اور امتیاز صرف تقویٰ کا ہے۔

زیاد کی بات تعجب کی ہے اس نے اپنے خطبے کا آغاز حمد و ثنا سے نہیں کیا تھا جس

Marfat.com

کے متعلق آپ آگے پڑھیں گے۔اس نے کہا جاہلیت کی بات برداشت نہیں کرسکتا جو مدعی اس ضمن میں میرے پاس لایا جائے گا میں اس کی زبان کاٹ دوں گا۔

سب سے پہلی بات جس پر ہماری نظر جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مورخین اور محدثین نے زیاد کی جو سیرت نگاری کی ہے اس میں کافی پیچیدگی ہے۔زیاد حارث بن کلدہ کا پیدائشی غلام ہوتا ہے جو اس کی ماں سمیہ کا آقا ہے یا یوں کہہ لیں کہ زیاد کا باپ حارث کی زوجہ صفیہ کا غلام تھا جو آپ پڑھ چکے ہیں مگر تاریخ میں تو ہم زیاد کو کہیں غلام نہیں پڑھتے۔پھر وہ کب آزاد ہوا؟اور کس نے اسے آزاد کیا؟ آزادی اس کو کیسے حاصل ہوئی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اسے ہزار درہم دے کر دوسرے سال اس سے پوچھا کہ وہ درہم کہاں خرچ کیے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس رقم سے اس نے اپنے باپ عبید کو خرید کر آزاد کر دیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ عبید بہت بعد میں آزاد ہوئے تو کیا زیاد اپنے باپ سے پہلے آزاد ہو چکا تھا؟

محدثین اور مورخین نے ان امور پر توجہ نہیں دی اور یہ باتیں زیاد کی سیرت پر ہلکا سا سہی مگر ایک پردہ ضرور ڈال دیتی ہیں اور اس کے کچھ گوشے تو روشنی میں آجاتے ہیں مگر کچھ اندھیرے میں ہی رہتے ہیں۔

آگے ایک اور مشکل مرحلہ آتا ہے جو زیاد کی سیرت میں اس کے متبنیٰ ہونے کا ہے۔ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اس رشتے کی بنیاد دین یا دنیا کے کس اصول پر رکھی گئی ہے؟

یہاں دین کے متعلق تو ہمیں معلوم ہے کہ فقہاء نے متبنیٰ کیلئے کئی شرطیں مقرر کی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ باپ بننے والے سے اس کی ولادت ہو سکے۔یعنی باپ اور بیٹے میں عمر کی مناسبت ہو۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ زیاد ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے چھوٹا تھا اور اس کا بیٹا ہو سکتا تھا۔

متبنیٰ کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ بیٹا بننے والے کا کوئی مشہور باپ نہ ہو اسلئے کہ

Marfat.com

آدمی کا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نام سے پکارا جانا نہایت غلط ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''جس نے اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا۔ اس پر جنت حرام ہے''۔(۱)

اور زیاد کا تو باپ موجود تھا اور لوگوں کو معلوم بھی تھا یعنی عبید رومی۔ جس کے آزاد کرانے کا اعتراف خود زیاد نے بھی کیا۔

زیاد نے اس مجلس میں اس کا اعتراف کیا جو اس رشتے کے اعلان کیلئے بلائی گئی تھی اس نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''لوگو! تم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی بات اور گواہوں کے بیانات سن لئے ہیں میں اس میں سچ اور جھوٹ کی تمیز نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ مجھ سے زیادہ باخبر ہیں لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ عبید بلاشبہ باپ اور مالک تھا جس کا میں ہمیشہ شکر گزار رہوں''۔

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے جو ماں کی طرف سے زیاد کا بھائی ہے دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ زیاد نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے رشتہ جوڑ کر عبید کی نفی کی۔ دوسری بات یہ کہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے سمیہ کو کبھی دیکھا تک نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نسبت قائم کر کے زیاد نے ایک تو اپنے معلوم باپ کا انکار کیا اور دوسرا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ جب کہ زیاد کو حق نہیں تھا کہ وہ باپ کا انکار کرتا اور نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر جبر کا اختیار تھا۔

۱۔صحیح بخاری رقم الحدیث:6818،صحیح مسلم رقم الحدیث:1458،سنن الترمذی رقم الحدیث:1157،سنن ابن ماجه رقم الحدیث:2006، مسند احمد بن حنبل:239/2، سنن الدارمی:152/2،مسند حمیدی رقم الحدیث:1058،مصنف عبد الرزاق: 443/7،

Marfat.com

متبنیٰ کے صحیح ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ بیٹا بننے والا بھی اس کو قبول کرے اور زیاد کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے اس رشتے کی کوشش کی اور اس کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آمادہ بھی کیا لیکن جب اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی قبولیت کا اعلان کر دے تو اس نے بڑے ہچکچاہٹ بھرے انداز سے کہا اور اس کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں پھر خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایسا واضح بیان نہیں جس میں زیاد کی فرزندی کا اقرار ہو۔ جو کچھ لوگوں نے کہا ہے وہ یہ ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اشاروں میں ایسا کہا ہے لیکن وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکے تاہم ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور تک زندہ تھے کم از کم اندازہ لگانے والوں نے چھ سال بتایا ہے اور زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں نے دس سال کہا ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ نرم تھے اور بنی اُمیہ کے ساتھ ان کی نرم مزاجی قریش اور عام مسلمانوں سے زیادہ تھی۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگر اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ زیاد ان کا بیٹا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تو ضرور اس کا اقرار کر سکتے تھے۔ تاہم اگر وہ اس اقرار کو حق تصور نہ کرتے تو شاید ایسا نہ کرتے۔ پھر اگر انہیں یقین ہوتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی تصدیق نہیں کریں گے کیوں کہ زیاد کا باپ عبید رومی موجود تھا جسے سب جانتے تھے۔

ممکن ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس رشتے کیلئے زیاد کے باپ کے مر جانے کا انتظار کرتے رہے ہوں لیکن عبید کی وفات کے بعد بھی انہوں نے یہ رشتہ قائم نہیں کیا۔

زیاد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقرب اور شان و شوکت کا مالک تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ایسا نہیں کیا گیا۔ جب زیاد بصرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نائب تھا اس وقت بھی ایسا نہ کیا گیا اور جب وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جگہ بصرہ کا گورنر ہو گیا تو بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس امر کی جرأت نہ کی۔ یہاں تک کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی کبھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا اور صلح کیلئے اس بات کا سہارا نہیں لیا۔ اس رشتے کا خیال آیا تو اس وقت جب ایک طرف حضرت

Marfat.com

حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد اقتدار پر ان کا مکمل قبضہ ہو گیا تھا اور دوسری طرف زیاد فارس میں قلعہ میں محفوظ ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ امر بھی ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور زیاد کے درمیان شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ بھی رہی ہو۔

اگر ایسا ہی ہوا تھا تو اس کی حیثیت ایک سیاسی تحفظ ہو گا جس کی بنیاد دین یا دنیا کے کسی اصول کی بجائے سیاسی مصلحت پر ہوتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی مصلحت یہاں بے نقاب ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زیاد اہل عراق کا رویہ جانتا تھا اور ان پر حکمرانی کرنے کی اور ان کو زور وزبردستی یا آمادگی سے مطیع رکھنے کی طاقت رکھتا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی ان صلاحیتوں کے معترف تھے اور لوگ بھی بخوبی جانتے تھے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مشرقی علاقوں کیلئے تیار کر لیا اور خود مغربی علاقوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

یہ سیاسی اتحاد اسلئے بھی ضروری تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھائی اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دیگر ورثاء اس امر کی اجازت و منظوری دیتے۔ تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ وہ لوگ بہر صورت اس کے تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ کسی دنیاوی غرض و مصلحت کیلئے اس قسم کے رشتوں کا رواج عہد جاہلیت میں بھی موجود تھا جسے قرآن کریم میں سورہ احزاب کی درج ذیل آیات کی رُو سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ☆ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا.

Marfat.com

ترجمہ: ''اللہ نے نہیں بنائے کسی آدمی کیلئے اس کے سینے میں دو(2) دل، اور تمہاری ان بیویوں کو جنہیں تم ماں کہہ بیٹھتے ہو نہیں بنایا تمہاری مائیں، اور تمہارے منہ بولے (لے پالکوں کو) (سچ مچ) تمہارے بیٹے نہیں بنایا، یہ (صرف) تمہارے منہ سے کہنے (کی بات ہے) اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہ راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔ انہیں ان ہی کے باپوں کی طرف (منسوب کر کے) پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ (قرین) انصاف ہے، پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اور تمہارے رفیق ہیں اور تم پر نہیں اس میں کوئی گناہ جو تم سے بھول چوک ہو چکی، لیکن (ہاں) جو اپنے دل کے ارادے سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

﴿سورۃ الاحزاب آیت 4 تا 5﴾

مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ انہی دونوں آیات سے زید کا فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلوانا ختم ہو گیا اور لوگوں نے زید بن محمد سے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے قبل ان کو متبنیٰ کر لیا تھا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی دنیاوی مفاد نہیں چاہتے تھے بلکہ محض مہربانی وشفقت کے جذبے سے کیا تھا۔ عربوں میں یہ رسم رائج چلی آ رہی تھی۔

انہیں آیات نے سالم کی فرزندی ابوحذیفہ سے باطل کر دی۔ لوگ سالم کے باپ کو نہیں جانتے تھے اور خود سالم کو بھی اس کا علم نہیں تھا اس لئے لوگوں نے انہیں سالم مولیٰ بن حذیفہ کہنا شروع کر دیا۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی کہا کرتے تھے:

''میں اپنا کوئی باپ نہیں جانتا پس میں تمہارا دینی بھائی ہوں''۔

بعض اوقات وہ اپنے آپ کو ''مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کہا کرتے تھے اور کبھی ''مولیٰ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غزوہ طائف میں ثقیف کے دیگر غلاموں کے ساتھ آزاد کر دیا تھا۔

Marfat.com

لے پالک بیٹا بنانے کی یہ رسم روم والوں میں بھی رائج تھی اور ان کے بادشاہوں (قیصروں) نے کئی جوانوں کو اپنا متبنیٰ کر کے انہیں اپنا ولی عہد بنا لیا تھا۔

شاید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل روم کی دیگر باتوں کے علاوہ اس رسم کو بھی دیکھا ہوا اور یہ رشتہ اپنے باپ کے ساتھ لگا کر زیاد کو اپنا بھائی بنا لیا ہوا اور عراق اور ملحقہ علاقوں پر اقتدار قائم کرنے میں اس سے معاونت حاصل کر کے اپنا اقتدار مضبوط کر لیا ہو۔

اس بحث سے میں نہیں الجھوں گا کہ کہ رشتے کی اس کارروائی سے اللہ راضی ہے یا ناراض۔ یہ اللہ کا معاملہ ہے میں اس طرح کی ابحاث سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔ میں سیاست اور تاریخ کی حدوں سے آگے بڑھنا بھی نہیں چاہتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ جس کے باپ کو لوگ جانتے ہوں اس کو متبنیٰ نہیں کیا جا سکتا یہی حکم قرآن مجید کا بھی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کے لئے اس میں سخت نقصان بتایا ہے۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ جان چکے ہیں کہ اپنے باپ کے سوا اور کسی کی نسبت کرنے والا جنت سے محروم ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور پیچیدگی یہ بھی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو گول مول نہیں رکھا بلکہ اسے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ زیاد ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے صلب سے ہے۔ یہی وجہ ہی کہ گواہوں سے شہادت دلائی گئی کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو سمیہ کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ بعض گواہوں نے یہ بھی کہا کہ سمیہ کو ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے قائل کیا گیا تھا جس پر اس نے کہا تھا:

> ''جب عبید بکریاں چرا کر واپس آئیں گے اور سو جائیں گے تو میں آؤں گی''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے ساتھ زیاد کو بھی ایک بڑی برائی سے آلودہ کر دیا۔ یونس ابن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے برملا کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے کہ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر جنم لے اور زانی

Marfat.com

کی سزا پتھر ہے جبکہ تم نے بیٹا زانی کو دیا اور سزا بستر والے کو دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دینی حکم کی خلاف ورزی کا اتکاب کیا جس سے مسلمان بخوبی آگاہ تھے۔ اپنے ساتھ زیاد کو بھی شامل کرلیا۔

مسلمانوں نے تو ان کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق عمل پیرا رہیں گے۔ زیاد کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا متبنیٰ کرنے کی یہ کارروائی انہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف کی۔ لہٰذا اگر نیک اور متقی مسلمانوں کی ایک جماعت اس خیال کی ہو جائے کہ ان کی بیعت اس کیلئے ضروری نہیں اور یہ کہ وہ رضامندی سے نہیں بلکہ جبراً اطاعت کریں اور منتظر رہیں اور جب موقع مل جائے ان کے خلاف نکل پڑیں تو اس امر میں تعجب نہیں ہونا چاہیے اور ہم آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ اٹھتا ہوا دھواں کس طرح بھیانک آگ میں بدل گیا تھا۔

زیاد بصرہ کی مسند امارت پر

جب زیاد بصرہ کا گورنر ہو گیا تو اس نے لوگوں کے ساتھ اپنی وہ حکمت عملی جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد سے کاربند تھا یکسر بدل ڈالی اور اس کے برعکس معاملہ اختیار کرلیا۔ اب کے اس نے سیاست کی بنیاد لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور خوف زدہ بنانے پر رکھی۔

مجھے اس بات میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ انداز میں اس تبدیلی کا سبب صرف یہی نہیں تھا کہ زیاد خود اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق کو اپنے مکمل اختیار اور حمایت میں دیکھنا چاہتے تھے بلکہ اس میں ایک نفسیاتی پہلو بھی کارفرما تھا اور برادر معاویہ رضی اللہ عنہ بننے کے بعد اسے لوگوں کے تمسخر کا نشانہ بننا پڑا۔ اس لئے اس نے ڈرانے والی حکمت عملی اختیار کرلی اور جبر وتشدد سے لوگوں کی زبان بندر کھنے کا منصوبہ بنایا۔

اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ مسلمانوں کے جملہ معاملات میں کوئی بھی حضرت امیر

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ بولے۔ زیاد نے اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے خونریزی کی، لوگوں کے حقوق سلب کیے۔ ایسے سخت احکام جاری کیے جن کی پہلے مثال نہیں ملتی۔

زیاد نے اپنے خطبے میں کہا تھا کہ لوگوں نے نئی باتیں ایجاد کرلی ہیں۔ اس نے بھی ہر جرم کیلئے ایک نئی سزا ایجاد کی۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کیلئے مختلف جرائم پر جن سزاؤں کا اعلان کیا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جو دستور اختیار کیا وہ بصرہ والوں کو راہ راست پر لانے کیلئے کافی نہیں تھا۔ ہمیں لوگوں کی بعض نئی باتوں کا علم ہے جن کیلئے زیاد نے نئی سزائیں تجویز کی تھیں۔

جب اس نے دیکھا کہ لوگ مکانوں کو آگ لگا کر اہل خانہ کو ختم کر دیتے ہیں تو اس نے کہا کہ جو کسی کو جلائے گا اس کو بھی جلا دیا جائے گا۔

تاہم شاید وہ خود بصرہ میں جاریہ بن قدامہ کے ساتھ اس گھر کو آگ لگانے میں شریک تھا۔ جس میں عبداللہ بن عامر اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھے۔ اسی طرح زیاد نے دیکھا کہ کچھ لوگ دوسروں کو ڈبو دیتے ہیں تو اس نے کہا کہ جو کسی کو ڈبو کر ہلاک کرے گا اسے بھی غرقِ آب کر دیا جائے گا۔

جب اس نے دیکھا کہ لوگ اپنے دشمنوں کی قبریں اکھاڑتے ہیں تو اس نے یہ سزا مقرر کی کہ جو کوئی کسی کی قبر اکھاڑے گا اسے اسی قبر میں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔

اگر وہ ان سزاؤں میں سختی سے کام لیتا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان معاملات کیلئے مقرر کی ہیں تو وہ اس زیادتی سے بچ سکتا تھا جو اس کیلئے شرمناک ثابت ہوئی۔

زیاد نے کئی ایسے ہنگامی قوانین بھی جاری کیے جن کا اسلام میں نہ ثبوت ملتا ہے اور نہ اس سے ان کا تعلق ثابت ہوتا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنی جان پر ظلم کیا بلکہ دوسروں کی زندگیاں بھی اجیرن کر دیں۔ اس نے رات کے وقت باہر نکلنے والوں کیلئے سزائے موت مقرر کر دی اور اس حوالے سے کسی کا کوئی عذر قبول نہ کیا۔

آپ کا دل چاہے تو آپ اس کا وہ خطبہ پڑھ لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک حاکم نے پہلی بار ایسی سزاؤں کا اعلان کیا جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔

Marfat.com

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوسرے گورنر بھی اس طرز عمل سے نا آشنا تھے۔ جب اس کا کوئی منادی اعلان کرتا تو لوگ جان جاتے تھے کہ یہ اعلان انہیں ڈرانے کیلئے کیا جارہا ہے۔

زیاد اپنے خطبے میں لوگوں پر واضح کر چکا تھا:

''منبر (مقرر) کی غلطی گویا سفیدی پر سیاہ داغ ہے جو لوگوں میں بہت جلد پھیل جاتا ہے۔ اگر تم میں سے کسی نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کر کے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا کہ میرے پاس اس کا جواب ہے''۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ زیاد اعلان کے مطابق عمل پیرا ہے۔ رات کو ضروری کام سے نکلنے والوں کو بھی قتل کرا دیتا ہے۔

اگر پڑوسی جرم کرتا تو اس کے ساتھ پڑوسی کا دوست بھی پکڑ لیا جاتا۔ گنہگار کے ساتھ بیگناہ بھی دھر لیا جاتا اور قتل کرنے میں بڑی بربریت دکھائی جاتی یہاں تک کہ کچھ لوگوں کو یوں کہنا پڑا:

''سعد بن کر جان بچالو سعید تو ہلاک ہو چکا''۔

جب 50 ہجری میں گورنر کوفہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو زیاد کو کوفہ کا بھی والی بنا دیا گیا۔ اس نے کوفہ میں بھی وہی طریقہ اپنایا اور لوگوں کو دہشت کے سائے میں رکھا۔ حیرت انگیز کی بات یہ ہے کہ زیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس کی نرمی میں کمزوری اور سختی میں جبر کا پہلو نہیں ہے حالانکہ جب سے اس نے بنی امیہ سے رشتہ جوڑا تھا اہل عراق نے اس میں نرمی کا نام تک نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ایسے طریقے اختیار کیے تھے جو اسلام سے کسی طور بھی میل نہیں کھاتے تھے۔

زیاد نے اپنی عاقبت ہی خراب نہ کی بلکہ دیگر گورنروں خاص طور پر حجاج کیلئے شرمناک اور بدترین نمونہ قائم کیا۔۔ اس کا وہ مشہور خطبہ جس کا میں بار بار تذکرہ کر رہا ہوں پڑھیئے۔ مورخین نے اس کی مختلف روایات کی ہیں اکثر نے اس کے بے ربط جملے درج

Marfat.com

کر دیئے ہیں۔ تاہم جاحظ نے اس خطبے کو ترتیب سے پیش کیا جس میں افسانوی رنگ اور تصنع نمایاں ہے لیکن اس کے باوجود یہ زیاد کی سیرت کا احاطہ کرتا ہے۔ جاحظ کا انداز بیان بھی دوسرے عراقی راویوں جیسا ہی ہے۔ زیاد نے اس خطبے میں کہا:

''تمہارے احمق اور عقلمند جن بڑے بڑے امور میں مشغول ہیں حقیقت میں وہ سخت جہالت اور نری گمراہی ہے اور ایک ایسی تباہی ہے جو انہیں آگ تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گی اس جہالت اور گمراہی میں چھوٹے بڑے ہو رہے ہیں اور بڑے اپنے آپ کو اس گمراہی سے بچا نہیں پا رہے۔ یوں لگتا ہے کہ تم لوگوں نے اللہ کی کتاب تو پڑھی ہی نہیں اور نہ کسی سے سنا ہے کہ اللہ نے اپنی اطاعت کرنے والوں کو ثواب عظیم کی بشارت اور نافرمانی کرنے والوں کو دائمی عذاب کی وعید کی ہے۔ کیا تم ایسے لوگ ہو جن کی دونوں آنکھیں دنیا نے بند کر دی ہیں۔ جن کے کانوں میں خواہشات نفسانی کی روئی ٹھنسی ہوئی ہے۔ جنہوں نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو اختیار کر لیا ہے۔ تمہیں اس بات کا احساس تک نہیں کہ تم نے اسلام میں ایسی نئی بات پیدا کر دی ہے جو کوئی اس سے پہلے نہ کر سکا۔ تم نے کمزوروں کو تنہا چھوڑ دیا تا کہ ان سے زیادتی ہو۔ ان کا مال لوٹا جائے۔

برائی کے یہ اڈے کیسے ہیں دن دہاڑے کمزور عورتیں لٹ رہی ہیں۔ ایسے واقعات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں رہے جو ان سرکشوں کو رات کے گشت اور دن کی غارت گری سے روک سکیں۔ تم نے دین کو دور کر کے رشتہ داری کو قریب کر لیا ہے۔ تم لوگ بلا وجہ معذرت کرتے پھرتے ہو اور جھپٹنے والے سے چشم پوشی اختیار کرتے ہو۔ تم میں سے ہر آدمی ہر طرح کے انجام سے

Marfat.com

بے پرواہ ہو کر اپنے نادان ساتھیوں کی حفاظت کرتا ہے۔ تم سنجیدہ اور عقلمند لوگ نہیں ہو بلکہ تم آوارہ اور بیوقوف لوگوں کے پیچھے چل رہے ہو۔ تمہاری حمایت اور تعاون کی وجہ سے انہوں نے اسلام کی بے حرمتی کی۔ برائی کے اڈے قائم کر لئے۔ جب تک میں ان تمام اڈوں کو گرا نہیں دوں گا یا جلا کر ملیامیٹ نہیں کر دوں گا مجھ پر کھانا اور پینا حرام ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس معاملے کا آغاز جن باتوں کی وجہ سے درست ہوا تھا انجام بھی انہیں باتوں سے درست ہوگا۔ یعنی ایسی نرمی جس میں کوئی کمزوری نہ ہو اور ایسی سختی جس میں زبردستی نہ ہو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ غلام کے ساتھ آقا کو، مسافر کے ساتھ مقیم کو، جانے والے کے ساتھ آنے والے کو، نافرمان کے ساتھ فرمانبردار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا اور نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ ہر آدمی اپنے بھائی سے مل کر کہے گا ''سعد بن کر جیو سعید تو ہلاک ہو گیا''۔ تم سب لوگ سیدھے ہو جاؤ، منبر (مقرر) کی غلط بیانی جلد شہرت پا جاتی ہے وہ سفیدی پر سیاہ داغ ہے اگر تم نے میرے خلاف کوئی بات کی اور میری نافرمانی کے مرتکب ہوئے تو یاد رکھو میرے پاس اس کے بڑے جواب ہیں۔ جس کے گھر میں نقب لگائی گئی میں اس کے گئے ہوئے مال کا ضامن ہوں۔ خبردار رات کو گشت نہ لگانا اگر اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی میرے پاس لایا گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس کیلئے میں تمہیں اطلاع پہنچانے کا وقت دیتا ہوں اور خبردار جاہلیت کے عہد کی خاندانی تفاخر مت کرنا جس نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نکالی میں اس کی زبان کاٹ لوں گا۔ تم لوگوں نے نئی نئی باتیں پیدا کر لی ہیں تو ہم نے بھی ہر گناہ کی نئی سزا مقرر کی ہے۔ پس اگر کوئی کسی کو ڈبوئے گا تو ہم اس کو غرق کر دیں

Marfat.com

گے اگر کوئی کسی کو جلائے گا ہم اس کو آگ میں جھونک دیں گے۔ جو کسی گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے۔ جو کوئی قبر اکھاڑے گا ہم اس کو اسی قبر میں زندہ گاڑ دیں گے۔ لہٰذا تم لوگ اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں مجھ سے روک لو میں بھی اپنا ہاتھ اور اپنی زبان تم سے روک لوں گا، جس نے بھی عوام میں شورش اور بے چینی کی کوئی بات پیدا کی میں اس کو قتل کر دوں گا۔ میرے اور کئی قبیلوں کے مابین عداوت تھی تاہم میں نے ان سب پر لات ماردی ہے۔ پس تم میں سے جو بھلا ہو اس کو اپنی بھلائی میں اضافہ کرنا چاہئے اور جو برا ہے اس کو اپنی برائی سے باز آجانا چاہئے۔ اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کوئی میری دشمنی کی وجہ سے جریان خون کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے تو میں اس کا اظہار نہ کروں گا اور نہ اس کا راز فاش کروں گا یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی درگزر کا اظہار کر دے اور ایسا کرنے میں اس کا مقابلہ نہیں کروں گا۔ تم لوگ اپنے معاملات کو نئے سرے سے شروع کرو اور اپنی مدد آپ کرو۔ بہت سے مایوس لوگ ہمارے آنے پر خوش اور بہت خوش لوگ ہمارے آنے سے مایوس ہوں گے۔ اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں۔ اللہ نے ہمیں جو اقتدار دیا ہے اس کی بدولت ہم تم پر حکمرانی کرتے ہیں اور جس خراج کا اللہ نے ہمیں حقدار بنایا ہے اس کے بدلے میں ہم تمہاری حمایت اور حفاظت کر رہے ہیں۔ اس صورت حال میں تمہارا فرض ہے کہ ہماری مرضی کے مطابق ہماری اطاعت اور وفاداری کرو اور ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ انصاف کریں۔ لہٰذا تم لوگ خیر خواہی اختیار کر کے ہمارے انصاف اور عنایات کے مستحق بنو اور یاد رکھو مجھ سے اور چاہے جتنی بھی کوتاہی ہو مگر میں تین باتیں ضرور کروں

Marfat.com

گا۔ کوئی ضرورت مند اگر آدھی رات کو بھی آئے گا تو میں اس سے ملاقات کروں گا۔ وظیفہ اور روزینہ مقررہ وقت پر دینے کو یقینی بناؤں گا۔ مقررہ وقت سے زیادہ تم لوگوں کو لڑائی پر نہیں رہنے دوں گا۔ پس تم لوگ اللہ سے اپنے اماموں کیلئے خیر کی دُعائیں مانگو، میں تمہارے حق میں دعا مانگوں گا۔ اسلئے کہ وہ تمہارے حاکم ہیں، تمہیں تمیز وادب سکھاتے ہیں اور تمہارے لئے پناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ بخیریت رہے تو تم بھی بخیریت رہو گے۔ اپنے دلوں میں ان کی طرف سے بغض رکھ کر غصے کی آگ کو تیز نہ ہونے دو۔ اس سے تمہارا غم اور بڑھے گا اور تمہاری ضروریات بھی پوری نہ ہوں گی اور اگر دیگر لوگ ان کے خلاف تمہاری باتوں میں آگئے تو اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری مدد کرے۔ جب تم دیکھو کہ میں نے تمہیں کوئی حکم دیا ہے تو اس کی تعمیل کرو۔ اللہ کی قسم! تم میں میرے بہت سے شکار ہیں پس ہر شخص کو میرا نشانہ بننے سے بچنا چاہیے۔''

یہ خطبہ جو بڑے دلنشیں اور شاعرانہ انداز میں مرتب کیا گیا ہے متضاد کیفیات کا عکاس ہے ایک تو اس میں بڑے نپے تلے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ خوف ودہشت کی فضا قائم کر کے لوگوں کو امید بھی دلائی گئی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آئندہ ایک ایسی سیاست سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑے گا جس سے ان کا واسطہ اس سے قبل نہیں پڑا۔ لوگوں کو کچھ ایسی باتوں سے ڈرایا گیا ہے جن کا اس سے پہلے تصور نہیں تھا۔ یہ سیاست انصاف کی بجائے خوف کی بنیاد پر چلائی جانے والی تھی۔ ظالم اپنے ظلم کا پرچار کر رہا تھا۔ سرکشی کرنے والوں کو تازیانہ دکھا رہا تھا۔

اسلام میں نقب زن کی یہ سزا نہیں کہ اس کے دل میں نقب لگائی جائے۔ قبریں اکھاڑنے والوں کی سزا یہ نہیں کہ انہیں اسی قبر میں زندہ دفن کر دیا جائے۔ اسلام شک اور شبہ

Marfat.com

کی صورت میں سزا نہیں دیتا۔ محض شک کی وجہ سے لوگوں کو قتل نہیں کیا جاتا اور نہ اہل اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ محض گمان وقیاس کی بنا پر لوگوں کو سزا دے۔ ان کی سوچ پر انہیں سنگسار کرے۔ حکومت کو اجازت ہے کہ اگر کوئی عملاً فتنہ وفساد کرتا ہے۔ فساد کے معاملات میں شریک ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے جرم کرتا ہے تو اسے سزا دے لیکن کسی کے دل میں کیا ہے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اسلام کسی حاکم یا خلیفہ کو یہ کہنے کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں پر اسلئے حکومت کررہا ہے کہ اللہ نے خود اس کو طاقت اور خراج کا حقدار بنایا ہے بلکہ اسلام تو اس سے یہ کہلوانا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کی اس طاقت کی بنا پر حاکم بنا ہوا ہے جو لوگوں نے اپنی رضامندی سے اس کو دی ہے اس میں زبردستی اور جبر کو کچھ دخل نہیں ہے۔ اسلام حاکم سے یہ بھی کہلوانا چاہتا ہے کہ خراج اور غنیمت کی رقم قوم کی ملکیت وامانت ہے خلفاء اور اس کے گورنر تو امین ہیں جو اس کی حفاظت کریں مستحق کو دیں اور حق کی راہ میں خرچ کریں۔ اسلام کسی حاکم کو قسماً یہ کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں میں اس کے بہت سے شکار ہیں۔ جب تک لوگ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں جس سے ان کے قانون وانصاف کا شکار ہونے کی نوبت آئے اسلام اس قسم کی فرسودہ باتوں کا قائل نہیں ہے۔

سامعین پر اس خطبے کے جو اثرات مرتب ہوئے ذرا وہ بھی ملاحظہ کریں عبداللہ نے کہا:

''اے امیر! بے شک اللہ نے آپ کو حسن بیان کی نعمت عظمیٰ سے خوب نوازا ہے''۔

ان حضرات پر اس خطاب کی فصاحت وبلاغت کا جادو چل گیا اور یہ سمجھنے کی زحمت گوارا نہ کہ ان الفاظ کو کس پیمانے میں انڈیلا گیا اور لوگوں کیلئے سیاست کا کونسا نیا رنگ پیش کیا ہے گویا عبداللہ نے زیاد کی خوشامد کرنا چاہی اور اچھی بری سب باتوں پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ دونوں مختلف باتیں جمع کردیں۔

زیاد نے اس کی اس تعریف پر کہا:

Marfat.com

''نہیں تم جھوٹ کہتے ہو حسن بیان اور دلکشی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو عطا کی تھی''۔

احنف بن قیس نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا اور کوئی ایسا اقدام نہ کیا جو حاکم کی ناگواری کا باعث بنتا۔ انہوں نے نہ تو حاکم کی بات دہرائی، نہ بے تکلفی کا مظاہرہ کیا اور نہ کوئی فضول بات کی۔

اس خطبہ کے بعد احنف نے زیاد سے کہا:

''تعریف آزمائش کے بعد ہوتی ہے اور شکریہ نوازش کے بعد پس ہماری تعریف اسی وقت ہوگی جب آزمائے جائیں گے''۔

یہ ایک صلح پسند اور معقول بات تھی جسے سن کر زیاد نے کہا:

''ہاں! تم سچ کہتے ہو''۔

ابو بلال مرداس دین دار بزرگ تھے جو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے بعد میں انہوں نے دین کی راہ میں جان دے دی وہ بصرہ میں خارجیوں کے قائد تھے۔

انہوں نے زیاد کا خطبہ سن کر کہا:

''ہمیں تو اللہ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے اس کا ارشاد ہے:

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ☆ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ☆ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى .

ترجمہ: ''اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے (حق اطاعت اور حق رسالت دونوں کو) پورا کیا ﴿37﴾ وہ یہ کہ کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا ﴿38﴾ اور یہ کہ انسان کو اُتنا ہی ملتا ہے جتنی کہ وہ کوشش کرتا ہے۔''

(سورۃ النجم آیت 37 تا 39)

اور آپ تو اس خیال کے ہیں کہ تندرست کو بیمار کے ساتھ، فرمانبردار کو گنہگار کے ساتھ، آگے بڑھنے والے کو پیچھے بھاگنے والے کے ساتھ گرفت کریں گے۔''

Marfat.com

زیاد نے کہا:

"تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے بارے میں ہمارا مقصد اسی وقت پورا ہوگا جب ہم باطل پر عمل پیرا ہوں گے"۔

تاہم ابو بلال اور اس کے ساتھیوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں اور حق پرست مسلمانوں پر زیاد کا زیادہ بس نہ چل سکا۔ تاہم وہ باطل پر عمل کرتے ہوئے ناجائز طریقہ سے لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتا رہا۔

حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل

بصرہ میں زیاد نے ظلم وستم کی جو داستانیں رقم کیں اور اس کے نائب سمرہ بن جندب نے بصرہ کا امیر ہونے کے بعد جو خونریزی کی میں اس کی تفصیلات میں جانا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ ادب و تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔ پھر اس تفصیل کا تذکرہ غیر مفید ہے۔ تاہم ایک سانحہ پر تھوڑی سی بات ضرور کرنا چاہوں گا جس میں زیاد نے اسلام اور اہل اسلام کو ایک بھاری مصیبت میں مبتلا رکھا۔ اس سانحہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہاتھ ہے جس کا اثر لوگوں پر نہایت برا پڑا۔

اس زمانے میں جو بھی نیک اور پرہیزگار لوگ تھے انہیں اس سے سخت صدمہ پہنچا۔ یہ سانحہ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا ہے۔ مورخین و محدثین نے اپنی کتب میں اس المناک واقعہ کو بڑی صراحت سے بیان کیا ہے۔ جس میں سے کچھ تو شائع ہو چکا ہے اور کچھ اب تک شائع نہ ہوسکا۔ میں اس واقعہ کے اہم حصے کو مختصراً پیش کروں گا کہ یہ اس کی تفصیل زیادہ وقیع ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت تک اس فتنہ عظیم میں بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاکم ہو جانے کے بعد بھی اسی فتنہ اور باہمی اختلافات کے باعث کئی لوگوں کی جانیں گئیں۔ تاہم

Marfat.com

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا دردناک سانحہ حکومت کا ایک نیا رُخ پیش کرتا ہے۔ جب خلافت بادشاہت بن گئی تو امراء اور عمال نے بھی اپنا انداز سیاست بدل دیا۔ دین کے کاموں اور مسلمانوں کی ترقی سے زیادہ اہم بات ان کیلئے حکومت واقتدار کی بنیاد مضبوط کرنا اور اس نظام کا استحکام تھا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ محض شبہ کی بنا پر سزا دینے سے گریز کرتے تھے اور اپنے افسروں کو بھی سختی سے کہتے تھے کہ وہ لوگوں کو مالی یا جسمانی نقصان نہ پہنچائیں خونریزی اور قتل تو دُور کی بات ہے۔ ہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (اللہ کی ان پر رحمت ہو) کو دیکھا ہے کہ جب بعض لوگوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا تھا تو وہ تردد آمیز مشکوک گواہی پر خود زیاد کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ صرف اس خدشے سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحبت یافتہ کہیں اپنے فیصلے کی وجہ سے رسوا نہ ہو جائے۔ اسی طرح ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ہرمزان کے قتل کے معاملے میں دیکھا کہ حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو معاف کرنے کیلئے بڑی سوچ بچار سے کام لیا جس پر اکثر لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور زیاد کے زمانے میں لوگ صرف شبہ کی بنا پر ماخوذ ہو کر قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ پہلے نظام لوگوں کیلئے ہوتا تھا اور اب نظام ارباب اقتدار کی نظروں میں انسان سے بالاتر ہو چکا تھا۔ حالانکہ کسی انسان کا ناحق خون بہانا گناہ کبیرہ ہے۔

حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخلص تھے۔ وہ جمل، صفین اور نہروان کی جنگوں میں بھی شریک رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح سے خوش نہیں تھے اور اس پر معترض بھی ہوئے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے بعد وہ اس پر سختی سے کاربند تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دل سے حُب علی رضی اللہ عنہ کو بھی نکال دیتے یا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی روش پہ آنکھیں بند کیے رہتے۔ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ انہوں

Marfat.com

نے اپنے بھائی ہانی بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ جنگ شام میں اس ہراول دستے میں تھے جو مرج عذرا میں داخل ہوا تھا۔ انہوں نے عراق اور فارس کی معرکہ آرائیوں میں بھی شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں بھی شامل تھے۔ آپ حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔ گورنر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے نظریاتی مخالف تھے لیکن بیعت پر قائم رہے۔ آپ بھی لوگوں کی طرح مناسب وقت کے منتظر تھے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو اس کے بعد اہل کوفہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر کے شدید مخالف ہو گئے۔ ایک روز مغیرہ رضی اللہ عنہ نے خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر سب وشتم کیا تو حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آڑے ہاتھوں لیا اور کہا:

"آپ نے لوگوں کا جو وظیفہ روکا ہوا ہے اگر انہیں دیدیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ لوگوں کو برا بھلا کہیں اور بزرگ شخصیات کی شان میں ایسے کلمات کہیں"۔

ان کی اس بات پر ان کے دوسرے ساتھی بھی تڑپ کر سامنے آ گئے اور انہوں نے بھی وہی باتیں کیں۔ اس پر گورنر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ منبر سے اترے اور خاموشی سے گھر چلے گئے۔ خطبہ ادھورا ہی رہ گیا۔ لوگوں نے ان کی نرمی کو بزدلی پر محمول کیا مگر انہوں نے کہا کہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کا کام تمام ہو گیا کیونکہ وہ یہی طرز بعد والے گورنروں سے بھی رکھیں گے اور یہ ان کے قتل کا سبب بن جائے گا۔ پھر یہ بھی کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دنیا سنوارنے کیلئے وہ اپنی عاقبت نہیں بگاڑ سکتے۔

جب زیاد کوفہ کا گورنر بن کر آیا تو وہ چونکہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اس لئے اس نے حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"امن پسند ہو جاؤ، فتنے سے دور رہو اور مجھ سے بچ کر رہو"

تاہم حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور زیاد میں زیادہ دیر نباہ نہ ہو سکا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ ایک عرب کے ہاتھوں ایک ذمی قتل ہو گیا۔ زیاد نے قصاص لینا مناسب خیال نہ کیا اور خون

Marfat.com

بہا دینے کا فیصلہ کیا مگر ورثا نے خون بہا لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا:

''ہم نے تو سنا تھا کہ اسلام بڑا مساوات پسند ہے جس میں عرب اور غیر عرب میں امتیاز نہیں برتا جاتا''۔

حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا اور دوسرے ساتھیوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ زیاد نے جب حالات کا یہ رُخ دیکھا تو فوراً قصاص کا اعلان کر دیا اور ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں شکایت بھی لکھ بھیجی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مناسب موقع کا انتظار کرو اور پھر موقع ملتے ہی سب کا خاتمہ کر دو''۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب زیاد بصرہ واپس گیا تو حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے خوشی محسوس کی اور اس کے نائب عمر بن حریث کے خلاف محاذ بنا لیا اور جب وہ خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر سب وشتم کرتا تو اسے آڑے ہاتھوں لیتے جب اس نے دیکھا کہ معاملات گھمبیر رُخ اختیار کرتے جا رہے ہیں تو اس نے زیاد کو آگاہ کر دیا۔ زیاد نے یہ سنا تو اس نے کہا کہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کی شب حیات صبح کاذب میں ڈھل چکی ہے۔ وہ بڑی سرعت سے کوفہ آیا اور آتے ہی لوگوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔

تاہم اس نے حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں سے فوری طور پر کوئی تعرض نہ کیا۔ ایک دن جب اس نے خطبے میں غیر معمولی دیر لگائی تو لوگ اکتا گئے۔ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ نے چلّا کر کہا: ''الصلوٰۃ'' تاہم زیاد نے خطبہ جاری رکھا۔ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ پھر چلّائے اور ان کے ساتھی بھی بول اٹھے۔ ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ''۔ زیاد چاہتا تھا کہ خطبہ طویل کر دے تاہم حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور زور سے کہا: ''الصلوٰۃ''۔

اس پر ان کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے اور حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں آواز بلند کرنے لگے۔ زیاد خطبہ ادھورا ہی چھوڑ کر منبر سے اترا اور نماز پڑھائی جس کے بعد لوگ چلے گئے۔

Marfat.com

اس کے بعد زیاد نے کوفہ کے نمایاں لوگوں کو کہا کہ وہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے پاس جمع ہونے والے لوگوں کو کسی کارروائی سے باز رکھیں اور جس راستے پر وہ چل رہے ہیں اس سے روکیں۔ تاہم کوفہ والے حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو باز نہ رکھ سکے اور زیاد کو ان کے بارے میں بتا دیا۔ کچھ نے مشورہ دیا کہ وہ اسے ابھی زیر غور رکھے تاہم زیاد نے ان کی یہ بات نہ مانی اور آدمی بھیج کر حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو طلب کیا مگر حجر نے آنے سے انکار کر دیا۔

اس پر زیاد نے پولیس کو حکم دیا کہ انہیں حاضر کرے۔ پولیس اور حجر کے ساتھیوں میں جھڑپ ہوئی اور حجر روپوش ہو گئے جس کے بعد زیاد کا کچھ بس نہ چل سکا اور اس نے محمد بن قیس بن اشعث کو پکڑا جو بنی کندہ کا سردار تھا اور اسے جیل بھجوا کر دھمکایا کہ اگر حجر کو حاضر نہیں کیا گیا تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کر دیا جائے گا۔

محمد بن قیس نے حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو امان دی اور انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلے کیلئے بھیج دینے کی شرط پر ان کو حاضر کر دیا۔ زیاد نے انہیں جیل بھیج دیا اور باقی ساتھیوں کا کھوج لگا کر تیرہ آدمیوں کو زندان میں ڈال دیا۔

زیاد نے اہل کوفہ سے مطالبہ کیا کہ وہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف شہادت دیں۔ اس پر ایک جماعت نے کہا:

''یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں''۔

زیاد اس بیان پر مطمئن نہیں ہوا اور کہا:

''نہیں یہ بیان ناکافی ہے''۔

تب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوبرزہ نے یہ بیان قلم بند کیا:

''حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی باغی ہو چکے ہیں اور حکومت کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس یہ لوگ کھلے کافر ہیں''۔

زیاد مطمئن ہو گیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس بیان پر دستخط کریں چنانچہ بہت سے لوگوں نے دستخط کر دیئے۔ بقول مورخین دستخط کرنے والوں کی تعداد ستر کے قریب تھی جس

Marfat.com

میں مہاجرین کے تین لڑکے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور عمر بن زبیر کے لڑکے منذر بھی تھے۔

زیاد نے اس بیان پر کچھ ایسے لوگوں کے نام بھی لکھوا دیئے جنہوں نے نہ تو دستخط کئے تھے اور نہ اس کارروائی میں حاضر تھے۔ بعض نے تو لوگوں کے سامنے لاتعلقی کا اظہار کیا اور بعض نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ کر اس بیان سے اپنی برأت کا اعلان کر دیا۔

قاضی شریح نے لکھا:

''حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ نیک مسلمان ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ فریضۂ حج بھی ادا کر چکے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں۔ ان کا خون حرام ہے''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ پڑھا تو کہا:

''ان حضرت نے تو اس بیان سے اپنے آپ کو بالکل الگ کر لیا''۔

حجر اور ان کے ساتھیوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان کو دمشق کی بجائے مرج عذرا میں قید رکھا جائے۔ مورخین کا بیان ہے کہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو جب اس جگہ کا نام معلوم ہوا تو انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم میں پہلا مسلمان ہوں جس پر اس گاؤں کے کتے بھونکے تھے اور میں ہی پہلا مسلمان ہوں جس کے نعرہ تکبیر سے مرج عذرا کی وادیاں گونجی تھیں''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کا خط اور دستخط کرنیوالوں کا بیان پڑھا اور حکم دیا کہ یہ لوگوں کو سنایا جائے۔ اس کے بعد شامی اور قریشی افراد سے مشورہ لیا۔ کچھ نے قید میں رکھنے کا مشورہ دیا اور کچھ نے کہا:

''انہیں شام کے دیہات میں بھیج دیا جائے''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ دن فیصلہ نہ کر پائے اور زیاد کو لکھا:

''ان لوگوں کے معاملہ میں کچھ دن توقف کرو''۔

Marfat.com

اس پر زیاد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے توقف پر حیران ہوتے ہوئے لکھا:

''اگر آپ کو عراق کی ضرورت ہے تو ان کو میرے پاس واپس نہ بھیجنا''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کو دو باتیں پیش کیں۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برأت اور ان پر سب وشتم

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت

جس نے یہ باتیں مانیں اسے چھوڑ دیا اور جس نے ان سے انکار کیا اس کی گردن اڑا دی گئی۔

شام کے بعض بارسوخ حضرات نے ان قیدیوں میں سے بعض کی سفارش کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش منظور کر لی۔ اب ان میں سے صرف آٹھ آدمی بچے جنہیں وہی شرائط پیش کی گئیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

ان کے قتل کا قصہ خاصا لمبا ہے ان میں سے دو نے جب موت سامنے دیکھی تو انہوں نے درخواست کی کہ ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جائے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے ہم خیال ہیں۔ ان کی درخواست منظور کر لی گئی اور باقی چھ آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ دلیری و جرأت کے ساتھ قتل ہونے والے یہ پہلے مسلمان ہیں۔

ان دونوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا۔ ایک نے اپنی زبان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیزاری کا اظہار کیا اور کسی شامی نے اس کی سفارش بھی کر دی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک ماہ جیل میں رکھ کر اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا کہ وہ شام کے کسی بھی حصے میں بھی قیام کرے مگر عراق نہ جائے چنانچہ اس نے موصل میں قیام کیا اور وہیں اسے موت آئی۔

لیکن دوسرے نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برأت کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناگوار باتیں کیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے زیاد کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اسے بری طرح قتل کیا جائے لہٰذا زیاد نے اسے زندہ درگور کر دیا۔

یہ شرمناک واقعہ اپنے انجام کو پہنچا جس میں مسلمانوں کے ایک گورنر نے لوگوں کو ایسی بات پر سزا دی جو کوئی جرم نہ تھا۔ اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اس جھوٹے بیان پر دستخط کریں۔ قاضی کے جعلی دستخط کر دیئے گئے اور جب حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو ان کی گردن مارنے کے لئے لایا گیا تو انہوں نے کہا:

"ہمارے اور امت کے درمیان اللہ ہے۔ اہل عراق نے ہمارے خلاف جھوٹی گواہی دی اور اہل شام نے ناحق ہماری گردن ماری"۔

ایک مسلمان حاکم نے اس گناہ کو مباح اور اس بدعت کو حلال سمجھا اور اس بات کو جائز رکھا کہ ان لوگوں کو موت کی سزا دے جن کے خون کی اللہ نے حفاظت چاہی تھی۔ پھر موت کا یہ حکم بھی امام نے ملزموں کو بلا دیکھے سنے اور دفاع وصفائی کا حق دیئے بنا جاری کیا۔ حالانکہ انہوں نے بار بار کہا تھا کہ وہ بیعت پر قائم ہیں انہوں نے امام کی بیعت نہ توڑی ہے اور نہ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس دردناک واقعہ نے دور دور تک مسلمانوں کے دل دہلا دیئے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو شام بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ ان کے بارے میں ان سے گفتگو کریں لیکن عبدالرحمٰن کے پہنچنے سے قبل ہی وہ لوگ قتل کیے جا چکے تھے۔

عبدالرحمٰن نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"ابوسفیان کی بردباری اور برداشت تم نے کب سے چھوڑ دی؟"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"جب سے تم جیسے حلیم الطبع مجھ سے دور ہو گئے۔ اس کارروائی پر مجھے زیاد نے آمادہ کیا اور میں کر گزرا"۔

Marfat.com

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے عمامہ سر سے اتار کر لوگوں سے اپنا رخ پھیرا اور رونے لگے۔

معاویہ بن خدیج کو جب افریقہ میں اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم بنی کندہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تو قریش کیلئے لڑ رہے ہیں اور اپنی جانیں دے کر ان کی حکومت مضبوط کر رہے ہیں اور وہ ہمارے چچازاد بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں''۔

خراسان میں بھی اس حادثے کی بازگشت اس کے حاکم ربیع ابن زیاد تک پہنچی۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کا ارادہ ہو چکا تھا کہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کے معاملے کیلئے میدان میں نکل آئیں تاہم اس بات سے ڈریں کہ کہیں جمل کا معرکہ پھر سے تازہ نہ ہو جائے اور نادان کہیں اصلاح کے مقصد کے خلاف کچھ اور اقدام نہ کریں۔اس لئے آپ باز رہیں۔

مختلف شعراء نے اس حادثہ سے متاثر ہو کر اشعار لکھے جو ہم سیرت اور تاریخ کی کتب میں شامل ہیں۔حیرت کی بات یہ ہے کہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا صدمہ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ہوا۔شروع میں وہ ان کے قتل کے بارے میں متفکر تھے۔تاہم جب حکم دے چکے تو خیال کرنے لگے کہ یہ ان کی آزمائش تھی جس میں وہ ثابت قدم رہے۔لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی ندامت بڑھتی گئی۔

بلاذری کا بیان ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو لکھا:

''حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل سے میرے سینے میں بے چینی اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔تم کوفہ سے کسی عالم اور دیندار کو بھیجو''۔

زیاد نے عبدالرحمٰن ابن ابو لیلیٰ کو بھیجا اور کہا:

''حجر کے قتل بارے میں ان کی رائے کی مذمت کرنا ورنہ قتل کر دیئے

Marfat.com

جاؤ گے''۔

ابن لیلیٰ کہتے ہیں:

''جب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مرحبا کہا اور پھر کہا کہ سفر کا لباس اتار کر شہر کا لباس پہن لو۔ چنانچہ میں لباس تبدیل کر کے حاضر ہوا''۔

انہوں نے کہا:

''بخدا میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرتا اور انہیں ان کے ساتھیوں سمیت پابند رکھتے ہوئے شام کے علاقوں میں ادھر ادھر بھیج دیتا۔ میرے لئے یہی کافی تھا کہ وہ میری اطاعت میں رہتے۔ میں انہیں قبیلوں کے حوالے کر دیتا''۔

میں نے کہا:

''اللہ کی قسم میرے دل میں بھی یہی بات ہے کہ کاش آپ ان میں سے کوئی بات اختیار کر لیتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے انعام سے نوازا اور میں واپس آ گیا۔ اس وقت میرے لئے زیاد کی ملاقات سے زیادہ کوئی اور بات بری نہ تھی میں نے طے کر لیا تھا کہ میں روپوش ہو جاؤں گا۔ پھر جب میں کوفہ آیا اور مسجد میں نماز پڑھی تو امام کی واپسی پر ایک شخص کو سنا جو زیاد کی موت کا ذکر کر رہا تھا۔ میرے لئے اس وقت اس کی موت سے زیادہ خوشگوار کوئی اور بات نہ تھی''۔

راوی تو یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کی موت کی گونج حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گھر کے اندر تک پہنچ چکی تھی۔ بلاذری کا بیان ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز پڑھی تو کافی دیر لگائی۔ ان کی اہلیہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ جب نماز پوری کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اٹھے تو اس نے کہا:

Marfat.com

"امیر المومنین اگر آپ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرتے تو آپ کی نماز کتنی اچھی ہوتی"۔

لہٰذا حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کا قتل ایک بڑا سانحہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی نے اس بات پر شک نہیں کیا کہ یہ حادثہ اسلام کی دیوار میں ایک بڑا شگاف تھا۔ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا اعتراف تھا چنانچہ وہ اپنے آخری دنوں تک حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ کو بھول نہیں سکے اور مرض الموت میں اسے بہت زیادہ یاد کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرض الموت میں کہا کرتے تھے:

"حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ تمہارے ہاتھوں میرا برا ہوا۔ بے شک ابن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا حساب کتاب بہت لمبا ہے"۔

یزید کی جانشینی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی طرز حکومت میں ایک نئی بات پیدا کر دی اور خلافت کو وراثت بنا دیا جو انتہائی ناپسندیدہ بات تھی۔ حالانکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا اور کبھی دل میں یہ خیال نہیں کیا کہ اپنے کسی بیٹے کو مقرر کر دیں۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سختی سے ڈانٹ دیا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی کسی کو نامزد کرنے کا خیال نہیں آیا تھا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مصروفیات نے ان کو اس طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا جانشین مقرر کرنے سے انکار فرمایا اور جب آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس حالت میں تمہیں چھوڑا تھا میں بھی اسی حالت میں چھوڑتا ہوں"۔

جب لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے دوبارہ پوچھا:

Marfat.com

''کیا ہم لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیں؟''

آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''نہ میں تمہیں اس بات کا حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے منع ہی کرتا ہوں''۔

حکومت میں خاندانی وراثت کا طریقہ کار قیصر و کسریٰ یعنی روم و فارس کے بادشاہوں کا اختیار کیا ہوا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ اگر یہیں تک ہوتا تو لوگ کہتے کہ انہوں نے شاید اجتہاد سے کام لیا جس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن زیادتی کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے نام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور دوسری طرف یہ بھی کہا کہ اس جنگ کا مقصد مسئلہ خلافت مسلمانوں کی شوریٰ کے حوالے کرنا ہے۔

تاہم جب اقتدار پر قبضہ ہوگیا تو بالکل بھول گئے کہ یہ لڑائی کیوں کی تھی؟ اور اپنی بات سے پھر گئے اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کا ارادہ کیا تو انہیں پیشکش کی کہ میرے بعد ولی عہد آپ ہوں انہوں نے اس سے انکار کردیا اور اپنی شرائط میں یہ بات بھی رکھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ میں پیش ہو اور وہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیگر شرائط کے ساتھ اسے بھی منظور کرلیا۔

اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی راہ ہموار کرنے کیلئے خلافت کیلئے شوریٰ کے قائل تھے اور صلح کے دوران میں بھی جب وہ اپنے معاملات طے کر رہے تھے شوریٰ کو تسلیم کرتے تھے تاہم اس کے بعد انہوں نے اپنا خیال اور ارادہ بدل ڈالا اور یہ سب باتیں طاق نسیاں کردیں۔

کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان کے دل میں یزید کی ولی عہدی کا خیال پیدا کیا جسے انہوں نے پسند کیا اور زیاد سے مزید مشورہ کیا۔ زیاد نے یزید کے چال وچلن اور طور طریقوں کو ٹھیک کرنے کا مشورہ دیا۔ یزید لہو ولعب کا دلدادہ، سیر وشکار کا شوقین، عیاش،

Marfat.com

نماز سے غافل نوجوان تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی اور رومی معرکوں میں بھیجا اور اسے امیر الحج بھی مقرر کیا۔ یہ سب اسے ولی عہد بنانے کی پیش بندی تھی اور جب دیکھا کہ یزید کی روش کچھ ٹھیک ہوگئی ہے تو اس کے ولی عہد ہونے کا اعلان کیا اور مختلف شہروں میں اس امر کیلئے خطوط لکھے۔ ہر طرف سے حوصلہ افزا جوابات آئے اور کسی نے اختلاف کی جرأت نہ کی۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صوبوں سے وفود طلب کئے جنہوں نے آ کر یزید کی بیعت کا اعلان کر دیا۔ قریش کے صرف چار اشخاص بیعت سے رکے رہے۔

۱۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرہ کی غرض سے حجاز آئے اور ان چاروں سے ملے تاہم ان پر ان کے وعدوں اور وعید کا اثر نہ ہوا ان میں سے دو نے تو صاف صاف کہہ دیا اور باقی دو نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دھمکاتے ہوئے بتا دیا اور کہا کہ اگر ان کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو بہتر نہیں ہوگا۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ خطبہ سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان چاروں پر پولیس مسلط کر دی اور کہا:

"جو کچھ میں کہوں اگر ان میں سے کوئی بھی اس کی تردید کرنے کی کوشش کرے تو اس کا سر قلم کر دینا"۔

اس کے بعد تقریر شروع کی اور یزید کی ولی عہدی اور بیعت کا ذکر کیا اور کہا:

"میں نے لوگوں کیلئے جو یزید کی ولی عہدی پسند کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے اور قریش کے یہ چاروں نوجوان سردار اس سے متفق ہیں"۔

Marfat.com

لوگوں نے جب یہ بات سنی تو بلا تامل بیعت کر لی اور یہ چاروں اٹھ کر واپس چلے آئے اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ انہوں نے نہ بیعت کی ہے اور نہ بیعت کیلئے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔

یہ روایت صحیح ہے یا غلط لیکن اتنی بات بہر حال یقینی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب انہیں بیعت پر قائل نہ کر سکے تو ڈرا دھمکا کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے کوئی مشورہ نہیں لیا البتہ اپنے مقربین سے مشورہ لیا اور سب نے ان کی بھرپور تائید کی اور اس اقدام کو سراہا۔ لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اس اقدام پر تنقید نہ کر سکا۔

یوں اسلام میں ملوکیت داخل کر دی گئی جس کی بنیاد ہی دباؤ، دھمکی اور خوف و دہشت پر تھی حکومت وراثت بن کر باپ سے بیٹوں کو ملنے لگی۔ رعایا بادشاہ کی ملکیت بن گئی جس کو وہ اپنے جس بیٹے کو چاہتا جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ہر طرح منتقل کر سکتا تھا۔ یہ سب کچھ 56ھ میں عمل میں آ گیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو پورے پچاس سال بھی نہیں گزرے تھے۔

اس وراثت ملوکیت کو حاصل کرنے کیلئے بعض گورنروں نے بعض شہزادوں کیلئے انہی کے بھائیوں سے کیسی کیسی مکاریاں کیں اور مکر و فریب کے کیسے کیسے جال بچھائے۔

قرآن وحدیث سے اس وراثت کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نیک مسلمانوں کے معمولات میں اس کا علم نہیں ہوتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حکمرانی پر صحیح تبصرہ تو فتنے سے دور رہنے والے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

بلاذری بیان کرتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا:

''بادشاہ سلامت السلام علیکم!''

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہنسے اور کہا:

Marfat.com

''بادشاہ کی جگہ امیر المومنین کہہ دیتے تو کیا حرج تھا؟''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ تو مسرت کے عالم میں خوش ہو کر ایسا کہہ رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! امیر المومنین بننے کے بعد جو جذبات آپ کے ہیں انہی کی وجہ سے میں نے خلیفہ ہونا کبھی پسند نہیں کیا''۔

زیاد اور خوارج

خارجی جس سرگرمی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اپنا کام کر رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اس میں کوئی کمزوری نہ ہوئی اور وہ بدستور اپنے طریق پر چلتے رہے۔ نہ خود آرام سے رہے نہ دوسروں کو رہنے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب وہ کوفہ سے نکل کر جنگ کی تیاری کرتے تو بصرہ کے حاکموں کے مقابل کھڑے ہو جاتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور حکومت تک خارجی متواتر اپنی کارروائیوں میں مشغول رہے۔ ان کی سرگرمیاں پہلے کی طرح محدود پیمانے کی رہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح یہی کہتے تھے کہ وہ لوگ اگر سکون سے رہیں تو انہیں پریشان نہ کیا جائے۔ تاہم جب عراق کی لگام زیاد کے ہاتھ میں آئی تو اس نے خارجیوں کے خلاف شدت سے کام لیا اور ان کے خروج کا انتظار کیے بغیر ہی ان کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔ جنہیں پایا شک کی بنیاد پر گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر خارجیوں نے روپوش ہونا شروع کر دیا اور جاسوسوں سے دور رہنے لگے لیکن ان کے مقابلے میں زیاد کی جاسوسی کا نظام زیادہ موثر تھا جس سے لوگوں پر رعب طاری ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں اکثر خارجی لڑائی چھوڑ کر باہمی جھگڑوں میں پڑ گئے۔ تاہم ان کے نظریات بڑی تیزی سے پھیلنے لگے اور مستورات بھی متاثر ہو کر بعض

Marfat.com

مواقع پر کوفہ والوں کے ساتھ خروج میں شامل ہوئیں۔ بصرہ میں تو بعض عورتیں اس جرم میں قتل بھی کی گئیں اور بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔

خارجیوں کا انجام سب کو معلوم ہو چکا تھا اور وہ جانتے تھے کہ کوفہ یا بصرہ سے جب بھی خارجیوں نے خروج کیا۔ حاکم شہر نے ان کے مقابلے میں بڑی فوج بھیجی جس نے اکثر کا خاتمہ کر دیا۔

اس کا مطلب یہ نکلا کہ خارجیوں کا نکلنا جان قربان کرنے کے مترادف تھا وہ جانتے تھے کہ انجام کیا ہوگا لیکن پھر بھی بڑے شوق اور کامل اطمینان کے ساتھ نکلتے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں اللہ کو جنت کے عوض فروخت کر دی تھیں۔ لہٰذا ان کی جماعت لازوال قربانیوں کی جماعت تھی۔ اپنے مقتولین کو وہ شہید جانتے تھے جبکہ دوسری جانب ان کے حریف شیعہ اور اہل جماعت ان کو مذہب ہی سے خارج گردانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے متعلق ایک مشہور حدیث کا حکم سنایا تھا۔ تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ظالم گورنروں نے بعض خارجیوں کو واقعتاً شہید بنا دیا اور صرف خارجیوں کے نکتۂ نظر سے نہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی یہی سمجھتے تھے۔

ابو بلال مرداس

ان خوارج کو شبے کی بنا پر گرفتار کر کے گمان کی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔ لڑائی میں ایسی دغابازی اختیار کی جس کی اسلام نے بڑی شدت سے مخالفت کی ہے۔ مثال کے طور پر ابو بلال مرداس کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ساتھیوں سمیت قتل سبھی کیلئے بڑا دردناک واقعہ ہے۔ چنانچہ مبرد کہتا ہے کہ ابو بلال کو کئی فرقے اپناتے ہیں اور معتزلہ تو ان کو اپنے معتقدین میں گنتے ہیں۔ شیعہ ان کو اپنا آدمی خیال کرتے ہیں اور میرا یقین یہ ہے کہ ابو بلال اپنے ہم عصر بزرگوں کی نظروں میں بڑے متقی اور محترم مسلمان تھے۔ دنیا سے الگ ایک عابد و زاہد بزرگ تھے۔ سب کی بھلائی چاہتے تھے۔ بڑے ملنسار، عبادت گزار اور مخلص تھے۔

Marfat.com

معرکہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ثالثی سے ناخوش ہو کر نہروان جانے والوں کے ساتھ مل گئے اور اس کے بعد اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو گئے اور بصرہ میں رہنے لگے۔ خارجی نظریات رکھنے کے باوجود ان کی بعض کارروائیوں پر کڑی تنقید بھی کرتے تھے اور زمین پر فساد پھیلانے کے سخت مخالف تھے۔ بے گناہ لوگوں کے قتل کو مذموم اور معیوب جانتے تھے۔

جب زیاد بصرہ کا والی بنا اور وہ خطبہ دیا جو تبرا کے نام سے مشہور ہے تو ابو بلال ہی وہ مرد تھے جنہوں نے اس کے یہ کہنے پر:

''میں گنہگار کے ساتھ نیکو کار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا''۔

شدید اعتراض کیا اور اس کو اللہ کا قول یاد دلایا اور اس کے بعد شہر میں قیام کے دوران لوگوں کو اچھی باتوں کی طرف راغب کرتے اور بری باتوں سے روکتے رہے۔ بھلائی پھیلاتے رہے یہاں تک کہ زیاد مر گیا اور اس کا لڑکا عبیداللہ بن زیاد بصرہ کا گورنر مقرر ہوا جس نے خارجیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے بڑی سختی سے کام لیا اور جن کو پایا ان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کاٹ ڈالے۔

ابو بلال تقویٰ وطہارت اور سیرت و کردار کی بنا پر لوگوں میں بڑے ہردلعزیز تھے ایک مرتبہ خارجیوں کے ساتھ ان کو بھی جیل بھیج دیا گیا جہاں ان کی عبادت و تلاوت کی وجہ سے داروغہ جیل ان کا گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ رات کو وہ انہیں آزاد کر دیتا اور آپ گھر والوں سے مل کر صبح واپس جیل آجاتے۔ ایک روز آپ کو معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد جیل کے تمام خارجی قیدیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ اس وقت آپ جیل سے باہر تھے اس خبر پر رات کو واپس جیل پہنچ گئے۔ قتل ہونا اس سے بہتر سمجھا کہ داروغہ کو خیانت کے الزام میں حکومتی عتاب کا سامنا کرنا پڑے۔ ابن زیاد نے ان قیدیوں کو باہر نکال کر کچھ کو قتل کرا دیا اور کچھ کو سفارش کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

ان آزاد ہونے والوں میں ابو بلال بھی تھے۔ جیل سے نکلنے کے بعد

Marfat.com

دوبارہ اسی روش پر قائم ہو گئے۔ حاکم کے مظالم سے آپ کا غصہ اپنی حد کو پہنچ چکا تھا۔ پھر ایک دن جب دیکھا کہ ابن زیاد نے ایک خارجی عورت کو پکڑ کر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بازار میں چھوڑ دیا ہے تو بیقرار ہو گئے اور ظالموں کے درمیان مزید رہنے کا یارا نہ رہا۔

اپنے قلیل ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد تیس سے زیادہ نہ تھی بصرہ سے باہر نکلے اور اس کا مقصد اپنے ساتھیوں پر بخوبی واضح کر دیا کہ وہ اس ظلم و زیادتی سے بیزاری کا اعلان کریں گے، عدل و انصاف کی دعوت دیں گے، لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، لوگوں کا مال نہیں لیں گے اور نہ زمین پر غارت گری کریں گے۔

کسی طور لڑائی میں پہل نہیں کریں گے۔ کسی نے خود حملہ کیا تو جواب دیں گے۔ ان کے ساتھیوں میں دس ساتھی اور بھی آ کر شامل ہو گئے اور ان کی تعداد چالیس ہو گئی۔ راستے میں خراسان سے ابن زیاد کے پاس مال آ رہا تھا جس میں سے ابو بلال نے اپنا اور ساتھیوں کا وہ حصہ لے لیا جو بصرہ میں قیام کی حالت میں تقسیم ہونے پر ملتا۔ اس کے بعد مال برداروں کو بصرہ جانے کی راہ دے دی۔

ابن زیاد کو جب ان کے خروج کا پتا چلا تو اسلم بن زرعہ کو دو ہزار کا لشکر دے کر ان کے تعاقب میں بھیجا جس نے مقام آس کے پار ان کو پا لیا اور واپس چلنے اور اطاعت پر باقی رہنے کی دعوت دی تاہم ان لوگوں نے ایک ظالم کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ جب لشکر والوں نے لڑائی چھیڑ دی تو ابو بلال اور ان کے ساتھی بہادروں کی طرح مقابل ہوئے اور حریف کو شکست دے دی۔

اسلم بن زرعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکست کھا کر بصرہ واپس آیا۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد نے اس کو سخت ملامت کی اور لوگوں نے اسے شکست کا طعنہ دیا۔ یہاں تک کہ رستوں پر کھڑے لڑکے اسلم کو ابو بلال سے ڈرانے لگے۔

ایک خارجی شاعر نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

Marfat.com

الفا مومن فیها زعمتم
و یقتلکم بآسك اربعون
كذبتم ليس ذلك كما زعمتم
ولكن الخوارج مومنون
هم الفئة القلية قد علمتم
على الفئة الكثيرة ينصرون

''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ وہ دو ہزار ایماندار تھے؟
جنہیں صرف چالیس آدمیوں نے
آس میں قتل کر دیا
نہیں تم غلط کہتے ہو
واقعہ ایسا نہیں جیسا تم سمجھتے ہو
بلکہ ایماندار تو قلیل خارجی تھے
اور تم جانتے ہو حق والی اقلیت اکثریت پر فتح یاب ہوتی ہے''۔

شاعر نے اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی طرف اشارہ کیا ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ترجمہ: ''بارہا چھوٹی جماعتیں غالب ہوئی ہیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر۔''

﴿سورۃ البقرہ آیت 249﴾

اس ناکامی کے بعد ابن زیاد نے عباد بن اخضر کو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا اور جب ان سے سامنا ہوا تو فوج نے ان سے واپسی اور اطاعت کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے وہی جواب دیا جو اسلم کو دے چکے تھے۔ تب عباد نے جنگ شروع کر دی۔ بڑی سخت معرکہ آرائی رہی اتنے میں ابو بلال نے دیکھا کہ نماز عصر کا وقت نکل رہا ہے تو انہوں نے حریف سے مہلت مانگی کہ فریقین نماز ادا کر لیں۔ عباد نے اجازت دے دی۔ فریقین نماز میں مشغول ہو گئے تاہم عباد اور اس کے ساتھیوں نے نماز میں جلدی کی یا توڑ دی اور

Marfat.com

خارجیوں پر حملہ کر دیا۔ سب قیام، کوع اور سجدے میں قتل کر دیئے گئے۔ ابو بلال کے آدمیوں نے نماز کو جنگ پر مقدم جانا۔ اس واقعہ کا بہت برا اثر ہوا اور خارجیوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا۔ انہوں نے انتقام کیلئے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔

تجزیہ

عام مسلمان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست سے خوش تھے یا ناخوش؟ اس سوال کا جواب ان لوگوں کی زبان سے نہیں سننا چاہئے جو تاریخی حقائق سے زیادہ اپنے مذہب سے متاثر ہیں۔ قابل وثوق بات یہ ہے کہ حکومت کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے وہ مسلمان جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاصر تھے اگر معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے لئے ایک امام کا انتخاب کریں اور یہ انتخاب بلا کسی جبر بالکل آزادانہ ہو۔ ان کے پیش نظر اپنے دین کی فلاح و بہبود کے سوا کچھ نہ ہو تو وہ کسی حالت میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امام منتخب نہ کرتے۔

اسلئے کہ انہوں نے ان کی سیاست کا تجربہ کر لیا ہے اور ان کے گورنروں کو بھی آزما لیا ہے۔ ماضی قریب کی تاریخ کے پیش نظر وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا حال بدتر ہو رہا ہے۔ ان پر زبردستی کی حکومت کی جا رہی ہے۔ کتاب وسنت کی بجائے ڈرانے دھمکانے اور امیدیں دلانے کی سیاست کی جا رہی ہے۔ ان کی دولت ان کے بادشاہ اور اس کے حکام کی ہے جس میں حق اور انصاف اور بھلائی کے تقاضوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

بڑی بڑی رقوم سے لوگوں کی وفاداریاں خریدی جاتی تھیں۔ حق بات کہنے اور حق کیلئے اٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ حجاز والے ان عطیات کی بدولت دولت سے مالا مال ہیں۔ اس دولت سے کمزوروں کے بازو اور طاقتوروں کی زبانیں خریدی جاتی تھیں۔ اہل شام امیر ہیں۔ اقتدار کا دران کیلئے وا ہے۔ اسی لئے وہ بادشاہ کی فوج اور حکومت کے طرفدار ہیں۔ اہل عراق حمایت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مصائب میں مبتلا ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جن پر شامیوں اور حجازیوں کی نظر عنایت ہے۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں سے خراج اور

Marfat.com

مال وصول کر کے شام بھیجا جاتا ہے۔ اس مال کو بادشاہ جس طرح چاہے خرچ کرے ان کا خون بادشاہ اور اس کے حاکموں کے لئے حرام نہیں بلکہ بادشاہ اور اس کے کارندوں کو حق ہے کہ وہ اللہ کے حرام کو حلال سمجھیں اور وہ بھی دین قائم کرنے کیلئے نہیں بلکہ اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے ہوشیار مدبرین میں سے ایک تھے اور سیاست میں غیر معمولی دل و دماغ کے مالک تھے۔ تاہم ان کے زمانے کے مسلمانوں نے ان سے پہلے کے امام بھی دیکھے تھے۔ جن میں سیاسی کمال تھا۔ انہوں نے لوگوں سے انصاف بھی کیا اور ان کی خیر خواہی بھی، جان و مال بھی محفوظ رہا اور دین کی راہ سے سرمو نہ ہٹے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد و پیش کے حالات نے ان کی مدد کی اور ان کو اس سیاست پر مجبور کیا تاہم جیسا کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موافقت یا مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔ میں ان کے عہد کے حقائق تک پہنچنا چاہتا ہوں انہی حقائق میں سے ایک بات جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا یہ ہے کہ فتوحات کے بعد جب مسلمان مفتوحہ قوموں کے ساتھ اچھی طرح گھل مل گئے تو ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو ان مفتوح قوموں کے اطوار کو بدل دیتے اور ان کو عربی رنگ میں رنگ دیتے لیکن اس کی کوئی صورت نہیں تھی۔ حالات اس طرح نہیں چلتے اور نہ اس بات کے امکانات تھے کہ وہ مفتوح لوگ فاتحین کا مزاج بدل دیتے۔ پس اب تیسری صورت یہی بچتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے اثرات قبول کریں اور ایک دوسرے کی خوبیاں اور خامیاں اپنا کر ایک ایسا مخلوط معاشرہ تیار کر دیں جو نہ خالص عربی ہو نہ عجمی۔ وہ نہ پوری طرح اسلامی ہو اور نہ غیر اسلامی بلکہ ان سب کا امتزاج اور مجموعہ ہو۔

یہ عظیم فتنہ جس پر ہم بحث کر رہے ہیں درحقیقت اسی عربی اسلامی طبیعت اور مغلوب طبیعتوں کے درمیان ایک معرکہ آرائی ہے اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں میں ایسی آزادی اور ایسا انصاف پیدا ہو جس کے بعد محتاجی کمزوری اور گمنامی کی وجہ سے کوئی مصیبت زدہ نہ رہ سکے اور نہ کوئی محض قوت و دولت کی بنا پر اچھا بنا رہے بلکہ سب لوگ باعزت زندگی

Marfat.com

بسر کریں۔ سب کے تقاضے عمدگی سے پورے ہوں برتری اور امتیاز کی بات دینداری، تقویٰ اور ثابت قدمی کی بنیاد پر ہو۔ اسلام چاہتا تھا کہ خلفاء اور حکام لوگوں کے حقوق، مال اور مفادات کے امین ہوں۔

لوگوں کے معاملات صلاح ومشورے سے طے کریں۔ ان کی کارروائیوں میں جبر وتکبر نہ ہو۔ خود پسندی اور مفاد پرستی نہ ہو۔ وہ سردار ہونا امتیاز نہ سمجھیں۔ لوگ ان پر اعتماد کرتے ہیں تو ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچنے دیں۔ لوگ انہیں اپنے معاملات کا نگران سمجھتے ہیں اور اپنی مرضی سے انہیں اپنے کام سونپتے ہیں اور وہ کسی وقت احتساب بھی کر سکتے ہیں اور اگر پتا چلے کہ خلفاء یا حکام سے غلطی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کرنا ہوگی۔

اسلام اسی قسم کی حکومت اور حاکم اور محکوم میں اس قسم کے تعلقات چاہتا تھا اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات رہے اسی راہ پر گامزن رہے اور جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر رہے۔ البتہ جب بنی امیہ ان کی رائے پر غالب آگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کچھ بات ضرور ہے (اللہ انہیں اپنی رحمت سے نوازے)۔ پھر بھی آپ نے لوگوں کے کہنے پر ان کی مرضی کے مطابق رجوع کیا اور بار بار اپنا اپنے عمال کا احتساب کیا اور اپنے توبہ واستغفار کا اعلان مسلمانوں کے مجمع عام میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بھی کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حق کے خواہاں تھے کبھی کر گزرتے اور کبھی آپ رضی اللہ عنہ کے گورنر اور مقرب آپ کو مجبور کر دیتے تاہم اس بات میں شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارادی طور پر زبردستی نہیں کی اور نہ خود غرضی سے کام لیا۔

ان کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات ان سے غیر ارادی غلطی ہوئی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف بغاوت کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ اپنے گورنروں کو راہ راست پر نہیں لا سکتے تو خلافت سے دستبردار ہو جائیں جب آپ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تو اس باغی گروہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پورے طور پر شیخین کا طریقہ اختیار کیا اور بعض معاملات نے آپ رضی اللہ عنہ کیلئے نازک صورت حال پیدا کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ بیت المال میں آنے والی چیزوں کو تقسیم کرنے پر قائم رہے اور سوچا کہ لوگ دیکھیں کہ بیت المال مال سے خالی ہے اور اسے جھاڑو دے کر صاف کر دیا گیا جس میں ان کے امام نے دو رکعت نماز بھی پڑھی ہے نیز ان کا امین کوئی چیز نہیں بچاتا اور نہ اپنی ذات کیلئے ہی کچھ بچا رکھتا ہے۔ خلافت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک زمین تھی جس سے خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ آپ نے اسے بھی صدقہ کر دیا اور جہان فانی سے اس طرح رخصت ہوئے کہ چند درہم کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک خادم خریدنے کیلئے بچا رکھے تھے۔ اس بات کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی شہادت کے بعد ایک خطبے میں بیان کیا ہے۔

چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی محض شبے یا بدگمانی کی بنا پر کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا۔ یہ خلفاء رضی اللہ عنہم اپنے گورنروں سے بھی قصاص لیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گورنر کوفہ ولید بن عقبہ پر گواہی ثابت ہونے پر شراب کی حد جاری کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر شہادت ملنے پر شراب کی حد جاری کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سنگسار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر زیاد شہادت دینے میں چوک گیا تھا چنانچہ معاملہ مشکوک ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ رک گئے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن یزید سے سوال کیا:

''حکومت میں تمہاری پالیسی کیا ہوگی؟''

یزید نے جواب دیا:

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی اپناؤں گا''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہنسے اور کہا:

''افسوس میں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی بھی نہ اپنا سکا اور تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہے؟''

Marfat.com

حقیقت یہی ہے کہ سابق خلفاء میں سے کسی نے تلوار سے اقتدار حاصل نہیں کیا تھا۔ کسی نے حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کو قتل نہیں کیا تھا۔ کسی نے اپنے بیٹے کو خلافت کا وارث نہیں بنایا تھا۔ کسی نے زیاد جیسے لوگوں کو متبنیٰ نہیں کیا تھا۔

کسی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح صعصعہ بن صوہان کی موجودگی میں یہ نہیں کہا تھا:

''زمین اللہ کی ہے میں اللہ کا خلیفہ ہوں اور جو کچھ لے لوں میرا ہے جو چھوڑ دوں وہ میرے ذریعے دوسروں کا ہے''۔

البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا تھا کہ وہ بیت المال سے جتنا چاہیں گے لے لیں گے کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''سب سے پہلا ناراض میں ہوں''۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا''۔

صعصعہ ابن صوہان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے ملتا جلتا ہے۔ انہوں نے کہا:

''اس معاملے میں تو آپ کی اور کوسوں دور کے امتی کی حیثیت ایک ہی ہے تاہم بات یہ ہے کہ جو مالک بن جاتا ہے وہ دوسروں کو نظر انداز کرتا ہے''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر غصے سے کہا:

''میں نے تو ارادہ کر لیا ہے''۔

صعصعہ نے کہا:

''لیکن ہر ارادہ پورا نہیں ہوا کرتا''۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

Marfat.com

''میرے ارادے کی راہ میں کون حائل ہو سکتا ہے؟''

صعصعہ نے کہا:

''وہی ذات جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے''۔

یہ کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے ان کی زبان پر یہ شعر تھا:

اریغونی اراغتکم فانی

وحلفة کا لشجا تحت الورید

شیعہ اس انداز سیاست سے ناراض تھے اور انہوں نے شورش کا ہر طرح سے مقابلہ کیا۔ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے گئے جس کے بعد انہیں مزید غصہ آیا۔

خوارج کو اس سیاست پر غصہ تھا اور انہوں نے بھی اپنی زبان اور تلوار سے مقابلہ کیا۔ قتل کیا اور قتل کیے بھی گئے۔ اس انداز سیاست پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین بھی برہم تھے لیکن برملا اظہار نہیں کرتے تھے اور بسا اوقات زیر لب تنقید کرتے تھے۔ عام مسلمان، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر ان کے ہم خیال تھے اور بظاہر وہ بھی چپ رہتے۔ لیکن شاید خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سنجیدگی اور تنہائی کے عالم میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء رضی اللہ عنہم کی سیرت پر غور کر کے اپنے کردار کا مقابلہ کرتے ہوں تو اپنی بہت سی باتوں کو پسند کرتے ہوں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی موت کے وقت مطمئن نہیں تھے۔ درد کی شکایت اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے تھے۔

وہ حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کے مال میں اپنے تصرف کا تذکرہ کرتے تھے لیکن اس پر بھی مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے بادشاہوں سے پالا پڑا کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے لئے آخری زمانے تک زندہ رہتے۔ ان کا بیٹا یزید اس قسم کے بادشاہوں میں پہلا بادشاہ تھا جس نے ظلم کی ساری حدیں عبور کر لی تھیں۔

Marfat.com

یزید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پرورش تو عہد جاہلیت میں ہوئی تھی۔ جس میں زیادہ ترتنگی وترشی کا دور رہا اور قوم بے آب وگیاہ چٹیل وادیوں میں سکونت پذیر تھی وہ نفع بخش تجارت کے باوجود عسرت میں دن گزارتی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کے عامل بنے اور ان سے ادب واخلاق سیکھا۔ جب قوم کی زمام اپنے ہاتھ آئی تو آپ رضی اللہ عنہ ان صحبتوں کے فیض سے کسی حدتک متاثر تھے لیکن بعد میں لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ پر انگلی اٹھانے کا موقع ملا اور کہا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قدم اسلام کی سیدھی راہ سے ہٹ گئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کی پرورش و پرداخت آپ رضی اللہ عنہ کے بالکل برعکس ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ شام میں گورنر کے محل میں پیدا ہوا جہاں ہر قسم کی خوش حالی اور فارغ البالی تھی۔ خدمت کیلئے لونڈیاں اور خدام حاضر تھے ماں کی طرف سے اس کو قبیلہ بنی کلب کی عادات ورثے میں ملیں مگر ان بدوی خصوصیات کے باوجود اس میں قریشی خصوصیات بھی تھیں۔ اس نے کسی چیز کیلئے تگ ودو نہیں کی تھی۔ ہاتھ پیر ہلائے بغیر ہر خواہش پوری ہو جاتی تھی۔ اس عالم میں جب مسلمانوں کی زمام اقتدار اس کے ہاتھ آ گئی تو نہ صرف وہ باپ کی سیرت سے مختلف تھا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یکسر مختلف تھا۔ ولی عہد بننے سے پہلے اس کی عیاشی کے قصے عام تھے تاہم زیاد کے مشورے پر اسے کسی حدتک سدھارنے کی کوشش کی گئی تاکہ لوگ بیعت میں معترض نہ ہوں۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو یزید بہت دُور تھا جس کی وجہ سے ضحاک بن قیس قائم مقام بنا اس نے بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر دی اور بتایا کہ اب مسند اقتدار پر یزید بیٹھے گا۔

یزید نے اس عظیم اسلامی ریاست کیلئے کوئی قربانی نہیں دی تھی۔ اسے سیاسی شعور

Marfat.com

نہیں تھا اور حکومت اسے گویا پلیٹ میں رکھ کر پیش کر دی گئی تھی۔ اختیار کی زیادتی نے اسے مزید لہو ولعب اور عیش کوشی میں مشغول کر دیا۔ اس نے جانا کہ اب لوگ اس کے ہاتھ بندھے غلام ہیں کوئی اس کے خلاف جسارت نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ بات بھی بھلا دی کہ اس کے باپ نے اسے تخت نشین کرنے کیلئے کیا کچھ نہ کیا تھا۔

یزید کا خیال تھا کہ اس کی اطاعت ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے اور اس کے خلاف کوئی زبان تک نہیں کھول سکتا اور اس کی بیعت سے انحراف ایک سنگین جرم ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ پڑھ آئے ہیں کہ چار نوجوانوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا ان میں سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے باقی تین رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے ساتھ بیعت کر لی اور ولید بن عتبہ نے جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کیلئے کہا تو پہلے تو وہ ٹالتے رہے اور آخر مدینہ سے مکہ چلے گئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے یزید کی لڑائی جاری رہی یہاں تک کہ مسلمان شدید مشکلات کی دلدل میں دھنس گئے چونکہ اس کا تعلق میرے اس موضوع سے نہیں اس لئے میں اس بات کو یہیں چھوڑ کر بات آگے بڑھاتا ہوں۔

انکار بیعت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ میں مقیم رہے اور بیعت سے انکار کرتے رہے۔ اس دوران میں کوفہ کے جو لوگ اہل بیعت کے محب تھے انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے خط و کتابت جاری رکھی۔ انہوں نے اپنے خطوط میں انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی تا کہ وہ یزیدی بیعت سے باہر نکل سکیں۔ انہوں نے کہا کہ یزید کے قائم کردہ گورنر نعمان بن بشیر کو نکال دیا جائے گا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت اختیار کی جائے گی۔

اس طرح کے خطوط بڑی تعداد میں آئے اور کوفہ کے علماء، امرا اور نمایاں افراد نے ان پر اپنے دستخط کئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی دعوت میں شدت دیکھ کر اسے

Marfat.com

اہمیت دی اور سوچا کہ کوئی اقدام کرنے سے پہلے ان لوگوں کو پرکھ لینا بہتر ہوگا۔ یہ سوچ کر اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ کے حالات اور اہل کوفہ کے خیالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ آل علی رضی اللہ عنہ کے مخلص ہوں تو ان سے خفیہ طور پر بیعت لے لیں اور اگر لوگ واضح اکثریت میں بیعت کرلیں جس سے یزید کی بیعت فسخ ہو جائے تو انہیں خط لکھ کر اطلاع دے دیں جس کے بعد وہ بھی وہاں آجائیں گے۔

مسلم سفر کی مشکلات سے تنگ آگئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں اس کام سے الگ رہنے دیں لیکن آپ نے انہیں کوفہ جانے کا حکم دیا۔ مسلم نے کوفہ پہنچ کر شہر کے سرداروں اور ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جنہوں نے خطوط لکھے تھے۔ جب انہیں اعتماد ہو گیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کیلئے بیعت لینا شروع کی جب اس کی خبر نعمان بن بشیر کو لگی تو انہوں نے مسلم کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی اور نہ لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا۔

انہوں نے لوگوں کو امن وامان سے رہنے کی تلقین دی اور کہا کہ وہ یزید کے وفادار رہیں۔ تاہم کسی نے یزید کو ان معاملات سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے ایک غلام سرجان سے مشورہ کیا جس نے کہا:

"اس کا حل یہ ہے کہ کوفہ بھی ابن زیاد کے ماتحت کر کے اسے فوراً کوفہ پہنچ کر حالات سنبھالنے کا حکم دو۔"

یزید نے اس مشورے پر عمل کیا اور عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ پر مقرر کر دیا جس نے آتے ہی شہر میں کھلبلی مچا دی۔ نعمان بن بشیر گھر میں بیٹھ رہے۔ ابن زیاد نے تمام تر معاملات خود سنبھال لئے اور پھر اس قدر شدت سے کام لیا کہ الامان والحفیظ۔ اس وقت تک مسلم اٹھارہ ہزار سے زائد لوگوں کی بیعت لے چکے تھے اور اس کی اطلاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کر کے فوراً کوفہ پہنچنے کی درخواست کی تھی۔

ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کی تلاش شروع کی اور آخر پتا چلا کہ وہ رئیس مذحج ہانی بن عروہ کے ہاں ہیں۔ ہانی کو طلب کر لیا گیا اور اس سے اگلوا لیا گیا کہ مسلم اس کے گھر میں روپوش ہیں۔ ابن زیاد نے ہانی کو قید کر لیا۔ کوفہ والوں نے اس پر بڑا واویلا کیا مگر ہانی کو

Marfat.com

آزاد کرانے میں ناکام رہے۔ اس پر مسلم باہر آ گئے۔ ہزاروں لوگ ان کے ہمراہ مسجد کی طرف بڑھے مگر وہ ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ جوں جوں رات ہوتی گئی سب تتر بتر ہو گئے اور مسلم کوفہ کی گلیوں میں تنہا ہو گئے۔ سپاہیوں نے انہیں پالیا اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے جس نے انہیں محل کی چھت پر قتل کیا اور ان کا سر کاٹ کر پھینک دیا۔ ہانی کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور ان کو بھی قتل کر دیا۔ دونوں کی لاشیں بطور عبرت سولی پر لٹکا دی گئیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل کا حوصلہ افزا خط ملا تو آپ رضی اللہ عنہ اس وقت مکہ میں تھے خط پا کر کوفہ روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ لوگوں نے انہیں منع کیا کہ وہ نہ جائیں، یزید سے ڈرایا، ابن زیاد کے ظلم اور اہل کوفہ کی غداری کا ذکر کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تجویز دی کہ کوفہ کی بجائے یمن چلے جائیں اور وہاں ایک محفوظ گھاٹی میں اپنی جماعت کے ساتھ قیام کریں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو سمجھایا۔ سعید ابن العاص (یزید کی طرف سے مکہ کے گورنر) نے آپ رضی اللہ عنہ کو جاتے دیکھا تو کچھ لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا کہ وہ سمجھا بجھا کر آپ رضی اللہ عنہ کو واپس لے آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی جان و مال اور اہل بیت سب محفوظ ہوں گے۔ نیز عطیات اور مزید وظیفوں کی پیشکش کرنے کو بھی کہا مگر اس وقت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان سے بہت دور نکل چکے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے اگرچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ اگر جانا ضروری ہے تو گھر والوں کو یہاں حفاظت میں چھوڑ جائیں اور جب حالات آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں بہتر ہو جائیں تو انہیں بلوا لیں۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ نے نہ مانا۔

Marfat.com

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کسی ضد میں ایسا نہیں کیا تھا اور نہ از خود یہ مصیبت مول لی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یزید بیعت کیلئے تشدد کی پالیسی اختیار کرے گا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ بیعت کرتے تو خود کو دھوکا دیتے۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ بیعت نہ کرنے پر اکتفا کرتے تو بھی یزید کوئی بھی سنگین سلوک کر سکتا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خیال غلط نہیں تھا آپ رضی اللہ عنہ دیکھ چکے تھے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب بیعت سے انکاری رہے تو یزید نے قسم کھالی تھی کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک مجمع کے ساتھ قیدیوں کی طرح لایا جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ بھی غلط نہیں تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اہل خانہ کو ساتھ لے لیا کیونکہ حجاز میں آپ رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ حکومت سے بغاوت کے بعد غیر محفوظ ہو کر رہ جاتے۔

قافلۂ حسین رضی اللہ عنہ میں حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے (قاسم) بھی تھے، بعض عم زاد بھی تھے۔ عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹے اور آپ رضی اللہ عنہ کے چچا عقیل کے کچھ بیٹے بھی تھے اور وہ لوگ جو دل سے آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا چاہتے تھے شامل تھے۔ دیہاتیوں نے جب یزید کی مخالفت میں آپ رضی اللہ عنہ کو سوئے عراق جاتے دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ کی محبت کو اپنی بھلائی جان کر آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے۔

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ عراق کے قریب پہنچے تو ابن زیاد تمام راستوں پر ناکہ بندی کر چکا تھا۔ اس نے کوفہ کے حر بن یزید کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا راستہ روک لو اور انہیں کسی طرف نکلنے نہ دو اور تا حکم ثانی ان کا گھیراؤ رکھو۔

دیہاتی لڑائی کا منظر دیکھ کر منتشر ہو گئے۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حر اور اس کے ساتھیوں کے ارادے کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی باتیں سنیں لیکن اپنے امیر ابن زیاد کی اطاعت ہی کرتے رہے۔ ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لڑائی کیلئے عمر ابن سعد ابن ابی وقاص کا انتخاب کیا جو ان سے بہت قریب

Marfat.com

تھا۔عمر نے معذرت چاہی لیکن ابن زیاد نے اصرار کر کے تین یا چار ہزار کی فوج کے ساتھ قافلۂ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے بھیج دیا۔

اس نے آ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور پوچھا:

''آپ رضی اللہ عنہ کے آنے کی کیا وجہ ہے؟''

آپ نے جواب دیا:

''اہل کوفہ نے مجھے خط لکھ کر بلایا ہے اور وہ سب میری مدد کرنا چاہتے ہیں''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے وہ خطوط بھی دکھائے۔عمر بن سعد نے وہ خطوط ان لوگوں کو دکھائے جو اس وقت موجود تھے۔ان سب نے خط لکھنے کا انکار کر دیا اور قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ انہیں ان خطوط کا کچھ علم نہیں ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد کے سامنے اپنی تین شرطیں پیش کیں:

۱۔ انہیں حجاز جانے کی اجازت دے تا کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جائیں۔

۲۔ انہیں یزید کے پاس شام لے چلے۔(تا کہ وہ یزید سے آمنے سامنے گفتگو کریں)

۳۔ انہیں کسی سرحد پر جانے دیا جائے تا کہ وہ جہاد کریں اور جامِ شہادت نوش فرمائیں

عمر بن سعد نے یہ منظور کر لیا اور کہا:

''میں اس کے بارے میں ابن زیاد سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔

اس نے ابن زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شرائط لکھ بھیجیں۔تاہم ابن زیاد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہر قیمت پر بیعت کیلئے مجبور کرنا چاہتا تھا۔اس نے جواب لکھ کر شمر بن ذی الجوشن کو دیا اور تاکید کی کہ یہ خط عمر کو پڑھ کر سنانا اور اس کا ردعمل دیکھنا اگر وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لڑنے کیلئے تیار ہو جائے تو تم بھی اس کے ساتھ رہنا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے فرصت پا لینے تک اس کی نگرانی کرنا۔

لیکن اگر وہ لڑنے میں لیت ولعل سے کام لے تو تم اس کی گردن اڑا کر فوج کی کمان سنبھال لینا۔

عمر بن سعد نے جواب پڑھا اور لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ ابن زیاد کی اطاعت قبول کر لیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''اس کی اطاعت سے تو موت اچھی ہے''

اس کے بعد عمر نے فوج کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کل بہتر (۷۲) آدمی تھے۔ دوپہر تک جنگ جاری رہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان کے بھائی، بھتیجوں اور مٹھی بھر جانثاروں کو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں سے اکثر قتل کر دیئے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے بھائی اور بھتیجے اپنی آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے دیکھے۔ کڑی آزمائش اور عظیم صبر کے بعد ظلم سے قتل ہونے والوں میں وہ آخری مقتول ہوں گے۔

عمر بن سعد کے کچھ ساتھی ابن زیاد کے رویے کو برداشت نہ کر سکے کیونکہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شرائط کو قبول نہیں کیا تھا وہ فوج سے الگ ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامی بن گئے اور انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر جنگ کی اور ان کے سامنے قتل ہوئے۔ ایک ایک کر کے سب نے شہادت کا جام پی لیا۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ سامنے ان کی اپنی قوم ہے جس کا سردار قریشی ہے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم مہاجر کا بیٹا ہے۔ جس کا باپ راہ اسلام میں پہلا تیر انداز تھا۔ جنت کی بشارت پانے والے دس صحابیوں میں سے ایک تھا۔ فارس کی فتوحات میں اسلامی لشکر کا سپہ سالار، فتنہ وفساد کی باتوں سے دور رہنے والا مومن تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی قیادت میں لڑنے والی فوج رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو قتل

Marfat.com

کر رہی ہے۔ غزوہ موتہ کے شہید عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دونوں لڑکوں کو قتل کر رہی ہے اور لوٹ رہی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ستم ڈھا رہی ہے۔ ایسا سلوک جو ایک مسلمان عام مسلمان سے بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد مستورات کو کنیزوں کی طرح قید کر لیتی ہے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ انہیں ابن زیاد کے پاس لایا جاتا ہے تو وہ رسوائی کے ڈر سے صرف اتنی سی رواداری کرتا ہے کہ جب علی ابن حسین رضی اللہ عنہ نے جو ابھی کم سن تھے اور جن کو ابن زیاد قتل کر دینا چاہتا تھا، اس سے کہا:

''اگر تمہارا ان مستورات سے کوئی رشتہ بنتا ہے تو کسی نیک آدمی کے ساتھ انہیں شام بھجوا دو''۔

اس پر اسے یاد آ گیا کہ اس کا باپ زیاد تو ابو سفیان کا بیٹا کہلواتا تھا وہ شرمندہ ہوا اور اس لڑکے کے قتل سے باز رہا اور حسین رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے ساتھ اسے بھی یزید کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ دیگر مقتولین کے سر شام یزید کے سامنے دربار میں پیش کئے گئے۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر ہاتھ میں پکڑا ہوا بید رگڑا اور کہا:

یفلقن هاما من رجال اعزة
علیا و هم کانوا اعق و اظلما

''وہ تلواریں بڑے بڑے سرکشوں اور ظالموں کے سر توڑ دیتی ہیں جو ہم پر بہت گراں ہیں''۔

راوی یوں بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی ابو برزہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر حاضر تھے جنہوں نے یزید سے کہا:

''ایسا مت کرو میں نے ان دانتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار ہونٹ رکھتے (یعنی چومتے) دیکھا ہے''۔

اتنا کہہ کر وہ اٹھے اور اس مجلس سے چلے گئے۔

قیدیوں کو یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو پہلے اس نے سختی اختیار کی لیکن پھر نرم پڑ

Marfat.com

گیا۔ اچھا سلوک کیا اور اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔ بعد میں انہیں مدینہ روانہ کر دیا۔ راویوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہوئے اس گناہ کا سارا بوجھ سمیہ کے پوتے عبید اللہ بن زیاد پر ڈال دیتا ہے لیکن ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس نے ابن زیاد کو اس پر برا بھلا کہا ہو، اسے سزا دی ہو یا معزول ہی کر دیا ہو۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد

شیعہ خارجیوں پر برہم تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے قتل کر دینے پر قصاص چاہتے تھے۔ دوسری جانب خارجی شیعوں کے خلاف اس وجہ سے انتقامی جذبات رکھتے تھے کہ نہروان اور دیگر معرکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کیا تھا۔

بنی امیہ سے شیعہ دو انتقام لینا چاہتے تھے ایک حجر ابن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا جنہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل کرایا تھا دوسرا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت اور ان کے ساتھیوں کا جنہیں یزید نے بڑے ظلم و ستم سے قتل کیا تھا۔

دوسری طرف بنی اُمیہ کے دل میں تھا کہ انہیں شیعوں اور خارجیوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینا ہے۔ بدر کے معرکہ میں اپنے لوگوں کے قتل کی وجہ سے بنو امیہ عام مسلمانوں کے خلاف بھی دشمنی کے جذبات رکھتے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ معرکہ حرہ کے بعد یزید کو ماضی کی باتیں یاد آئیں اور اس نے ایک شعر پڑھا:

لیت اشیاخی ببدر شھدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل

”کاش!
میرے بزرگ اس معرکہ میں موجود ہوتے
جب نیزوں کے وار سے

Marfat.com

خزرج والے چلا اُٹھے تھے۔''

ان جماعتوں میں دینی وجوہات کی بنیاد پر ہی اختلاف نہیں تھا بلکہ پرانے انتقامی جذبات اور دشمنی بھی ان کے ان اختلافات کی بنیاد تھی۔ ان میں سے ہر جماعت دوسری جماعتوں سے قصاص اور انتقام کی طالب تھی۔ خاندانی عصبیت بھی فتنے کا لازمہ بن چکی تھی جس نے مسلمانوں کو خرابیوں کی طرف دھکیل دیا اور جس کا سلسلہ نہ قتل حسین رضی اللہ عنہ سے رکا اور نہ یزید کی موت سے بلکہ مسلسل جاری رہا۔ آج تک مسلمانوں کی زندگی میں ان خرابیوں کے اثرات چلے آتے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرابت کی طرف جھکنے اور دین کو نظر انداز کرنے کا جرم صرف اہل عراق نے نہیں کیا جیسا کہ زیاد نے اپنے خطبے میں عراقیوں پر اس کا الزام عائد کیا تھا بلکہ یہ روش بہت عام ہوگئی تھی جس میں عراقی، شامی، مصری اور حجازی سب ہی شامل ہیں جو آپ آگے پڑھیں گے۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید سے بغاوت کی، بیعت کو ٹھکرایا اور کوفہ کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ جماعت میں تفرقہ ڈال کر مسلمانوں میں جنگ کی وہی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جوان کے والد کے زمانے میں تھی۔ یزید یا اس کے عراقی حاکم نے کوئی خرابی پھیلانے میں پہل نہیں کی۔ انہوں نے اقتدار اور اتحادِ امت کا تحفظ کیا۔

اگر یہ بات درست ہوتی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنگ پر مصر ہوتے اور گفت وشنید نہ کرتے اور نہ واپس جانے پر تیار ہوتے۔ تاہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو تین شرطیں پیش کی تھیں ان میں سے ہر ایک بات امن پسندانہ تھی۔

اگر آپ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ (جائے امن) جانے کی اجازت دی جاتی تو اس میں آپ رضی اللہ عنہ کیلئے عافیت تھی اور انہیں بھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔

اگر انہیں یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دی جاتی تو ممکن تھا کہ یزید انہیں راضی کر لیتا یا اور پھر بحث کی گنجائش نہ رہتی۔ اگر انہیں کسی اسلامی سرحد پر جانے کی اجازت دے دی جاتی تو آپ رضی اللہ عنہ دشمنوں سے جہاد کرتے اور اسلامی فتوحات میں شریک ہوتے۔

Marfat.com

لیکن یزید کے آدمی تو آپ رضی اللہ عنہ کو جھکانا چاہتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت پر مجبور کر دینا چاہتے تھے لہٰذا ظلم کی ساری حدیں عبور کر لی گئیں۔ شاید ابن زیاد سمجھتا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے وہ شورش کا خاتمہ کر کے شیعہ کو مایوس و مجبور کر دے گا کہ وہ اپنی خواہشات کی دنیا سے نکل کر حقیقی زندگی میں آجائیں۔ کتاب کے تیسرے حصے میں آپ پڑھیں گے کہ ابن زیاد نے مزید شورش کو ہوا دی۔ قتل و خونریزی کی انتہا کر دی گئی۔ عورتوں اور بچوں کو بھی نہ بخشا گیا۔ لاشوں کے کپڑے تک اتار لیے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے اور پوتوں (اور نواسوں عون و محمد) کو شہید کیا گیا۔ مستورات سے زیور، پارچات اور دیگر سامان چھین لیا گیا اور یزید کو مجبور کیا گیا کہ وہ لوٹی ہوئی اشیاء واپس کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی لڑائیوں میں اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔ شکست خوردہ لوگوں سے ہتھیار اور گھوڑے کے سوا کچھ نہ لیا جائے اور ہم دیکھتے ہیں کہ صفین کے معرکے میں انہی ہدایات پر پوری طرح عمل ہوا۔

ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا وہ بدترین گمراہی تھی جس سے مسلمان فتنے کے زمانے میں بھی واقف نہیں تھے۔ اس ظلم پر ابن زیاد کو یزید نے نہ تو سزا دی اور نہ معزول کیا بلکہ اسے اپنا اور بھی مقرب بنا لیا۔

بیٹوں کی عظیم قربانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آزمائش اس سانحۂ عظیم (واقعۂ کربلا) کے بعد ختم ہو گئی۔ ایسی کڑی آزمائش آج تک کسی مسلمان کی نہیں ہوئی۔ اس جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، عباس رحمۃ اللہ علیہ، جعفر رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، عثمان رحمۃ اللہ علیہ، محمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کیا گیا۔ ساتوں بیٹے ایک ہی دن ایک ساتھ مارے گئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھائی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ قتل ہوئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو بھائی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور قاسم رحمۃ اللہ علیہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ پانچوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پوتے تھے۔ حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے محمد اور عون قتل ہوئے۔ عقیل بن ابی طالب کے بیٹوں میں سے بعض معرکے میں کام آئے۔ مسلم بن عقیل کوفہ میں مارے گئے تھے۔

ان کے علاوہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تمام عربی و عجمی ساتھی مارے گئے۔ آل ابو طالب کیلئے یہ ایک بڑی مصیبت اور اسلام کیلئے سانحہ عظیم تھا۔ اس لڑائی میں تمام اصولوں اور قدروں کو پامال کر دیا گیا۔ اہل بیت کا خون پانی کی طرح بہا دیا گیا اور حرمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذرہ بھر خیال نہ رکھا گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کو ابھی پچاس سال ہی گزرے تھے کہ یہ سانحہ پیش آ گیا۔ اگر یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جان زہر دے کر لی گئی تھی تاکہ یزید کی ولی عہدی کی راہ صاف ہو جائے تو ہمیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عہد یزیدی میں مسلمانوں کے حالات زبوں حالی کی انتہاؤں تک پہنچ چکے تھے۔

یزید کی اس بدترین اور مذموم حرکت کے بدترین نتائج جلد ہی اپنے اثرات ظاہر کرنے لگے۔ جب اس سانحہ کی خبر حجاز پہنچی تو صالح لوگوں کو شدید صدمہ پہنچا۔ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یزید کا اقتدار اب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں حدیں پار کر گیا ہے اور اس کی اطاعت اب ضروری نہیں بلکہ اس سے بغاوت کرنا فرض ہو چکا ہے۔ حجاز میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طاقت بھی بڑھ چکی تھی۔ ان کے حامیوں کی جماعت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔

یزید اب اس خیال میں تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی خلاصی حاصل کر لے اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ مدینہ کی فضا مخدوش ہے اور لوگ اعلانیہ اس کے خلاف باتیں کرتے اور اسے برا بھلا کہتے ہیں تو اس نے اپنے عامل کو مدینہ سے ایک وفد بھیجنے کا حکم دیا۔ اس نے تعمیل کرتے ہوئے وفد بھیج دیا۔

اگرچہ یزید نے اس وفد سے بڑی گرمجوشی سے ملاقات کی۔ وفد کے ہر فرد کو پچاس پچاس ہزار درہم دیئے اس کا خیال تھا کہ اس سے ان کے زخم بھر جائیں گے۔ اس

Marfat.com

کے ایک ہاتھ نے جو زخم دیا تھا دوسرے سے اس پر مرہم رکھ دیا ہے مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ وفد کے لوگ جب واپس آتے ہیں تو مدینہ میں سر عام کہتے پھرتے تھے کہ وہ ایک فاسق و فاجر کے پاس سے آرہے ہیں۔ جو شراب نوش اور بے نماز ہے۔ خواہشات نفسانی کا حقیر غلام ہے۔ طنبورا (ساز) بجاتا پھرتا ہے اور گانے والیوں کے گانے سے محظوظ ہوتا ہے۔

جب یہ باتیں مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو انہوں نے ان میں اپنی طرف سے کافی کچھ بڑھا کر لوگوں کو بھڑکا دیا۔ جب اہل مدینہ نے بغاوت کر کے یزیدی گورنر کو نکال باہر کیا اور عبداللہ بن حنظلہ بن غسیل کو اپنا گورنر بنا کر بنوامیہ کا گھیراؤ کر لیا تو یزید نے نعمان بن بشیر انصاری کو صلح کیلئے بھیجا جس میں اسے ناکامی ہوئی۔

اس کے بعد مسلم بن عقبہ مری کی قیادت میں 12000 شامی سپاہیوں کا لشکر بھیج دیا اور اسے کہا کہ وہ اہل مدینہ کو اطاعت کیلئے تین دن کی مہلت دے اور اس کے بعد ان پر حملہ کر دے۔ یزید نے مزید کہا کہ جب اہل مدینہ پر قابو پا لیا جائے تو اس کے بعد شامی سپاہیوں کو تین دن تک کھلی چھٹی ہوگی کہ وہ مدینہ میں جو جی چاہے کریں۔

یزید کے اس حکم پر من وعن عمل درآمد ہوا اور تین دن بعد اہل مدینہ کو بے دریغ قتل کرنے کے بعد فوجیوں کو غارت گری کی کھلی اجازت مل گئی۔ انہوں نے لوٹ مار کے علاوہ مدینۃ الرسول کی عورتوں کی عزتیں بھی پامال کیں اور اس طوفان بدتمیزی کے بعد جو لوگ باقی بچے انہیں یزید کا طوق غلامی قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

ان ایام حرہ میں جو اس جبری بیعت سے انکار کرتا اس کی گردن تن سے جدا ہو جاتی۔ احکام شریعت کی کھلی نافرمانی، اسلام سے سرتابی کا بازار گرم کر کے یزیدی اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ انہوں نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلے لیا ہے۔ جب مدینہ کو خون میں نہلا کر یہ فوج مکہ کی طرف بڑھی تو مسلم راستے میں ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

حصین بن نمیر کو فوج کا نیا افسر بنا دیا گیا۔ اس نے مکہ کا سخت محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں سے پتھروں کی بارش کر دی۔ خانہ خدا، کعبہ کو نذر آتش کر دیا اور ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ مرگ یزید کی خبر پہنچی۔ سب لوگ شام لوٹ گئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ محفوظ رہے۔

Marfat.com

اگر چہ شامیوں نے مکہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا سخت محاصرہ کرلیا تھا جو اس وقت تک جاری رہتا جب تک کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بیعت نہ کر لیتے۔ لیکن وہ مدینہ کی طرح مکہ کا تقدس بھی پامال کرنا چاہتے تھے۔ ابرہہ کے نقش قدم پر چل کر یزید نے مسلمانوں اور اہل حجاز کے دلوں میں اپنے لئے شدید نفرت پیدا کرلی۔

یزید کی سیاست یہ تھی کہ اس نے اپنے خلاف کھلنے والی زبانیں کاٹ ڈالیں۔ ہاتھ پیر قطع کر دیئے۔ لوگوں کی بے حرمتی کی، دوشیزاؤں کی عصمت دری کی گئی۔ اسلام ایسی سیاست سے سخت نفرت کرتا ہے۔ یزید ان سیاہ کارناموں اور کالے کرتوتوں کی وجہ سے اہل اسلام کی نظروں سے گر گیا دوسری طرف تشیع کی نفرت کا نشانہ بنا، خارجی الگ اس سے متنفر تھے اور دیگر اہل جماعت کھلے بندوں اس کو پھٹکارتے تھے۔

اسی بناء پر حکمرانی اولاد ابوسفیان کی اولاد سے دوسروں کے ہاتھ آ گئی۔ یزید چار سال حکومت کرنے کے بعد ذلت کی موت مر گیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک بندر سے ریس لگاتے ہوئے گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا۔

Marfat.com

فتنہ کا اختتام

35ھ میں فتنہ وفساد کے جو شعلے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد شروع ہوئے تھے وہ تیس سال تک مختلف حالتوں میں بھڑکنے کے بعد ختم ہو گئے۔ آپ نے بغور پڑھ لیا ہو گا کہ اس نے کیسے کیسے مہیب طوفانوں کو برپا کیا، کتنا خون بہایا گیا۔ کس قدر رسوائی اور ذلت دیکھنا پڑی۔ خلافت راشدہ کے تصورات ہی بکھر گئے اور ایک ایسا ظالمانہ نظام حکومت سامنے آیا جس کا دین سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ 20 سالہ حکمرانی کرنے والا بانی حاکم سفیانی خاندان کی حکومت طویل عرصے تک مضبوط کر دے گا مگر یہ خام خیالی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور اقتدار نے جلد ہی اس خاندان کو لات ماردی۔ تاہم یزید کی موت سے یہ سلسلہ رک نہیں پایا تھا بلکہ تاریخ کے ایک اور موڑ پر اس نے ظلم واستبداد کی نئی داستانیں رقم کر دی تھیں۔

اس حکومت کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو برابر کا نقصان پہنچا تھا۔ اسلام نے اعلیٰ معیار پر زور دیا ہے مگر اس کے حصول کیلئے بدترین خونریزی ہوئی۔ جان و مال تک لٹ گئے اور وہ عظیم مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ اسلام عدل وانصاف سے دنیا کو بھر دینا چاہتا تھا۔ امن وامان کا بول بالا کرنا چاہتا تھا۔ صدیوں تک اس کیلئے مسلمان اپنی گردنیں کٹواتے رہے مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی یہاں تک کہ بعض اہل تشیع تو سخت مایوسی کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اُمید کا چراغ عقیدے کی اس منڈیر پر رکھ دیا کہ ان کے آئمہ کرام میں سے آخر ایک امام کا ظہور ہو گا جو اس دنیا کو عدل وانصاف اور سچے دین سے بھر دے گا۔

دُنیا آج تک ظلم واستبداد کی چکی میں پس رہی ہے!

طٰہٰ حسین

قاہرہ

مئی 1953ء

Marfat.com

مآخذ و مراجع للکتاب

- الفصول المهمة فی معرفة الأئمة
  الشیخ نور الدین علی بن صمدین الصباغ
- فرق الشیعة
  أبو محمد الحسن بن موسی النوبختی
- تاریخ الاسلام
  شمس الدین محمد بن عبدالله الذهبی
- مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین
  الامام ابوالحسن علی بن اسمعیل الأشعری
- أعیان الشیعة
  السید محسن الأمین الحسینی العاملی
- الأخبار الطوال
  أبوحنیفة أحمد بن داود الدینوری
- تثبیت الامامة
  الامام القاسم بن ابراهیم بن اسمعیل
- بحار الأنوار
  العلامة المجلی محمد بن باقر
- الامام علی بن أبی طالب
  الأستاذ عبدالفتاح عبدالمقصود

Marfat.com

○ ترجمة على بن أبى طالب
الأستاذ أحمد زكى صفوت
○ السياسة عند العرب
الأستاذ عمر أبو النصر
○ عبقرية الامام
الأستاذ عباس محمود العقاد
○ دائم الاسلام
أبو حنيفة النعمان بن محمد

مآخذ و مراجع للتخريج

○ القرآن الكريم، من تنزيل رب الرحيم
○ كتاب المصاحف للامام ابى بكر عبدالله بن ابو داوٗد سليمان بن الاشعث سجستانى الناشر مؤسسة غراس للنشر والتوزيع، بيروت، لبنان
○ صحيح بخارى،الامام محمد بن اسماعيل بن ابراهيم بن مغيره، دارالكتب العلمية ،بيروت
○ صحيح مسلم، الامام مسلم بن الحجاج القشيرى، دارالكتب العلمية، بيروت
○ سنن ابى داود،الامام سليمان بن اشعث السجستانى، دارالفكر، بيروت، لبنان
○ سنن الترمذى، الامام ابو عيسٰى محمد بن عيسٰى بن سورة بن موسٰى بن ضحاك سلمٰى، دارالغرب الاسلامى، بيروت، لبنان
○ سنن النسائى،احمد بن شعيب، دارالكتب العلمية،بيروت، لبنان
○ سنن ابن ماجة، ابوعبد اللّٰه محمد بن يزيد القزوينى، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان
○ الموطاء، مالك بن انس بن ابى عامر بن عمروبن حارث اصبحى،

Marfat.com

بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول اقوال، حکایات، واقعات پر مبنی

زندگی سنوارنے والی سبق آموز کتابیں

قرآنی بکھرے موتی	مرتب: علی اصغر
جنت کے حسین مناظر	مرتب: علی اصغر
ذکر اللہ والوں کے	مرتب: محمد فیروز
اقوالِ علی رضی اللہ عنہ کا انسائیکلوپیڈیا	مرتب: محمد مغفور الحق
شیخ سعدی کی باتیں	مرتب: محمد مغفور الحق
حکایات سعدی	شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ
حکایات رُومی	مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
روحانی حکایات	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
اقوالِ زریں کا انسائیکلوپیڈیا	مرتب: سیّد ذیشان نظامی
عظیم لوگوں کے سنہرے اقوال	مرتب: امر شاہد
فن تقریر (انعام یافتہ تقاریر)	پروفیسر نوید اے کیانی
گفتگو تقریر ایک فن	ڈیل کارنیگی
پریشان ہونا چھوڑیئے جینا سیکھئے!	ڈیل کارنیگی
میٹھے بول میں جادو ہے	ڈیل کارنیگی
کامیاب لوگوں کی دلچسپ باتیں	ڈیل کارنیگی
39 بڑے آدمی	ڈیل کارنیگی
مانیں نہ مانیں	ڈیل کارنیگی
موت کا منظر (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	خواجہ محمد اسلام

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977, 621953 موبائل 0323-5777931

Marfat.com

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

عظیم مسلم شخصیات کی زندگی پر مستند کتابیں

ان کتابوں کے بغیر آپ کی لائبریری نامکمل ہے!

حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد حسین ہیکل
سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	محمد حسین ہیکل
سیّدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	محمد حسین ہیکل
سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	محمد حسین ہیکل
سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر طٰہٰ حسین
سیرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا	حافظ ناصر محمود
حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ	حافظ ناصر محمود
حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا	حافظ ناصر محمود
حیات سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام	کامران اعظم سوہدروی
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	کامران اعظم سوہدروی
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	کامران اعظم سوہدروی
حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ	سیّد شاہد حسین بخاری
حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ	راجہ طارق محمود نعمانی
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	راجہ طارق محمود نعمانی
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	راجہ طارق محمود نعمانی
حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مع دیوانِ شمس تبریز	راجہ طارق محمود نعمانی
سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ	علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	پروفیسر مرزا اصفدر بیگ

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977, 621953 موبائل 0323-5777931

Marfat.com

اُردو زبان میں اپنے موضوع پر سب سے بڑا اِنسائیکلوپیڈیا

جس میں پہلی دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اقوال کو موضوعات کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اقوالِ علی کا انسائیکلوپیڈیا

مترجم و مرتب	ترتیب و تدوین	نظرِ ثانی
محمد مغفور الحق	حافظ ناصر محمود	راشد عزیز وارثی

آرٹ پیپر، ڈیلکس کوالٹی، قیمت -/999

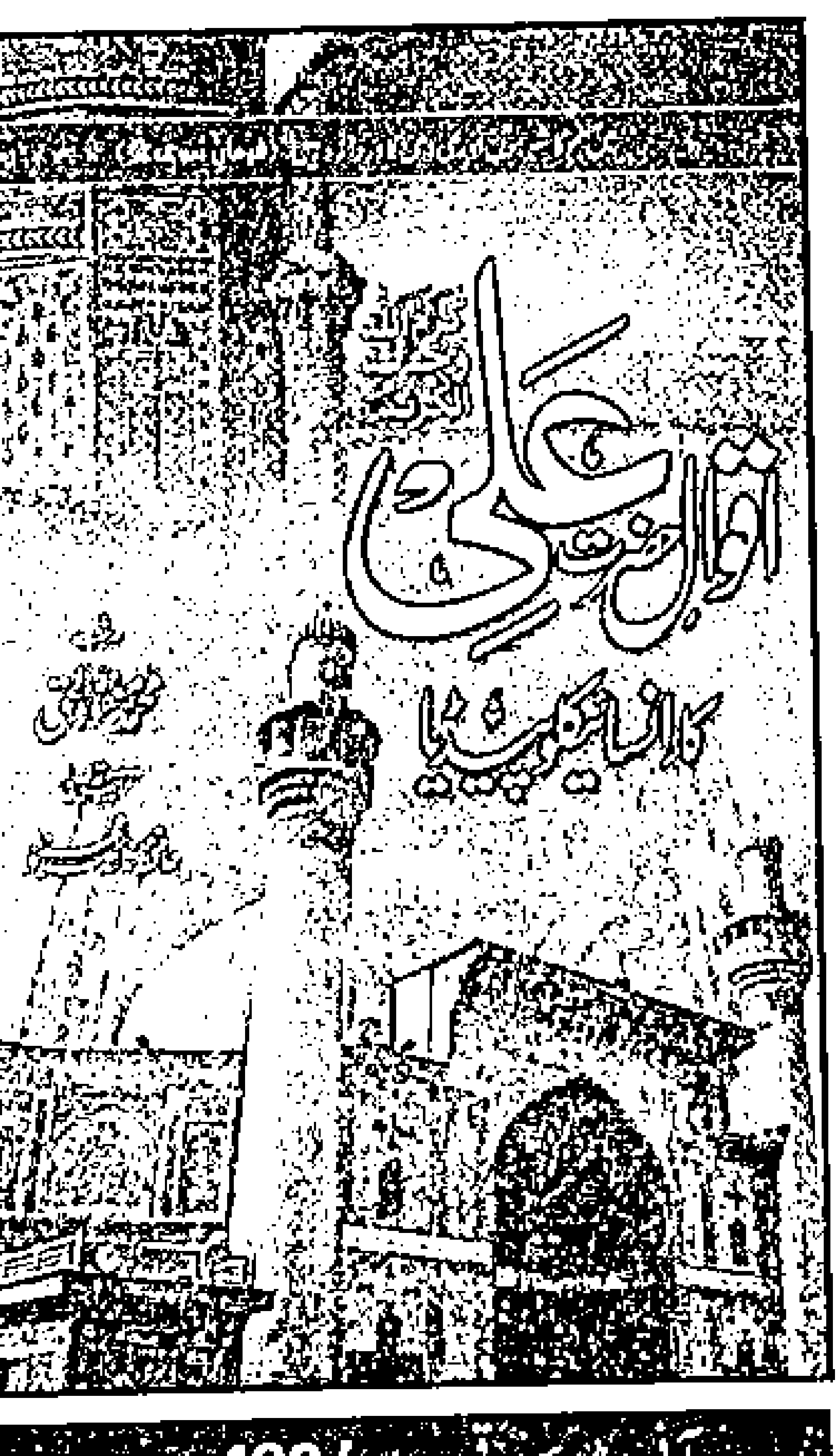

آفسٹ پیپر قیمت -/480 روپے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کا جائزہ لیا جائے تو کامل مردحق کی شخصیت عیاں ہوتی ہے۔ اُن کا بیان زبان دانی، فصاحت اور بلاغت اپنی مثال آپ ہے۔ رُشد و ہدایت سے بھرپور حکیمانہ اور عارفانہ رموز اپناتے ہوئے انہوں نے عربی زبان میں اسوہ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں جو ارشادات بیان فرمائے ہیں وہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک قول پوری سچائی کے ساتھ دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ اِرشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔'' کتاب مرتب کرنے میں محترم محمد مغفور الحق صاحب نے سال بتا دیے۔ ان کی ہر شنید کو دل میں جگہ دی۔ ہر تحریر کو سمیٹا۔ جو بھی کتاب اس موضوع پر ملی، اسے یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی اور یوں یہ کتاب صفحہ قرطاس پر رقم کی گئی۔ ان کا کہنا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ کلام عربی زبان میں ہے۔ اس کی ماہیت و مقام رموز، انداز بیان سے اہل علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اُردو میں ترجمہ کرتے ہوئے فاضل مصنف نے ارشادات کی حقیقت بیانی، بلاغت و فصاحت کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی عقیدت، محبت سے پیش کیا ہے۔ اُنہوں نے حروف تہجی کے لحاظ سے کتاب کو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ الف کے بیان میں احسان، ایمان، ایفائے عہد، امر بالمعروف، آخرت، اطاعت، اللہ کی رضا، اخلاق، استخارہ، استقامت وغیرہ کے بارے میں تفصیل ہے۔ آخر میں یقین کی آنکھ، یقین، یادِ خدا، یاوہ گوئی اور اختتام لازوال وصیت پر ہے۔ اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انسائیکلو پیڈیا پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں آپ کی زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ کے کلام کا اعجاز دِلوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ پُرحکمت بیان عقل کو شعور بخشتا ہے۔ رضائے الٰہی سمجھاتا اور آخرت کی اصلاح کرتا ہے۔ ایسی کتب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے تاکہ ہم ایمان و یقین کے ساتھ اقوال عالیہ کی روشنی میں زندگی گزار سکیں۔ طباعت و کتابت کے لحاظ سے کتاب کا جائزہ لیا جائے تو کوئی خامی نہیں۔ بک کارنر شوروم نے روایات برقرار رکھتے ہوئے خوب صورتی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ بلکہ ایک اور جدت کا اظہار یوں کیا ہے کہ اِسی کتاب کو آرٹ پیپر پر علیحدہ منظر عام پر لائے ہیں۔ تحفہ خاص کے پیش نظر اس کی قیمت -/999 روپے ہے۔ شادی بیاہ، دوست احباب کو دینے کیلئے آپ اسے خرید سکتے ہیں۔ (تبصرہ نگار: صغیرہ بانو شیریں، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، دسمبر 2010ء)

بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری
بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

Marfat.com

قادیانیت ایک فتنہ

ادارہ بک کارنر جہلم کے بانی و ناشر شاہد حمید کی برسوں کی محنت

صفحات 704 قیمت -/600 روپے صرف

علمائے اہل سنت بریلوی، علمائے دیوبند اور علمائے اہلحدیث کے منتخب نادر مضامین پر مبنی تحقیقی کتاب...... پہلی دفعہ ایک کتاب میں یکجا!

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	بطلِ حریت آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت سیّد امین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر اسرار احمد (مرحوم)
علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ
حضرت علامہ غلام ربانی چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ	امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ	حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ	حافظ زبیر علی زئی عفی عنہٗ

★ تاریخ مرزا ★ مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں ★ قادیانی مرتد پر قہر خداوندی ★ مرزا قادیانی اور نبوت
★ مرزا قادیانی کی غلطیاں ★ مرزا قادیانی کی کہانی مرزا اور مرزائیوں کی زبانی ★ آئینۂ قادیانیت
★ مسلمانوں کے مرزائیت سے نفرت کے اسباب اور مرزا قادیانی کے متضاد اقوال ★ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت
★ ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے ★ مرزائیت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں
★ مرزائیوں سے چند سوال ★ ختم نبوت کے تقاضے ★ فتنہ قادیانیت اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں
★ قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا عطا کیا؟ ★ مرزا غلام احمد سے مرزا ناصر احمد تک ★ قرآن اور ختم نبوت
★ مرزا غلام احمد قادیانی کے تیس (۳۰) جھوٹ ★ مسلمانوں اور قادیانیوں کے قبرستان پر سائنسی رپورٹ
★ مرزائیت کی اِسلام دُشمنی ★ قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ★ مرزا غلام احمد قادیانی کا عبرتناک انجام
★ اشتعال انگیز تحریریں ★ قادیانی پیشگوئیوں کا انجام ★ وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

Marfat.com

HAZRAT KHALID BIN WALEED

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

اہل کفار سے 125 نا قابل شکست جنگیں لڑنے والے تاریخ اسلام کے نامور فرزند،

اللہ کی تلوار عظیم المرتبت مجاہد، سپہ سالار اور اللہ تعالیٰ کی نا قابل شکست تلوار کی داستان

جو اللہ نے مشرکین اور کفار کیلئے بے نیام کردی تھی

مصنف
صادق حسین صدیقی

پکچرز ایڈیٹنگ
گلن شاہد ۔ امر شاہد

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

This Book is an authorized Urdu translation of
THE FLAME OF ISLAM, The Last Crusades
by Harold Lamb

صلاح الدین ایوبی

اِسلام کے مایۂ ناز فرزند "سلطان صلاح الدین ایوبی" کے مجاہدانہ کارناموں،
اُن کی درویشانہ زندگی اور بارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں اور
مسیحوں کی آویزشوں کا ایک جامع اور ولولہ انگیز مرقع

مُصنّف
ہیرلڈ لیم

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مترجم
پروفیسر محمد یوسف عباسی

پکچرز ایڈیٹنگ گلن شاہد ۔ امر شاہد

Marfat.com

MUHAMMAD BIN QASIM

سترہ سالہ جرنیل کی داستانِ شجاعت

محمد بن قاسم

مصنف
صادق حسین صدیقی

پکچرز اینڈ پینٹنگ
گلن شاہد - امر شاہد

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

SULTAN MAHMOOD GHAZNAVI

شہنشاہِ افغان یمین الدولہ عبدالقاسم محمود بن سبکتگین المعروف

سلطان محمود غزنوی

بت شکن

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مصنف
صادق حسین صدیقی سردھنوی

پکچرز ایڈیٹنگ
گلن شاہد - امر شاہد

Marfat.com

This Book is an authorized Urdu translation of
SOCRATES, THE MAN WHO DARED TO ASK
by *Cora Mason*

سُقراط

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مصنفہ
کورا میسن
مترجمہ
آنسہ صبیحہ حسن

سقراط دُنیائے فلسفہ کا سب سے عظیم اور جلیل المرتبت معلم تھا۔ جس نے پانچویں صدی قبل مسیح میں یونان میں مغربی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ سقراط 470 ق م میں یونان کے معروف شہر ایتھنز میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تحریری شواہد ناپید ہیں۔ تاہم افلاطون اور مابعد فلسفہ کے حوالے بتاتے ہیں کہ وہ ایک مجسمہ ساز تھا، جس نے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر کئی یونانی جنگوں میں حصہ لیا اور دادِ شجاعت دی۔ تاہم اپنے علمی مساعی کی بدولت اُسے گھر بار اور خاندان سے تعلق نہ تھا۔ احباب میں اس کی حیثیت ایک اخلاقی و روحانی بزرگ کی سی تھی۔ فطرتاً سقراط نہایت اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا حامل، حق پرست اور منصف مزاج اُستاد تھا۔ اپنی اسی حق پرستانہ فطرت اور مسلسل غور و فکر کے باعث اخیر عمر میں اس نے دیوتاؤں کے حقیقی وجود سے انکار کر دیا، جسکی پاداش میں جمہوریہ ایتھنز کی عدالت نے 399 قبل مسیح میں اسے موت کی سزا سنائی اور سقراط نے حق کی خاطر زہر کا پیالہ پی لیا۔

This Book is an authorized Urdu translation of
TAMERLANE; *The Earth Shaker* by Harold Lamb

امیر تیمور

جس نے دُنیا ہِلا ڈالی

مُصنف
ہیرلڈ لیم

مترجم:
محمد عنایت اللہ

پکچرز ایڈیٹنگ
گلشن شاہد ۔ امر شاہد

نایاب تاریخی تصاویر کیساتھ

Marfat.com

پاکستان کی معروف اقوام، قبائل، گوتوں اور ذاتوں کا تاریخی پس منظر اور تعارف

اُردو زبان میں اپنے موضوع پر سب سے بڑی کتاب

اقوامِ پاکستان

کا اِنسائیکلوپیڈیا

مصنف
انجم سلطان شہباز

نیا اضافہ شدہ ایڈیشن

- 1032 صفحات
- اعلیٰ سنہری کاغذ
- مضبوط بائنڈنگ
- خوبصورت سرورق
- دیدہ زیب پرنٹنگ
- قیمت: -/1500 روپے

یہ کتاب کسی متعصب غیرملکی مصنف کی، کسی احمقانہ تصنیف کا ترجمہ نہیں، جسے بغیر سوچے سمجھے بلا تحقیق بے شمار پبلشرز مکھی پر مکھی مار کے، یہ خیال کیے بغیر شائع کرتے رہتے ہیں کہ اگر کسی غیر مسلم مصنف نے اپنے احمقانہ نظریہ کو قلمبند کر ہی دیا ہے تو کم از کم ہمیں اس کو شائع کر کے کسی قوم یا فریق کی دِل آزاری نہیں کرنی چاہیے۔ کوئی قوم یا قبیلہ سارے کا سارا، ایک جیسا نہیں ہوتا...... اگر کسی قبیلے یا قوم کے کسی ایک فرد سے کوئی غلط حرکت سرزد ہوئی تھی تو اس کا الزام اس کی ساری قوم پر تھوپ دینا یا پوری قوم اور قبیلے کو ویسا ہی لکھ دینا، کسی طور بھی مناسب اور مستحسن نہیں....!!!!

TARIQ BIN ZIYAD

فاتح اندلس

طارق بن زیاد

عظیم سپہ سالار کی عظمت اور اُمتِ مسلمہ کے عروج، کامرانی، فیروز مندی اور خوش بختی کی داستانِ جمیل

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مُصنّف
صادق حسین صدیقی سردھنوی

بیکچرز ایڈیٹنگ
گلن شاہد ۔ امر شاہد

Marfat.com

خلیفۂ راشد، خلیفۃ المسلمین، فاتح خیبر
داماد رسول ﷺ، شیر خدا، امیر المومنین

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

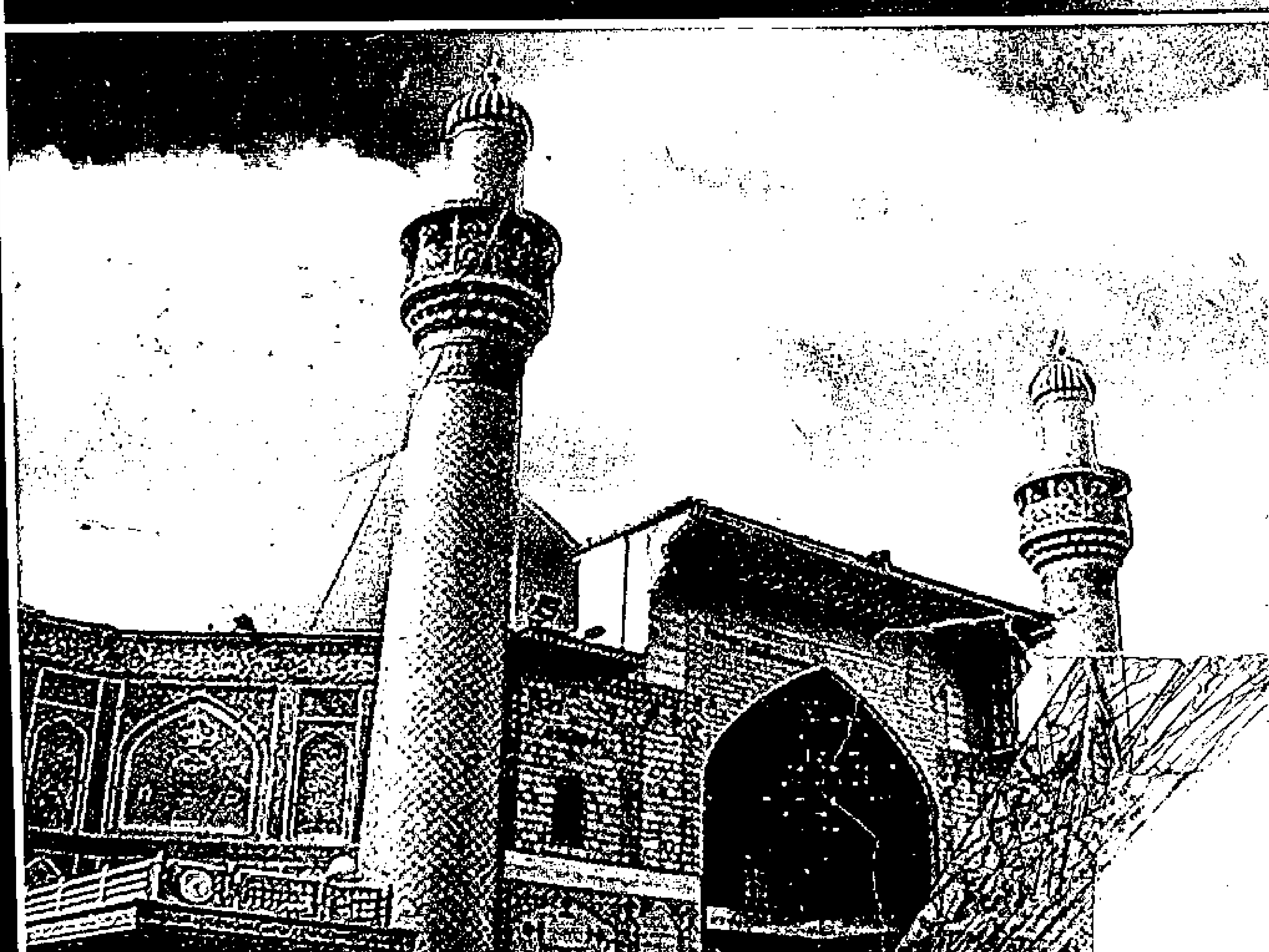

مصنف
ڈاکٹر طٰہٰ حسین

مترجم
انجم سلطان شہباز

Marfat.com